

www.Paksociety.com
ردا ڈائجسٹ
JUNE
2012
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
ماڈل: آرزو
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
موسیٰ رضا
www.Paksociety.com



سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

جون 2012ء
جلد نمبر 17 شمارہ نمبر 6
قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
600 رُوپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ ڈی بلاک ۔2۔ پی ۔ای ۔سی ۔ایچ ۔سوسائٹی، کراچی

مستقل سلسلے



صالحہ محمود

چلچلاتی دھوپ بھرا آسمان دہشت ... ہاتھ چینے والے ... ۔ اللہ کی کائنات کے رنگ بھرے یہ گل دبوٹے جو زمین نے سورج کی تپش سے اگل دیئے ہیں اللہ کتنا بڑا مہربان ہے۔ اللہ کی ذات بے نیاز ہے اس تپش اور دھوپ میں زمین کو سبزہ ولالہ زار کر دیا۔ جبکہ بندہ بشر نے اس پاک سرزمین لہولہان کر دیا ہے۔ لیاری میں موجود آتش فشاں جیسا اسلحہ پولیس سر جوڑ کر بھی اس آپریشن کو کامیاب نہ کر سکی' یہ کیسی آپادھاپی تھی' یہ کیسی غفلت تھی' کہاں سے آیا کیسے آیا یہ اسلحہ؟ قوم کتنی بے خبر رہی' مجرم و دہشت گرد گھروں کو اجاڑتے رہے حکومت آہنی ہاتھ کو ڈھونڈتی رہی' یہ قیامت کے شب و روز نشانیاں ہیں کہ سپریم کورٹ کے حکم پر ابھی تک سنائی نہ ہو سکی' ایک خونی دشتِ دریا ہے جس میں سب اپنی اپنی ہوس کی کشتیوں پر سوار چلے جا رہے ہیں۔ پاکستان ایک ایسا دریا ہے سنہرے موتیوں' ہیرے جواہرات کا جس میں ساری سیاسی پارٹیاں اپنے ہاتھ دھو رہی ہیں۔ ابھی دل اداس تھا کہ ہمارے گلیشیئر کے برفیلے پہاڑ نے ہیرے جواہرات اپنی آغوش میں ہمیشہ کے لئے چھپا لئے' نہ کوئی پرسان حال شہر تھا کوئی سنائی نہ ہو سکی' کوئی رسائی نہ ہو سکی' قیامت توڑ زندگی کے مسائل بھوک اور غربت' لیاری میں پھنسے ہوئے بے بس انسان دہشت گردوں کی انتہائی گھناؤنی شکل سامنے آئی' سندھ کے سیاسی منظر میں لسانی آڑ میں استعمال کیا جانے والا اسلحہ جس میں جدید قسم کے راکٹ لانچر موجود ہیں' یہ لمحہ فکریہ ہے ان لوگوں کے لئے جن کی حکومت سندھ میں قائم ہوئی ہے۔ اللہ کرے جب یہ اداریہ آپ تک پہنچے تو ہماری پولیس وہاں سے سرخرو ہو کر نکلے' اس شہرِ دشت کی تنہائی پر اجاڑ بستیوں' بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے پریشان حال انسان اللہ کی ذات پر یقین رکھیں۔ یقین نہیں ٹوٹتا بظاہر ہم ٹوٹ جاتے ہیں۔ شاید بندہ بشر ٹوٹ جانے کے لئے ہی بنا ہے' چلو صبر کرتے ہیں اپنے حال پر اور خوش رہنے کے لئے وہی تدبیر ٹھہری کہ آؤ پلٹ جائیں۔ سو ہم آپ سے کہتے ہیں ردا میں نئے لکھنے والے اپنی کوشش جاری رکھیں۔ ردا ان کا ہے تو لکھتے رہیں۔ ردا کیسا لگا سندیسہ لکھنا مت بھولئے گا۔

(آپی)

ردائے نبیﷺ

صالحہ محمود

نماز کا اہتمام

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں' جو ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ٹھیک وقت پر ادا کرے اور رکوع و خشوع پورا کرے' اس کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے اللہ کا وعدہ نہیں' اگر وہ چاہے بخش دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔ (مسند احمد' ابوداؤد)

قرآن کی پیروی

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا' جس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی' پھر اس کی اتباع کی' اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں گمراہی سے بچائے گا اور قیامت کے دن سخت عذاب سے محفوظ رکھے گا' ایک روایت میں ہے کہ جو قرآن کی پیروی کرے گا' وہ دنیا میں گم راہ اور آخرت میں بدبخت نہ ہوگا' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ جو میری ہدایت کی اتباع کرے' وہ نہ گم راہ ہوا اور نہ بدنصیب۔

اللہ کی شکر گزاری

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے عبادت کی اجازت طلب کی اور نماز میں مشغول ہو گئے' آپ قیام کی حالت میں اتنا روئے کہ آنسو سینہ مبارک تک جا پہنچے' پھر رکوع میں گریہ زاری کی اور سجدے میں دیر تک روتے رہے یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے نماز فجر کی اطلاع دی۔ میں نے پوچھا' جب اللہ نے آپؐ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے تو پھر اس اشک باری کا کیا معنیٰ؟ آپؐ نے فرمایا' کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

دین میں آسانی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' دین آسان ہے اور کوئی دین کو سخت نہ بنائے گا مگر دین اس پر غالب آ جائے گا' لہٰذا ٹھیک رہو خوش خبریاں دو اور صبح و شام اندھیری رات کی نمازوں سے مدد لو۔ (صحیح بخاری)

نیکی کی دعوت دینے والا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا' جو ہدایت کی طرف بلائے' اسے تمام عمل کرنے والوں کی طرح ثواب ملے گا اور اس کے اپنے ثواب سے کم نہ ہوگا اور جو گم راہی کی طرف بلائے گا تو اس پر تمام پیروی کرنے والے گمراہوں کے برابر گناہ ہوگا اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا"۔ (صحیح مسلم)

موت کے بعد

حضرت انس بن مالکؓ رایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "میت کے ساتھ تین

چیزیں جاتی ہیں۔ دو چیزیں واپس آجاتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے' گھر والے' مال اور عمل ساتھ جاتے ہیں' پھر گھر والے اور مال واپس آجاتے ہیں اور عمل ساتھ رہ جاتا ہے''۔ (صحیح مسلم)

قابل رشک لوگ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' تین قسم کے لوگ قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے' ان پر اگلے پچھلے سب لوگ رشک کریں گے۔ ایک وہ شخص جو دن رات کی پانچ نمازوں کے لئے اذان دیا کرتا تھا۔ دوسرا وہ شخص جس نے لوگوں کی امامت کی اور وہ اس سے راضی رہے۔ تیسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا بھی حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی حق ادا کرے''۔ (جامع ترمذی)

حلال کمائی

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا' لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے جب کوئی شخص بالکل اس امر کا خیال نہیں کرے گا کہ یہ چیز اس کو حلال طریقہ پر ملی ہے یا حرام پر''۔ (بخاری)

پڑوسی کا حق

حضور اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''اللہ کی قسم وہ شخص ایمان والا نہیں ہے خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے' آپؐ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ کون؟ آپؐ نے فرمایا۔ وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کے پڑوسی امن میں نہ ہوں۔
(بخاری)

رشتے داروں سے برتاؤ

''جو شخص چاہے کہ اس کی روزی میں کشادگی اور عمر میں زیادتی ہو تو وہ رشتے داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرے۔ (بخاری)

ناپ تول میں کمی کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''بڑی تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کرلیں تو پورا لے لیں اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں۔ کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے (یعنی اس دن سے ڈرنا چاہئے اور ناپ تول میں کمی سے توبہ کرنی چاہیے)۔ (مطففین)

عیب تلاش کرنا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ''اگر تم لوگوں کے عیوب تلاش کرو گے تو ان کو بگاڑ دو گے''۔
(ابوداؤد)

ف: مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں عیوب کو تلاش کرنے سے ان میں نفرت' بغض اور بہت سی برائیاں پیدا ہوں گی اور ممکن ہے کہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے اور انہیں پھیلانے سے وہ لوگ ضد میں گناہوں پر جرات کرنے لگیں۔ یہ ساری باتیں ان میں مزید بگاڑ کا سبب ہوں گی''۔ (بذل المجہود)

مسلمانوں کو ستانا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''مسلمانوں کو ستایا نہ کرو' ان کو عار نہ دلایا کرو اور ان کی لغزشوں کو نہ تلاش کیا کرو۔ (ابن حبان)

☆☆☆☆☆

اناج ذخیرہ کرنے کا عذاب

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ مسجد سے نکلے تو اناج پھیلا ہوا دیکھا۔ پوچھا یہ غلہ کہاں سے آگیا۔ لوگوں نے کہا بکنے کے لئے آیا ہے۔ آپ نے دعا کی یا اللہ! اس میں برکت دے لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھاؤ پر بیچنے کے لئے پہلے سے جمع کر لیا گیا تھا؟ پوچھا کس نے جمع کیا تھا؟ لوگوں نے کہا' ایک تو فروغؓ نے' اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے۔ آپؓ نے دونوں کو بلوایا اور فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں' لہٰذا جب چاہیں بیچیں۔ ہمیں اختیار ہے' آپؓ نے فرمایا' سنو! میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک کر رکھے اسے اللہ تعالیٰ مفلس کر دے گا یا جذامی۔ یہ سن کر حضرت فروغؓ فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے اللہ تعالیٰ سے۔ میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہیں کروں گا' لیکن حضرت عمرؓ کے غلام نے پھر بھی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں اس میں کیا حرج ہے؟ راوی حدیث حضرت ابو یحییٰ رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور وہ جذامی بنا پھرتا تھا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ پر بیچنے کے لئے روک رکھے اللہ تعالیٰ اسے مفلس کر دے گا یا جذامی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 372)۔

سب سے زیادہ قابل رشک بندہ

ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے جو سبک بار (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو نماز میں اس کا بڑا حصہ ہو اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفت احسان کے ساتھ کرتا ہو اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اس کا شعار ہو اور یہ سب کچھ اخفا کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو اور وہ چھپا ہوا اور گمنامی کی حالت میں ہو اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں اور اس کی روزی بھی بقدر کفاف ہو اور وہ اس پر صابر و قانع ہو' پھر رسول ﷺ نے اپنے ہاتھ سے چٹکی بجائی (جیسے کہ کسی چیز کے ہو جانے پر اظہار تعجب یا اظہار حیرت کے لئے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آگئی اس کو موت اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہیں اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا سا ہے۔ (مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)..... فائدہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے الوان و احوال مختلف ہیں' لیکن ان میں بہت زیادہ قابل رشک زندگی ان اہل ایمان کی ہے جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے وہ بہت ہلکے' مگر نماز اور عبادات میں ان کا خاص حصہ ہے اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گمنام کہ آتے جاتے کوئی ان کی طرف انگلی اٹھا کے نہیں کہتا کہ یہ فلاں بزرگ اور فلاں صاحب ہیں اور ان کی روزی بس بقدر کفاف ہے لیکن وہ اس پر دل سے صابر و قانع' جب موت کا وقت آیا تو ایک دم رخصت' نہ پیچھے زیادہ مال و دولت اور نہ جائیدادوں' مکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے اور نہ زیادہ ان پر رونے والیاں۔ بلاشبہ بڑی قابل رشک ہے' اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی اور الحمد اللہ اس قسم کی زندگی والوں سے ہماری یہ دنیا اب بھی خالی نہیں۔ (معارف الحدیث جلد 2 صفحہ 88)۔

نماز کا اہتمام

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں‘ جو ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ٹھیک وقت پر ادا کرے اور رکوع و خشوع پورا کرے‘ اس کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے اللہ کا وعدہ نہیں‘ اگر وہ چاہے بخش دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔ (مسند احمد‘ ابو داؤد)

قرآن کی پیروی

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا‘ جس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی‘ پھر اس کی اتباع کی‘ اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں گمراہی سے بچائے گا اور قیامت کے دن سخت عذاب سے محفوظ رکھے گا‘ ایک روایت میں ہے کہ جو قرآن کی پیروی کرے گا‘ وہ دنیا میں گم راہ اور آخرت میں بد بخت نہ ہوگا‘ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ جو میری ہدایت کی اتباع کرے‘ وہ نہ گم راہ ہوا اور نہ بد نصیب۔

اللہ کی شکر گزاری

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے عبادت کی اجازت طلب کی اور نماز میں مشغول ہوگئے آپؐ قیام کی حالت میں اتنا روئے کہ آنسو سینہ مبارک تک جا پہنچے‘ پھر رکوع میں گریہ زاری کی اور سجدے میں دیر تک روتے رہے یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے نماز فجر کی اطلاع دی۔ میں نے پوچھا‘ جب اللہ نے آپؐ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے تو پھر اس اشک باری کا کیا معنی؟ آپؐ نے فرمایا‘ کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

دین میں آسانی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا‘ دین آسان ہے اور کوئی دین کو سخت نہ بنائے گا مگر دین اس پر غالب آجائے گا‘ لہٰذا ٹھیک رہو خوش خبریاں دو اور صبح و شام اندھیری رات کی نمازوں سے مدد لو۔ (صحیح بخاری)

نیکی کی دعوت دینے والا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا‘ جو ہدایت کی طرف بلائے‘ اسے تمام عمل کرنے والوں کی طرح ثواب ملے گا اور اس کے اپنے ثواب سے کم نہ ہوگا اور جو گم راہی کی طرف بلائے گا تو اس پر تمام پیروی کرنے والے گمراہوں کے برابر گناہ ہوگا اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا“۔ (صحیح مسلم)

موت کے بعد

حضرت انس بن مالکؓ رایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ دو چیزیں واپس آجاتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے‘ گھر والے مال اور عمل ساتھ جاتے ہیں‘ پھر گھر والے اور مال واپس آجاتے ہیں اور عمل ساتھ رہ جاتا ہے“۔ (صحیح مسلم)

قابل رشک لوگ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا‘ تین قسم کے لوگ قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے‘ ان پر اگلے پچھلے سب لوگ رشک کریں گے۔ ایک وہ شخص جو دن رات کی پانچ نمازوں کے لئے اذان دیا کرتا تھا۔ دوسرا وہ شخص جس نے لوگوں کی امامت کی اور وہ اس سے راضی رہے۔ تیسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا بھی حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی حق ادا کرے“۔ (جامع ترمذی)

گوشۂ قارئین

جیا قریشی

سب سے پہلے تو ردا‘ ردا اسٹاف اور تمام قارئین کو خلوص و محبت بھرا اسلام۔ آپ سب مجھے جیا قریشی کے نام سے جانتے ہیں۔ میرا اصل نام ثوبیہ ہے۔ جیا میرا قلمی نام ہے اور قریشی ہماری کاسٹ۔ قلمی نام رکھنے کی بھی اپنی کہانی ہے‘ مختصراً یہ کہ میں چاہتی ہی نہیں تھی کہ میری فیملی کو میرے لکھنے کے بارے میں پتہ چلے مگر میں چھپا ہی نہیں سکی‘ کچھ تو ناول شائع ہونے کی مسرت بے پایاں تھی اور کچھ ہماری پیٹ کی ہلکی بہن نے سارے عالم میں خبر نشر کر دی تھی۔ جہاں سب سرپرائز تھے وہیں ماما کو غصہ بھی آیا تھا۔ ایکچو لی ہماری ماما روایتی سی ہیں جیسی سب کی ہوتی ہیں مگر اب تو وہ ہمارے لکھنے سے کافی حد تک سمجھوتہ کر چکی ہیں بلکہ اب تو کبھی کبھی ہماری اسٹوریز کے متعلق پوچھ بھی لیتی ہیں۔

لکھنے کا سفر بہت پرانا نہیں نہ ہی ہم کوئی بچپن کے لکھاری ہیں اور نہ ہی ہمیں اپنی اس صلاحیت کا علم تھا۔ اسکول میں کوئی مضمون لکھنے کو مل جاتا تو وہ بھی ہمارے لئے سوہان روح ہوتا کہ ہائے اللہ اب کیا کریں‘ اس موضوع پر کیسے قلم اٹھائیں۔ وہ تو بھلا ہو ہماری کالج فرینڈز کا جنہوں نے ہماری اس پوشیدہ صلاحیت کو پہچانا اور نا صرف پہچانا بلکہ ڈنڈے کے زور پر باہر بھی نکالا۔ بچپن سے ہمیں صرف پڑھنے کا ::ن تھا۔ نونہال‘ تعلیم و تربیت‘ چاند ستارے ساتھی وغیرہ اور ذرا بڑے ہوئے تو اشتیاق احمد کے جاسوسی ناولز۔ ڈائجسٹ سے ہماری آشنائی بارہ تیرہ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ ہمارے گھر میں تو کوئی ڈائجسٹ نہیں پڑھتا تھا‘ ہاں دادی کے ہاں بڑی چاچی پڑھتی تھیں۔ ویک اینڈ پر ہم جب بھی دادی کے ہاں جاتے تھے ماما‘ تائی اور ساری چاچیز وغیرہ ہال کمرے میں دادی کے پاس جمع ہوتے تھے اور ہم کزنز کو موقع مل جاتا‘ ہم چاچی کے کمرے میں دھاوا بول دیتے‘ لڑکے ٹی وی سنبھالتے اور لڑکیاں ڈائجسٹ۔ جب کسی کی ای وغیرہ راؤنڈ لگاتیں ہم ڈائجسٹ چھپا کر ٹی وی میں مگن ہو جاتے‘ کبھی اگر امیوں میں سے کوئی دیکھ لیتا تو ایک ایک دھموکا جڑ کر ڈائجسٹ چھین لیے جاتے پھر بڑی چاچی ہم لوگوں کے فیور میں بولتی تھیں کہ پڑھنے دیں مگر ہمیں پھر بھی ڈائجسٹ پڑھنے کی باقاعدہ اجازت میٹرک کے بعد ملی۔

کالج میں ہمارا گیارہ لڑکیوں کا گروپ تھا جن میں سے صرف ہم ہی تھے جو ڈائجسٹ پڑھتے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہوئے منیرہ اور سعیدہ کو بھی شوق چڑھا ڈائجسٹ کا مگر وہی مسئلہ کہ گھر میں پابندی ہے‘ سو اپنی فرینڈز کے شوق کو دیکھتے ہوئے ہم نے کہانیاں سنانی شروع کیں‘ کبھی پڑھی ہوئی سناتے تو کبھی ادھوری پڑھی ہوئی کہانی کا اینڈ ہم خود کر دیتے اور کبھی پوری کی پوری خود گھڑ لیتے۔ ادھر کہانیاں سننے والوں کا حلقہ

وسیع ہورہا تھا اور ادھر ہمارے گروپ کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا کہ ”تم اچھی خاصی اسٹوری سنا لیتی ہو تو لکھ کیوں نہیں سکتیں“ اور ہمارا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ ”نہیں یار...... سنانا ایک الگ بات ہے اور لکھنا ایک الگ بات“۔ ان ہی دنوں ہمارے کالج میں اسٹوڈنٹ ویک منانے کا اعلان ہوا۔ کالج کی پہلی غیر نصابی سرگرمی تھی ہمارے لئے' اس لئے سب ہی پرجوش تھے۔ کامیڈی ڈرامہ لکھنے کا کام ہمارے گروپ نے ہمارے سپرد کیا تھا۔ تین دن کی محنت کے بعد ہم نے ملکہ نور جہاں اور جہانگیر کی محبت پر مبنی کامیڈی ڈرامہ لکھ ہی لیا اور دھڑکتے دل کے ساتھ اردو ڈپارٹمنٹ کی ہیڈ اور ڈرامہ انچارج کے حضور پیش کر دیا' جنہوں نے بہت سے قہقہوں کے بیچ ڈرامہ پڑھا اور ہمیں ڈرامہ بنانے کی اجازت دے دی۔ بدقسمتی سے وہ اسٹوڈنٹ ویک تو کینسل ہوگیا کیونکہ پرنسپل صاحب کے ہسبینڈ کی ڈیتھ ہوگئی تھی مگر ہماری فرینڈز کے ہاتھ ایک موضوع آ گیا تھا کہ ”لکھو لکھو“ اور یوں جناب ہم نے اپنے پہلے ناول کی اسٹوری لکھنی شروع کی (روشن صبح کی نوید' جو کہ فروری 2011 کے ردا میں شائع ہوا تھا) ”روشن صبح کی نوید“ کا اسکرپٹ ہماری دو ضخیم نوٹ بکس پر مشتمل ہے جسے ہم نے اب بھی بہت سنبھال کر رکھا ہے۔ فرسٹ ایئر میں تھے جب لکھا تھا اور لکھ کر بھول بھی چکے تھے۔

گریجویشن کے بعد جب فراغت کے لمحات میں ہم نے اپنا کبرڈ (بقول ماما کے کوڑے دان) کو صفائی کی نیت سے کھولا تو ہمیں اسکرپٹ ملا۔ ان ہی دنوں ہماری ردا سے جان پہچان ہوئی تھی۔ بس اسے ایڈیٹنگ کے ساتھ فیئر کیا اور قسمت آزمائی کے طور پر ردا کو پوسٹ کر دیا۔ سوچا چھپ گیا تو ٹھیک ورنہ لکھنے کا سفر یہیں پر ختم۔ ہمیں اس کے چھپنے کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی مگر صالحہ آپی نے اپنے قول کو سچا ثابت کیا کہ واقعی وہ نئے لکھنے والوں کو ایک موقع ضرور دیتی ہیں۔ ردا کے بارے میں' میں بس اتنا ہی کہوں گی کہ ردا ایک اکیڈمی ہے جو اپنا سفر شروع کرنے والوں کو پورے خلوص اور خوشدلی سے ویلکم کرتا ہے۔ تو یہ تھی داستان سنائی میں نے اپنا ادبی سفر شروع کرنے کی۔ اگر قسمت نے اور آپ قارئین نے ساتھ دیا تو بہت آگے تک جانے کا ارادہ ہے۔

اب کچھ اپنے بارے میں بتاتی چلوں۔ نام تو آپ جان ہی چکے ہیں۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں۔ چار بھائی' دو بہنیں ہم سمیت۔ ہمارا نمبر دوسرا ہے۔ 10 دسمبر ہماری تاریخ پیدائش ہے اس لحاظ سے Sagittarus ہمارا اسٹار ہے۔ اسٹارز میں ہماری دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ہمارے اسٹار کی کیا خوبیاں اور خامیاں ہیں اور وہ ہم میں موجود ہیں یا نہیں۔ بلیو' بلیک اور وائٹ میرے فیورٹ کلرز ہیں۔ کھانے میں مجھے بلیک فاریسٹ کیک' بریانی اور اپنے ہاتھ کی بنی سوئٹ اینڈ اسپائسی اسپگیٹی بہت پسند ہے۔ انگلش موویز پسند ہیں۔ پرفیومز سے الرجی ہے اس لئے چاہنے کے باوجود نہ تو لگا سکتی ہوں اور نہ ہی سونگھ سکتی ہوں۔ مزاجاً بہت رومینٹک ہوں۔ بہت ساری خواہشات میں ایک خواہش یہ بھی ہے کہ ہاتھ میں ان کا (جن کا ابھی تک کچھ پتہ نہیں) ہاتھ ہو' چاندنی

رات ہو اور میں مری میں برفباری انجوائے کروں۔ بارش میں بھیگنا مجھے بالکل پسند نہیں لیکن کھڑکی کے شیشے سے ناک ٹکا کے برستی بارش کو یک ٹک دیکھنا مجھے بہت پسند ہے۔ خامیوں کا پتہ لگانے کے لئے اپنی سسٹر سے رجوع کیا تو وہ پٹاخ سے بولی پھوہڑ ہو' کچن سے تمہارا واسطہ پکانے کی حد تک ہوتا ہے اس کے بعد تمہارا پھیلاوا مجھے سمیٹنا پڑتا ہے۔ ماما سے رابطے پر ایک لمبی فہرست کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلے سستی کا ڈھیر' لاپرواہ اور حد درجہ بے وقوف' کب کس بات پر کیسے ری ایکٹ کرنا ہے تمہیں نہیں پتا۔ اس کے علاوہ مجھے بہت زیادہ غصہ آتا ہے جس پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ حد سے زیادہ اسٹریٹ فارورڈ ہوں' یہ کسی کے نزدیک خامی ہے تو کسی کے نزدیک خوبی' میرے نزدیک خوبی ہے۔ میں کسی کے بھی خلاف بات زیادہ عرصہ دل میں نہیں رکھتی' جلد ہی دل صاف کر لیتی ہوں۔ اگر کسی کے خلاف میرے دل میں بات ہو تو پھر میں اس سے باچھیں پھیلا کر نہیں مل سکتی۔ مجھے تو ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جن کے دلوں میں کلو کے حساب سے میل ہوتا ہے اور کانوں تک کی مسکراہٹ پھیلائی ہوتی ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکتی' سچ میں میرے تو جبڑے دکھنے لگتے ہیں۔ مستقل مزاج نہیں ہوں اور اپنی اس عادت سے میں خود بھی تنگ ہوں۔ ہماری خوبیوں کے بارے میں فائزہ' عائشہ (کزنز) اور عائشہ (سسٹر) کہتی ہیں تم بہت پرخلوص' حساس اور محبت کرنے والی ہو' فرینڈلی ہو اور فنی بھی۔ اس کے علاوہ کھانا بھی اچھا پکاتی ہو اور ردتی بہت زیادہ ہو (اب کوئی ان سے پوچھے کہ یہ کیا خوبی ہے ہاں نہیں تو......) میرے مشاغل بس یہی ہیں پڑھنا اور اب لکھنا اور ہاں ہر سیٹرڈے نائٹ کو اچھی سی مووی اپنے بھائیوں کے ساتھ دیکھنا' عاشی ہمارے ساتھ نہیں ہوتی وہ جلدی سو جاتی ہے ناں۔

میری فیورٹ رائٹرز صالحہ محمود' عمیرہ احمد' فائزہ افتخار' جبیں سسٹر' فرحت اشتیاق' نائلہ طارق ہیں۔

میرے ہر ناول میں حقیقت کے ساتھ افسانوی ٹچ ہوتا ہے۔ تقریباً 60 پرسنٹ حقیقت تو 40 پرسنٹ افسانہ۔ آپ کو رائٹر بننے کی ریسپی بتاتی ہوں۔ سب سے پہلے تو اپنا مطالعہ وسیع کریں اور مشاہدہ تیز پھر اپنے اردگرد پر گہری نظر ڈالیں' آپ کے گرد ہی بے شمار کہانیاں بکھری ہوئی ہیں' کسی بھی کہانی کا انتخاب کیجیے اور لفظوں میں ڈھال لیجیے۔ لیجئے جناب ہوگئی اسٹوری تیار۔ مطالعہ سے آپ کو لفظوں کی کمی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور بات بیان کرنے میں آسانی ہوگی اور تیز مشاہدہ آپ کو موضوعات کی کمی نہیں ہونے دے گا۔

علامہ اقبال کی ”شکوہ جواب شکوہ“ اور ”بال جبریل“ مجھے بہت بہت پسند ہے۔

آخر میں آپ سب سے یہ کہنا چاہوں گی کہ زندگی اللہ کی نعمت ہے اس کی قدر کیجئے۔ کوئی بھی غم یا پریشانی ہو ہماری زندگی سے بڑھ کر کچھ نہیں' اسے خود پر سوار نہ ہونے دیں۔ یہ سوچ رکھیں کہ یہ وقت بھی گزر ہی جائے گا۔ اپنا اور اپنے سے جڑے لوگوں کا خیال رکھئے اور پیار اور احترام کیجئے' فی امان اللہ۔

............☆☆☆............



صالحہ محمود

قسط نمبر 6

سلسلے وار ناول

رنگ جمائے جو قریب تھے

ارسلان چپ چپ اور اداس گھوم رہا تھا' ایشل نے بڑے غور سے دیکھا وہ اس کے دل کا بھید جان گئی تھی' رومی بہت خاموش سی مجرم سی بنی ارسلان کے سامنے پیر لٹکائے ایشل کے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ تائی اماں کی مسلسل باہر سے آوازیں آرہی تھیں اور دادی بھی چیخ رہی تھیں۔

''تم کیوں اتنی چپ چپ بیٹھی ہو رومی......؟'' ارسلان نے اسے چھیڑا تھا۔

''کیا قسمت ہے تمہاری' کبھی کبھی دعائیں جلدی قبول ہو جاتی ہیں''۔

''کیوں کیا کوئی بددعا دی تھی آپ نے......؟'' تو ارسلان اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرا دیا۔

''دعا دی تھی میں نے کہ رومی کو اتنی خوشیاں ملیں کہ دیکھنے والا دیکھتا رہ جائے''۔

''کیوں......؟ کوئی خاص وجہ تھی یا کوئی خاص لوگ تھے کہ دیکھتے رہ جائیں''۔ اس نے سنجیدگی سے اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔

''خاص لوگ تو خاص ہوتے ہیں یہ تو تمہیں ماننا پڑے گا ورنہ میں ہر ایک کے لئے دعا نہیں کرتا''۔ وہ اداس لہجے میں بولا۔

''رومی کٹی شاخ کے اس پرندے کی مانند ہے جس کا گھونسلا تیز آندھی میں بکھر جائے پھر اسے کسی شاخ میں کوئی پرندہ پھٹکنے نہ دے تو وہ پھر کسی جنگل میں درخت کی تلاش میں چلا جاتا ہے جہاں اپنے نہیں سب غیر ہوتے ہیں اور وہاں اسے پھر اپنا گھونسلا بنانا ہی پڑتا ہے''۔

''اف تم کب سے اتنی بڑی ہو گئیں جو اپنا گھونسلا بنانے کے لئے دور دیس نکل گئیں پگلی۔ اللہ راستے بناتا ہے' جو گر دیکھے تو اَبر نگاہ ہو''۔ وہ اس کے چہرے کو بہت ہی محبت سے تک رہا تھا۔

''اور تم اتنی اداس کیوں بیٹھی ہو بکواس مت کرو' تمہارے تایا نہیں' ہم ہیں' یہ گھر تمہارا ہے' زیادہ سیریس ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہاں بس ایک دکھ تو ہے ضرور جو ہمارے اور تمہارے درمیان حائل ہو گیا''۔ اسے ارسلان کے دل کی خبر تھی کہ وہ اسے پسند کرتا ہے اس لئے اس نے بہت دزدیدہ نظروں سے ایشل سے نظر بچا کر ارسلان کو دیکھا تھا۔

''بس......یہی رومی کہ وہ اتنے بڑے لوگ ہیں میں چاہ کر بھی تمہارے گھر نہیں آسکوں گا' مجھے امارت کے پہاڑ کبھی اچھے نہیں لگے' امارت محبت کو نکال پھینکتی ہے تم بھی مجھے دل سے نکال پھینکو گی''۔

''آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں آپ کو دل میں بسائے رکھوں''۔ اس کی آنکھیں اس کی آنکھوں میں جلنے لگی تھیں۔

''نہیں نہیں میں اتنا خود غرض نہیں ہوں''۔ اس نے بیڈ سے کشن اٹھا کر رومی کے اوپر پھینکا تھا۔ وہ کشن کو تھام کر

اپنے چہرے سے لگا کر سسک پڑی تھی۔ باہر سے آوازیں آ رہی تھیں۔

''کیسی چالاک دھوکے باز لڑکی ہے' دو دن میں اس نے ولید ہاؤس کی بنیادوں میں ایسا چکر چلایا کہ لڑکا اس کا دیوانہ ہو گیا' دادی اور ماموں کو چھوڑو اماں' صبا اس کے ماتھے کو چوم چوم کر کہہ رہی تھیں کہ میری بیٹی ہے سنبھال کر رکھنا میں اسے دو دن کے لئے چھوڑ کر جا رہی ہوں' یہ دو دن نہیں اماں! دو صدیاں ہیں۔ میرے دل سے پوچھو کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ میری ایشل کا دل پھٹ گیا ہوگا اندر سے' پڑھی لکھی ہنر مند بیٹی ہے میری' آپ نے اس کو کیوں نہ بھیج دیا دو چار دن کے لئے ولید ہاؤس' جو رشتہ رومی کا ہے وہی رشتہ ایشل کا ہے''۔ آواز ان کی اتنی کڑک دار تھی کہ بجلی کی طرح آوازیں ان کی کوند رہی تھیں۔ ارسلان گھبرا کر باہر بھاگا تھا۔

''امی پلیز..... کیا کر رہی ہیں آپ.....؟ کیوں شور مچا رہی ہیں' آپ نے دھکے دے کر رومی کو نکالا۔ اللہ بے نیاز ہے اس کو اللہ نے نواز دیا''۔ ارسلان نہایت سبھاؤ سے بولا۔

''لیکن تم تو اس کے لئے مرے جا رہے تھے کہ تم نے دو دن تک کھانا نہیں کھایا تھا' منہ لپیٹے بیٹھے رہے تھے مجھ سے جھگڑا کیا ہفتوں اداس رہتے دیکھ لیا کیا ایک پل میں اس نے ٹھوکر مار دی''۔ وہ غصے سے بولیں۔

''خدا کے واسطے امی! آپ چپ ہو جائیں''۔

''ٹھیک ہے میں چپ ہو جاتی ہوں لیکن یہ یتیم خانہ نہیں ہے نہ ہی یہ بیوٹی پارلر ہے کہ وہ یہاں ٹھہرے گی تیار ہوگی' ہمارے دل جلیں گے اور وہ چلی جائے گی' جہاں دل چاہے اماں اس کو لے کر جائیں لیکن میں اس بات کی اجازت نہیں دوں گی۔ مجھے اس ڈرامے کا علم نہیں تھا ورنہ میں اجازت نہیں دیتی' میری غیر موجودگی میں گھر میں گھسی ہے''۔

''بس کلثوم بس..... تم چپ ہو جاؤ' یہ میرا گھر ہے تم کون ہوتی ہو.....؟'' تایا ابو دھاڑے تھے۔

''تو پھر تم ہاتھ پکڑ کر نکال دو میں چلی جاتی ہوں رکھ لو تم رومی کو میں چلی جاتی ہوں''۔

''ہاں ٹھیک ہے تم چلی جاؤ' میری زندگی سے ہمیشہ کے لئے چلی جاؤ تو بھی مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا''۔

''اچھا یہ لو''۔ وہ دھڑا دھڑ برتن پھینک رہی تھیں۔ گھر میں ایک ہنگامہ مچ گیا۔ ارسلان انہیں پکڑ رہا تھا۔

''ابو پلیز! چپ ہو جائیں''۔

''تمام عمر میں نے اس کی بدتمیزیاں برداشت کیں ہیں اپنے بچوں کی وجہ سے کہ گھر کا ماحول بنا رہے اور یہ عورت دو دن کے لئے میرے بھائی کی بیٹی کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتی اس کے لئے بھی آج میرے گھر میں جگہ نہیں ہے''۔

''ابو.....'' ارسلان تیز لہجے میں بولا تھا۔

''تو یہ تھی میری قیمت 27 سال خدمت کا صلہ ایک پل میں دے رہے ہیں''۔

''جاؤ کلثوم جاؤ..... میری نظروں سے دور ہو جاؤ''۔ دادی بھاگ کر کمرے سے نکل آئی تھیں۔

''شکیل! آہستہ بولو' کوئی کہیں نہیں جائے گا' بس ختم کرو اور کلثوم! تم کمرے میں جاؤ' دو دن کی بات ہے بیٹا! رحم کرو گی کسی کی بیٹی پر تو اللہ تمہاری بیٹی پر رحم کرے گا''۔

''لیکن یہ بات اماں! اس کی سمجھ میں نہیں آتی''۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ جھٹک دیئے تھے۔

''یہ سب ارسلان کی وجہ سے ہو رہا ہے''۔ کلثوم پھر پھٹ کر بولی تھیں۔

''دیکھیں امی پلیز! اب دوبارہ یہ مت کہیے گا ورنہ ابھی میں اسی وقت اس گھر کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا' اگر آپ نے کبھی بھولے سے بھی زبان سے کوئی غلط لفظ استعمال کیا۔

''رومی اتنی پیاری ہے''۔ کلثوم چیخی تھیں تو ارسلان نے غصے سے اپنا رخ پھیر لیا۔

''بیٹا! اس پاگل عورت کا کوئی حل نہیں ہے''۔ اماں بولی تھیں۔

''کلثوم! جب تک تم اپنے دل کو نرم نہیں کرو گی' دوسروں پر رحم نہیں کرو گی' تم اللہ کی رحمت سے محروم رہو گی''۔ شکیل بولے تھے۔

''دیکھو اماں دیکھو! یہ مجھے کیسے کوسنے دے رہے ہیں''۔ وہ آنسوؤں سے بیٹھی رو رہی تھیں۔

''دیکھو کلثوم! شرافت کا تقاضہ یہی ہے کہ تم چپ ہو جاؤ اگر میں نے منہ کھول لیا تو تم سے برداشت نہیں ہو سکے گا''۔

''بولیں اماں بولیں! آپ بھی بولیں جو بولنا ہے''۔

''تو سن لو پھر..... یہ گھر نہ تمہارے شوہر کا ہے نہ تمہارے بیٹے کا ہے اور نہ ہی یہ شکیل کے باپ کا ہے یہ گھر میرے باپ کا ہے' میں جس کو چاہوں رکھوں نہ رکھوں وہ ابھی اسی وقت نکل جائے' کوئی رومی سے اس طرح بات کرے میں اس کے لئے گھر کے دروازے بند کر دوں گی' سمجھیں تم' کس بات پر تم اکڑ رہی ہو' اس گھر کی دو راتیں گزارنے کے لئے' پہلے بھی تم نے بے عزت کر کے نکالا۔ اللہ نے اسے پھولوں سے نواز دیا اور آج تم نے اسے بے عزت کیا تو میں نے بھی تمہیں یہ بتا دیا کہ یہ گھر میرا ہے میرا..... ابھی چاہوں تو شکیل کو نکال دوں تم کیا چیز ہو۔ جاؤ ابھی اٹھاؤ اپنا سامان اپنے بچے اور جاؤ اس گھر سے کلثوم۔ دو دن کہیں رہ کر آ جانا۔ کیوں خاموش ہو گئیں جاؤ اٹھو جاؤ یہاں سے تم''۔ تو کلثوم کی ٹانگوں میں جان بھی نہیں تھی' وہ بے جان سی ہو کر وہیں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئیں۔

''تم اسی قابل تھیں''۔ شکیل نے ایک نظر ان پر ڈالی اور مڑ گئے تھے' رومی اندر بیٹھے رو رہی تھی۔

''اتنا بڑا فساد میری وجہ سے ہوا''۔ ایشل کو ہنسی آ گئی تھی۔

''ہر روز تمہاری ذات کے حوالے سے یہاں فساد نہیں فسادات ہوتے ہیں' تم اپنے آنسو پونچھ لو' میں جانتی ہوں تمہارے اور ارسلان کے بیچ ایسا کچھ نہیں ہے۔ ارسلان تھوڑی سے چھیڑ چھاڑ کر لیا کرتا تھا تو اماں نے اسے کہانی بنا دیا' ناشتہ نہیں کر رہا ارسلان تو رومی یاد آ رہی ہے' گھر دیر سے آئے تو کہیں رومی سے ملنے تو نہیں چلا گیا' ہر بات میں رومی تم تو اسی کو خواب میں بھی آ کر ڈراتی ہو۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رومی آ گئی ہے اور پورے گھر میں قبضہ کئے بیٹھی ہے اور انہیں نکال دیا ہے۔ رومی! اب زیادہ رونے کی ضرورت نہیں ہے آنسو پونچھو' کیا تمہیں یاد نہیں کہ امی ذہنی طور پر بیمار ہیں' انہیں دو برس پہلے ہی اسپتال میں ایڈمٹ کیا تھا انہیں ڈپریشن کے دورے پڑتے ہیں' سیریس مت لو' دو دن تو رہ گئے ہیں پھر یہ ہفتوں ڈپریشن میں رہیں گی۔ امی کا کوئی علاج نہیں ہے رومی' ہم سب تمہارے اپنے ہیں وہ بھی تمہاری اپنی ہیں' بس عقل سے کام لو' حوصلہ رکھو' ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ یوں اگر روتی رہیں ناں تو ہو گیا کام اور کون سا تمہیں یہاں دو چار دن رہنا ہے' یار رحم کر ہنس کر گزار لے یہ دن' پھر کہاں تم کہاں ہم''۔

''کوئی بات نہیں ایشل! گاؤں میں امی بھی تو اسی طرح سے سناتی تھیں وہ تو میں یونہی جانے کیوں رو رہی تھی''۔ وہ ایشل کے گلے لگ گئی۔

''میں دیکھتی ہوں سردی بڑھ گئی ہے' تائی اماں وہیں صحن میں پلنگ پر بیٹھی ہوئی ہیں' سب ان سے ناراض ہیں ناں''۔ وہ باہر نکلی تو کلثوم جھلنگا پلنگ پر سر نیوڑائے بیٹھی تھیں۔ وہ بڑا سا کپ چائے کا لیتے ہوتے ان کی طرف بڑھی۔

''اٹھیں تائی اماں! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے''۔ وہ تائی اماں کو پکڑ کر اٹھا رہی تھی۔

''اٹھیں بس اٹھیں چلیں اندر.....''

''کیا کروں رومی! کبھی کبھی نجانے مجھے کیا ہو جاتا ہے''۔

''کچھ نہیں ہوتا چلیں اندر اور چائے پئیں''۔ وہ کمرے میں لے کر آئی تھی۔ وہ بیڈ پر بیٹھیں تو اس نے جلدی سے

ہیٹر آن کر دیا تھا' ارسلان کمرے میں دوبارہ پلٹ کر آیا تھا۔

"رومی! امی کو ٹیبلٹ دو"۔ وہ دوا کھا کر سو گئی تھیں۔

☆

کبھی کبھی زندگی میں ایسے بھی حادثات ہوتے ہیں کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ بس بوجھل راتوں کا سفر جب راتوں میں دخل اندازی کرنے لگے تو سمجھو نیند آنکھوں سے بہت دور ہے۔ سورج کی تپش گھر کے آنگن میں اتر آئے تو پھول مرجھا جاتے ہیں' چڑیاں بھی اڑ جاتی ہیں...... کچھ ایسا ہی اس گھر کے آنگن میں ہوا تھا۔ شور ہنگامے آہستہ آہستہ روٹھ گئے تھے۔ پہلے ابا کا سفر ختم ہوا یوں بھی نئے گھر میں آباد ہونے سے سمعیہ باجی کا آنا جانا کچھ کم سا ہو گیا تھا۔ ثروت باجی کبھی کبھی آیا کرتی تھیں' عصمت کے گھر آنے سے اداسیاں اور خاموشیاں سر شام اندھیرے کی طرح اتر آئی تھیں۔ جب ماہم گھر جاتی' شانزہ چپکے چپکے ساری روداد سناتی تھی۔ وہ بہت پریشان رہتی تھی' ہر وقت زوبیہ بھابی اور عصمت کی نظروں میں اس کی خوبصورتی اس کی ذہانت کھٹکتی تھی' بات بات پر زوبیہ بھابی' عماد سے اس کی جھوٹی شکایتیں کرتی رہتی تھیں۔ وہ بے حد اپ سیٹ اور پریشان رہتی تھی۔ ماہم اور شانزہ نے ایک ساتھ یونیورسٹی جوائن کر لی تھی۔ کالج کا سفر ختم ہو چکا تھا۔ ماہم پڑھنے کے لئے اپنی سسرال سے یونیورسٹی آتی تھی اور شانزہ اماں کے گھر سے۔ پوائنٹ پر ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ ایک دن ہنس ہنس کر شانزہ' ماہم کو بتا رہی تھی۔

"آؤ میں تمہیں ایک اچھی بات بتاؤں' جب میں پوائنٹ پر لائن میں کھڑی تھی تو اسٹوڈنٹ ایک دوسرے کو چھیڑ رہے تھے کسی نے کہا کہ اس لمبی کا حدود رقبہ تو معلوم کرو یہاں تو چھوٹ چھوٹا کر آتے ہیں لوگ یہ کیسے آگئی"۔ شانزہ کا قد ذرا دراز تھا اور بہت فیئر کلر اس کے سلکی بال تھے اور یونیورسٹی گاؤن پہن کر بہت پرکشش اور حسین نظر آتی تھی۔ ماہم سے مل کر وہ ہر وقت دکھی رہتی کہ عصمت بھابی اماں کو ہر وقت تکلیف پہنچاتی رہتی ہیں اور اماں حماد بھیا کو کچھ بھی نہیں بتاتیں۔ وہ ہر ملاقات پر ماہم سے ڈسکس کرتی تھی کہ آج گھر میں یہ ہوا تو تمہارے جانے کے بعد کی یہ کہانی ہے۔ ماہم کو بھی اماں سے ملنے کا ایک ہڑکا سا لگا رہتا۔ موقعہ ملا اور وہ اماں کے گھر کو دی۔ اماں کی محبتوں کا بے لوث خزانہ ماہم کے لئے آج بھی تھا۔ ثروت باجی کو آج بھی وہی فکر تھی کہ اماں' ماہم کو زیادہ چاہتی ہیں۔ اماں ہنستی تھیں کہ۔

"یہ بکواس کرتی ہے۔ میں تو سب کو برابر چاہتی ہوں"۔

"ماہم بڑا ڈر لگتا ہے' ابا کہتے تھے ہر وقت کی کٹ کٹ یعنی جھگڑا لڑائی چالیس گھر کو لے بیٹھتی ہے' جو کچھ ہو رہا ہے سب اچھا نہیں ہو رہا۔ پتہ نہیں ماہم میں ہر وقت خوف زدہ رہتی ہوں' میں خود نہیں جانتی کہ میں کیوں اتنی پریشان ہوں۔ بس یوں لگتا ہے کہ میں مر جاؤں گی"۔

"نہیں شانزہ! تم نہیں مرو گی"۔

"ہمارے اندر سے ایسا لگتا ہے کہ کوئی سسکیاں لیتا ہے"۔

"اللہ نہ کرے تم کیسی باتیں کرتی ہو"۔ ماہم بولی تھی۔

"خود تو سارے جہاں کے فلسفے اور ہیروئن بنی پھرتی ہو اور جو میں تمہیں ایک سچ بات بتا رہی ہوں اس کا تمہیں یقین نہیں ہے کہ ہمارے اندر کوئی سسکیاں لیتا ہے جیسے کوئی رو رہا ہو"۔ شانزہ بولی تھی۔

"اچھا اچھا بس بس آگے نہیں بولنا"۔ ماہم کو ایک دن ایسا لگا تھا کہ اماں سسکیاں لے کر رو رہی ہیں' اس نے گھبرا کر اماں کے کمرے میں دیکھا تھا' اماں اپنے پاندان میں بزی تھیں۔

"اماں! آپ اپنا خیال نہیں رکھتیں"۔ ماہم بولی تھی۔

"اب کیا ہوا......؟" اماں نے مڑ کر ماہم کو دیکھا تھا۔

"ہماری ساس تو اتنا خیال رکھتی ہیں' ناشتہ میں انڈہ' وٹامن جوس لیتی ہیں' آپ تو صرف ایک کپ چائے پی کر سمجھتی ہیں سب کچھ کر لیا"۔ اماں کی زندگی کا معمول تھا کہ جب کھانا پک جائے بس کام ہو جائے پھر وہ اپنے کپڑے تبدیل کرتی تھیں ہر کام سے فارغ ہو جاتی تھیں تب کوئی جا کر کوئی پوچھ لے کہ۔

"اماں کھانا لا دوں......؟" تو کہتی تھیں۔

"لاؤ......" ماہم کو یاد آیا گاؤں میں بھی تو اماں اس طرح سے کرتی تھیں۔ سامنے پڑوس میں رہنے والی پڑوسن بھی اسی وقت آتی تھیں جب اماں کے کھانے کا وقت ہوتا تھا۔

"یہ کیا ہوا اماں! آپ کا سالن تھا اور آپ نے انہیں دے دیا"۔ ماہم روٹھ کر بولی تھی۔

"ارے بٹیا! وہ آتی ہی اس لئے ہیں' کوئی بات نہیں میں شام کو کھا لوں گی"۔

"اماں! آپ شام کو کھائیں گی کھانا"۔ ماہم بے بسی سے تڑپ گئی تھی۔ اماں کی آج بھی یہی روٹین تھی۔ فرق بس اتنا تھا کہ آج ماہم گھر پر نہیں تھی' ہر شخص بہت اب معروف ہو گیا تھا۔ پھر وہ پلٹ کر شانزہ کے ساتھ صحن میں گئی تھی۔ جہاں بیٹھ کر شانزہ ہنس ہنس کر ماہم سے اس کے سسرال کے قصے پوچھ رہی تھی۔

"تمہارے گھر میں یہ اختلاف آیا کیسے......؟"

"کیوں کیسے......؟ بس چھوڑو......" ماہم بے زاری سے بولی تھی۔

"پتہ نہیں شانزہ! تم نے جو بکواس کی ہے ناں اس سے میرا دل بہت گھبرا رہا ہے' یوں لگ رہا ہے کچھ ہونے والا ہے"۔

"ہونا کیا ہے ماہم! جو کچھ ہوگا میرے ساتھ ہوگا' ہر وقت دونوں بھابیاں میرے ہی پیچھے لگی رہتی ہیں' زوبیہ بھابی کو میرے رہن سہن' میرے یونیورسٹی جانے پر اعتراض ہے' ذرا ذرا سی بات پر میری شکایتیں عماد بھائی سے لگاتی ہیں"۔ حالانکہ شانزہ' زوبیہ کے گندے پیروں کو برش سے صاف کرتی اور ان پر نیل پالش لگاتی اور کہتی۔

"بھابی! ایسے رکھا کریں نا اپنے پیر"۔ شانزہ کے پیر بے حد خوبصورت تھے۔ لمبے لمبے پیر' لمبی لمبی انگلیاں' جب اس نے آڑے پاجامے پر پازیب پہنی تو لوگ دیکھتے رہ گئے تھے۔

"ہر وقت عصمت بھابی بھی آتے جاتے مجھے گھورتی ہیں' خود تو اتنا فیشن کرتی ہیں لیکن مجھے پسند نہیں کرتیں' تم تو چلی گئی ہو لیکن اماں کہتی ہیں' میں ان کے دلوں میں کھٹکتی ہوں' کل بھی مسز کاظمی آئی تھیں' ایسا گھورتی ہوئی گئی ہیں ماہم' مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے"۔ شانزہ بہت اپ سیٹ تھی۔

"تمہیں میں ایک بات بتاؤں ماہم! سمعیہ باجی کہہ رہی تھیں کہ بہت کہتی تھی ماہم کہ میرا شوہر بہت بڑا ہے عمر میں۔ اب بولیں اس کا میاں میرے میاں کے برابر ہے' میں نے جان کر اس کا انتخاب کیا تھا۔ سچ ماہم! باجی نے اپنا بدلہ لیا ہے تم سے"۔ ماہم کے دل میں تلاطم سا برپا ہو رہا تھا' ہولے ہولے اس کا دل کانپ رہا تھا پھر بھی وہ رخ پھیر گئی۔

"باجی نے جو کیا ہے آج تک اس گھر میں تم دیکھنا' ایک دن سب کچھ سامنے آئے گا' رومی ہو یا ماہم' سلطانہ ہو شانزہ یہ سب بیٹیاں ہیں کسی کی"۔ شانزہ بولی۔

"ہاں شانزہ! پتہ نہیں مجھے یوں لگتا ہے کہ ہمارے گھر میں کچھ ہوگا ضرور"۔

"تم ڈرو مت جو ہوگا ناں ہمارے ساتھ ہوگا"۔

"اللہ نہ کرے شانزہ! تم بہت دھیان سے رہا کرو' تم بہت جذباتی ہو مجھے تمہارے غصے سے بھی ڈر لگتا ہے"۔

''ارے ماہم! جس کے ساتھ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا' ہونی کو کوئی ٹال نہیں سکتا' کل کا ہمارا لیکچر تھا کہ محبت اگلوں میں ہوتی ہے' پچھلوں میں نہیں''۔ شانزہ اسلامک سبجیکٹ میں ماسٹرز کر رہی تھی۔

''مثلاً دیکھو ہم سب ابا کو بھول گئے بس اماں کی فکر رہتی ہے' مجھے لگتا ہے کہ میں مر جاؤں گی اور تم مجھے بھول جاؤ گی' تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو یہ میں جانتی ہوں' ہم تم بچپن سے ایک ساتھ کھیلے ہیں ایک ہی اسکول میں پڑھے ہیں' ہم دونوں ایک دوسرے سے شیئر کرتے ہیں' بے چاری انعم تو اکیلی ہے' ہمارے درمیان تو کبھی ثروت باجی کا بھی عمل دخل نہیں رہا' انہیں ہمیشہ ہم سے شکایت رہی''۔ اسے کوئی بچپن کی شرارت یاد آ گئی تھی۔

''سارنگا تیرے یاد میں کوئی مست پڑا ہے''۔ ماہم دل کھول کر ہنسی تھی اور شانزہ بھی دل کھول کر لوٹ پوٹ کر ہنسی تھی۔

''تمہیں یاد آیا جب حماد بھائی نے کلوپیٹرا کا جل لا کر دیا تھا''۔ ثروت باجی کی آنکھیں کچھ ماہم اور شانزہ سے چھوٹی تھیں' آتے جاتے ماہم اور شانزہ نے ثروت کو چھیڑا تھا اور ثروت چیخ چیخ کر رونے لگی تھیں۔

''مت ہنسو تم اس طرح سے ہنستی رہتی ہو' یہ اچھا نہیں ہوتا''۔ پھر ایک لمحے کو پلٹ کر شانزہ بولی۔

''کل ہم جب بڑی بھابی کے گئے تھے ناں ایسا گھور گھور کر ہمیں اور تمہیں دیکھ رہی تھیں''۔ دونوں نے ہی ایک جیسے کپڑے بنوا کر پہنے تھے۔

''شانزہ تم صحیح کہہ رہی ہو ایسا گھور رہی تھیں' اماں بھی کہہ رہی تھیں کہ کیا ضرورت تھی تمہیں اکیلے جانے کی''۔ ماہم کا ہی دل چاہ رہا تھا کہ سمعیہ باجی کے گھر یا بڑے بھائی کے گھر چلتے ہیں۔

''ماہم! تم دو چار دن اور رک جاؤ تا پھر چلی جانا''۔ شانزہ کی ہنسی رک گئی تھی۔

''پتہ نہیں آج ہمیں کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ ہم پھر سے تمہیں نہیں مل سکیں گے''۔

''کیا بات ہے شانزہ! کیا پھر کوئی بات گھر میں ہوئی ہے تم اداس کیوں ہو تم بہت ڈس ہارٹ ہو''۔ ماہم نے اس کا شفاف ہاتھ پکڑا جو بہت ٹھنڈا لگ رہا تھا۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ناں اور تمہارے پیٹ کا درد کیسا ہے......؟''

''بہت شدید ہوتا ہے' جب ہوتا ہے تو میں بہت کمزور ہو جاتی ہوں''۔

''ہاں...... کسی اچھے ڈاکٹر سے تمہارا چیک اپ ہونا چاہئے' ایکسرے بھی تو نہیں ہوا تمہارا کہ کیوں درد ہوتا ہے''۔

''ظاہر ہے باپ ہوتا ہے جو اپنے بچوں کی کیئر کرتا ہے''۔ شانزہ نے موضوع بدل دیا تھا۔ پھر کل کے خدشات دوسرے دن سچ ثابت ہو گئے۔ شانزہ کے اندر کی سسکیاں اماں کی سسکیاں بن گئیں۔ شانزہ ایک حادثے میں ہمیشہ کے لئے ماہم سے دور چلی گئی۔

محبتوں اور رفاقتوں کا ایک باب ختم ہو گیا۔ گھر میں پھر ایک بار سوگواری چھا گئی۔ اماں اجڑ سی گئیں۔ اماں کے پاس صرف جینے کے لئے انعم رہ گئی تھی۔ اماں کو رات بھر نیند نہ آتی' وہ کمرے کا دروازہ کھلا رکھتیں کہ شانزہ کو ڈر لگتا ہے اندھیرے سے وہ گھر آئے گی۔ سب کے دل بجھے بجھے سے تھے۔ اماں کا وجود ہر وقت ہولے ہولے کانپ رہا ہوتا تھا۔ ہوائیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ گھر میں کیسے سناٹے سے چھا رہے تھے' ماہم اپنے سسرال لوٹ رہی تھی' ہلکا سا مدھم بلب اماں کے کمرے میں روشن تھا' اس نے مڑ کر دیکھا بڑا اونچا سا تخت جس پر کبھی ثروت' ماہم اور شانزہ سوتی تھیں خالی پڑا تھا' انعم اماں کے ساتھ دبکی ہوئی لیٹی تھی' اماں شال لپیٹ کر اٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں' لیکن آج گیٹ تک سی آف کرنے نہیں آئیں اور نہ ہی یہ پوچھا کہ تم نے کیا کھایا؟ وہ اپنے دکھ میں پور پور ڈوبی ہوئی تھیں' کمرے میں گہرا سناٹا تھا' ماہم بے کلی سی نکل آئی تھی۔ کسی کی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا' کوئی کسی کے لئے نہیں رکتا' صرف اماں

تنہا رہ گئی تھیں۔ سب سے زیادہ اس گھر میں آگ لگائی تھی وہ خاموش زوبیہ بھابی تھیں ماہم نے جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا' موت کی بددعا اس نے کسی کو نہیں دی تھی' لیکن اس نے ضرور یہ دل میں کہا تھا کہ۔

''اللہ آپ کو ذلت اور رسوائی سے دوچار کرے''۔ یہ سوچتی ہوئی وہ آگے بڑھی تو سامنے گرل میں سفید شانزہ کے گلوز جو اس نے یونیورسٹی جانے کے لئے پھیلائے تھے' جوں کے توں پھیلے تھے' سفید ڈریس ہینگر میں لٹک رہا تھا' کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کو ہٹا سکے۔ وہ پل پل کی کہانیاں جو شانزہ بتاتی تھی ماہم کو' ہوائیں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

☆

ولید حیدر بہت خوش ہو گئے' بظاہر صبا بھی اترائی اترائی پھر رہی تھیں دادی کی بھی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ آج مایوں کی رسم تھی' سب لوگ کلثوم کے گھر کی طرف گئے تھے' اشمل کے اندر بھی ایک بے کلی سی محسوس ہو رہی تھی۔

''پاپ نے کتنا باؤنڈ کر کے رکھ دیا ہے' میں کیسے سنبھال سکوں گا' رومی کتنی خود غرض ہے' اتنا بڑا امیری زندگی سے وہ ڈرامہ کھیل کر نکل گئی' مام صحیح کہتی ہیں وہ میری دولت سے مرعوب ہے' میرے انکار کی صورت پاپ بالکل غلط لیں گے سارا الزام مام کے اوپر آئے گا' پاپ نے مجھے تختہ مشق بنایا ہے' رومی تم بھی سکون سے نہیں رہ سکو گی' کتنی آسانی سے تم نے بات مان لی کیونکہ تمہاری پلاننگ میں یہ شامل تھا' اس لئے تمہیں اسٹیٹس سمبل چاہئے وہ تو مل جائے گا' ارج سے لو میرج کرنے کے لئے ہم نے ہفتوں مہینوں سوچا تھا اور تم نے ایک پل میں فیصلہ کر لیا کہ تم کسی کی زندگی میں پارٹنر بن کر آؤ گی میں تمہارے چہرے سے معصومیت' محبت کا نقاب اتار دوں گا' تم کہنے پر مجبور ہو جاؤ گی رومی کہ ہم اور تم ایک دوسرے کے لئے نہیں بنے ہیں''۔ جب وہ ڈریسنگ کر کے باہر آیا تو اس کی گہری آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے نظر آ رہے تھے' اس کا وجود اندر سے پگھل رہا تھا۔

''میں نے اس سے پہلے کبھی اتنی بے بسی نہیں محسوس کی' میں تو تم کو اپنا دوست سمجھتا تھا' میں کتنا بے وقوف ہوں اس طرح سے تم مجھے دھوکا دے گئیں تم بہت مشکوک کردار کی مالک تھیں' تم نے دادی جان کی محبت کو بھی دھوکا دیا ہے' وہ بہت محبت کرنے والی شخصیت ہیں''۔ جب یہ کلثوم کے گھر پہنچے تو سبھی لوگ بڑے رشک سے آنے والے ولید حیدر کو دیکھ رہے تھے' ڈارک براؤن شلوار قمیض اور لائٹ کلر کے ویسٹ کوٹ میں اپنے رشتے داروں سے گلے مل رہے تھے۔ رفاقتیں' محبتیں' سب سمٹ گئی تھیں۔

''پاپ! آپ یہی تو چاہتے تھے' خودنمائی' خود شناسی کا جذبہ' خودنمائش کے جذبے نے آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے' پاپ رومی وہ نہیں جو آپ کو نظر آتی ہے''۔ وہ بول تو نہ سکا لیکن اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی تھی۔ سامنے ہی زرد کپڑوں میں جھکی ہوئی رومی بیٹھی تھی' کتنی لڑکیاں اس کے اردگرد تھیں' اس کی شرم کے مارے گردن جھکی ہوئی تھی' اسے اپنی خوش نصیبی پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا' اس نے شور اور ہنگامے سے نظریں بچا کر اشمل کو ایک نظر چوری سے دیکھا تو وہ اشمل ہی نہیں کوئی اور تھا۔ اشمل کے اندر کی بے کلی اس کی آنکھوں سے نمایاں ہو رہی تھی' وہ آنکھیں کھولے اجنبی نظروں سے ہر ایک کو دیکھ رہا تھا' ولید حیدر اور صبا بہت خوش نظر آ رہے تھے' اشمل کی نظریں رومی کے چہرے پر پڑیں تو اس کی نظریں جھک گئی تھیں وہ اس وقت بے حد خوبصورت اور حسین لگ رہی تھی۔

''تم کتنی معصوم اور خوبصورت ہو لیکن تمہاری ساری چالیں مجھ جیسے انسان کو بے وقوف بنانے کے لئے کافی ہیں' ارج صحیح کہتی ہے کہ معصوم چہرے دھوکا دیتے ہیں' وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ میں کسی سے شادی کر لوں' پاپ بھی یہی چاہتے ہیں کوئی یہ نہیں سوچتا کہ میں کیا چاہتا ہوں''۔ وہ بہت غور سے رومی کو دیکھ رہا تھا' ہولے ہولے اس کے چہرے پر پڑا ہوا شفاف زرد رنگ کا دوپٹہ ہلنے لگا' گہری شناسائی کے درمیان ہلکے ہلکے دھند لکے پھیل رہے تھے' رومی بالکل

بے خبر تھی' ہر کوئی رومی کی قسمت پر رشک کر رہا تھا' اس کے ماتھے کی بندیا آہستہ آہستہ ہل رہی تھی' سامنے کھلے ہوئے بالوں میں پھولوں کی کلیاں کھل اٹھی تھیں' آگے بڑھ کر صبا نے سب سے پہلے اسے گلے لگایا تھا' لڑکیاں ابھی تک لہک لہک کر گا نا گا رہی تھیں' ایشل کے چلتے ہوئے ڈھولک پر ہاتھ بہت تیز چل رہے تھے' اس کے کانوں میں پڑے ہوئے جھمکے بار بار ہلے جا رہے تھے' ارسلان بڑی حسرت سے دور کھڑا رومی کو تک رہا تھا' تائی اماں تھک ہار کر خاموش ایک جگہ پر بیٹھی تھیں' شور اور ایک ہنگامے میں اشمل کے اردگرد ایک بڑا گہرا سناٹا تھا' اتنا گہرا سناٹا تھا کہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ باہر نکل کر اتنی زور سے چیخے کہ اس کے بعد کوئی آواز نہ آئے۔ بیپ کی آواز پر اس نے سیل کی جانب دیکھا تو ارج تھی تو وہ اٹھ کر شور سے باہر آ گیا تھا' رومی نے مسکرا کر جاتے ہوئے اشمل کو دیکھا اور دل میں بولی۔

''ارج کا فون ہوگا' لمحہ لمحہ تمہاری زندگی کا حساب رکھنے والی لڑکی نے آج بازی ہار دی' آج میں تمہاری زندگی میں داخل ہونے جا رہی ہوں لیکن مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ ارج تمہارے اتنے قریب ہے اور نہ ہی میں تم سے کوئی سوال کروں گی' تمہاری پسند میری پسند ہے' شادی ایک الگ اٹوٹ بندھن ہے' میں عام لڑکیوں سے ہٹ کر ہوں' تم جب تک ارج کے ساتھ ہو' میں تمہارے ساتھ ہوں''۔

''ہاں ارج! میں نے مام کی بات مان لی ہے''۔

''گڈ! تم نے اچھا کیا ورنہ ہمارا اور تمہارا ملنا بہت ہی مشکل تھا۔ پاپ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ اب اشمل یہاں سے واپس نہیں جائے گا''۔

''کیا مطلب......''

''مطلب اشمل! ہمارے بھی پیرنٹس کی مجبوری ہے اب میں وہاں نہیں رہ سکتی ویسے بھی میں دو ماہ کے بعد جان سے آزاد ہو جاؤں گی' لیکن اشمل جب میں جان سے الگ ہو جاؤں گی اس سے پہلے تمہیں بھی الگ ہونا پڑے گا' ورنہ یہ پاکستانی مینٹیلیٹی ہے' ورنہ تو وہ تمہاری جان سے چمٹے رہیں گے''۔

''ارج! میں پھر تم سے بات کروں گا' اس وقت پاپ نے بلایا ہے میں بے حد اپ سیٹ اور پریشان ہوں''۔

''آئی نو اشمل! میرا ابھی دل بہت گھبرا رہا ہے''۔ وہ اپنا سیل بند کرتا ہوا ولید حیدر کی طرف پلٹا تھا۔

''مائی سن! تم اتنا گھبرائے اور پریشان کیوں ہو سب ٹھیک ہو جائے گا' بہت پیاری بچی ہے بہت کوآپریٹو ہے' مجھے تو بہت اطمینان ہے تم آؤ اور میرے پاس بیٹھو''۔

''او اشمل! تم کیوں اپ سیٹ ہو رہے ہو بیٹا''۔ صبا بہت بردبار لہجے میں بولی تھیں۔

''مام! یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا''۔ وہ بہت آہستہ سے ماں سے بولا تھا۔ سامنے بیٹھی ہوئی رومی اس ہوش خرد سے بیگانے اشمل کو دیکھ رہی تھی جو بچوں کی طرح اس کے آگے پیچھے دوڑتا پھرتا تھا' دو دن میں کس قدر بدل گیا' کتنا سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''کہاں چلی گئیں اس کی شوخیاں؟ ہونٹوں کی ہنسی میں جا کر جگا دوں گی' کتنا سہما ہوا بیٹھا ہے' نگاہوں میں کتنی بے گانیاں ہیں' چہرہ بھی اجنبی سا لگ رہا ہے' ایک پل بھی اس نے اپنی شریر نظروں سے مجھے نہیں دیکھا''۔ وہ مسلسل اسے دوپٹے کی آڑ سے دیکھے جا رہی تھی' اس کی شریر آنکھوں میں کاجل پھیل رہا تھا' کسی کی بات پر وہ مسکرائی تو گالوں میں پڑے ڈمپل گہرے ہو گئے تھے' اس کی شفاف ہاتھوں میں ہری ہری مہندی پر سبز پان صبا نے سب سے پہلے آ کر رکھے تھے۔ اتنی بے یقینی کہ وہ صبا کے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی' ان کے میک اپ زدہ چہرے پر سیاہ رات کی تاریکی دیکھ رہی تھی' ہولے ہولے کانپتے ہوئے ہاتھوں پر صبا چوڑیوں بھری کلائی تھام کر بہت پیار سے بولی تھیں۔

''کیسی ہو تم رومی......؟'' کیسی ساکت بھری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''آپ کیسی ہیں مامی......؟'' وہ آنکھیں موندے مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''اچھی ہوں مائی سوئٹ ڈول! بس اب تمہارے بنا ولید ہاؤس اداس ہے''۔ تو اس کے ہونٹ مسکرائے تھے' آنے والے کل کے خواب ابھی سے آنکھوں میں اترنے لگے' اس نے بہت آہستہ سے آنکھیں کھول کر صبا کو دیکھا تھا جو بہت قیمتی لباس میں اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں اور سامنے اشمل اس کے ہلتے ہوئے گھونگھٹ کو دیکھے جا رہا تھا' جس کے کنارے پر ماتھا پٹی سے اس کا اجلا اجلا چھپا ہوا آدھا چہرہ جھانک رہا تھا' یوں جیسے بادل سے آدھا چاند نکل آیا ہو۔ رشک بھری نظروں سے دور کھڑے ارسلان نے بھی اس پر آخری نظر ڈالی تھی۔

☆

رات کی فضاؤں میں ابھی تک وقت کی شوخیاں رقص کر رہی تھیں جلتے بجھتے قمقمے درختوں پر اپنی رنگینیوں کی کرنیں بکھیر رہے تھے' اردگرد کی فضا معطر لگ رہی تھی یوں لگ رہا تھا چرند پرند جاگ رہے ہیں' چرند پرند جاگ رہے ہوں یا نہیں مگر یقیناً ایزل جاگ رہی تھی' ہوا کی ایک آہٹ پر بھی ایزل صوفے پر بیٹھی ہوئی آنکھیں کھول دیتی تھی' رومی یا اشمل دونوں کے انتظار میں وہ جاگ رہی تھی۔ تبھی رومی کا بازو تھامے ہوئے صبا بہت سنبھلتی ہوئی زینہ چڑھتی ہوئی اوپر کے فلور میں آئی تھیں۔ سامنے ہی کانفرنس ہال تھا جہاں ولید حیدر اور اماں ابھی تک بیٹھے تھے' مہمان جا چکے تھے' کافیوں کا دور چل رہا تھا۔ تب صبا سارے مہمانوں کو رخصت کر کے رومی کا ہاتھ تھامے ہوئے اندر آئی تھیں۔

''ماشاء اللہ! آج دلہن کے روپ میں رومی نے پہلا قدم رکھا ہے ہر فیصلے اسی ہال میں کئے جاتے ہیں اور دیکھیں قسمت' رومی بھی آج یہیں چل کر آئی ہے صبا! بڑی سمجھدار بچی ہے رومی''۔ ساس بولی تھیں۔

''جی امی......'' بناوٹی ہنسی سے صبا کے چہرے پر خوشیاں بکھر رہی تھیں ولید حیدر کا چہرہ مسکرا رہا تھا ان کے ہونٹ ہلکے ہلکے مسکرا رہے تھے۔

''صبا! اس کو لے کر اس کے کمرے میں پہنچا کر آؤ''۔ ولید حیدر ایک ٹک رومی کو دیکھے جا رہے تھے' ہر رنگ ہر روپ میں انہیں رومی کی شکل میں سعیدہ نظر آ رہی تھی' وہ حیران تھے کہ اس کے ہر روپ میں سعیدہ نظر آ رہی ہے' ولید حیدر ابھی تک سعیدہ کو نہیں بھول سکے تھے۔

''ایسا کیا تھا کہ سعیدہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی''۔ چھوڑ کر جانے والی عورت کو مرد کبھی نہیں بھولتا۔

وہ بھاری سے مرجنڈ اکلر کے ڈریس کو سنبھالتی ہوئی آہستہ آہستہ چل رہی تھی' صبا رومی کو لے کر اشمل کے روم تک گئی تھیں' اشمل کی خواب گاہ ایک حسین خواب گاہ تھی' یوں تو رومی اس روم میں دس بار آئی تھی مگر آج دلہن کے روپ میں نا وہ شرمائی نہ وہ سٹپٹائی بلکہ اس نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا' صبا اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔

''او مائی گاڈ! دلہن بننا بھی کتنی مشکل کام ہے' اشمل کا بچہ تو ابھی تک نہیں آیا''۔ اس نے سر سے دوپٹہ اتار کر پھینکا تھا۔ پیر لٹکائے ابھی تک بیڈ سے ٹکی بیٹھی تھی' دروازے پر ہلکی ہلکی اشمل اور صبا کی کچھ آوازیں آ تو رہی تھیں تو وہ لینے کی اس میں عادت تو نہیں تھی اس لئے وہ بہت بے قراری سر پکڑے بیٹھی تھی کہ ابھی اشمل آئے تو وہ سر درد کی اس سے دوا مانگے گی۔

''دیکھو اشمل! جو تمہاری کمیٹڈ ہے وہ تم پورا کرو گے۔ رومی تمہاری بیوی ہے' خلع کی صورت میں ہم اسے بھاری رقم اور تحفظ بھی دیں گے' اور ہاں اندر سے دروازہ لاک نہیں ہوگا' تم نارمل لائف گزارو جیسے تم رہتے تھے' تمہارے بیڈ روم میں ہم نے ایک الگ اسپیشل صوفہ لگوا دیا ہے جو بہت اچھی کوالٹی کا ہے جس پر وہ اچھی طرح سو

سکتی ہے' میں تمہارے باپ سے مجبور تھی ورنہ کسی ہوٹل میں سپریٹ روم بک کروا دیتی مگر میں ایسا نہیں کر سکی بہر حال تم آرام سے اندر جاؤ وہ صوفے پر سوئے گی"۔

"او کے مام اوکے"۔ اشمل بہت بے زار کن لہجے میں بولا تھا۔ انہوں نے اس کے کندھے پر تھپتھپایا گویا سارا مسئلہ حل ہو گیا ہے اور انہوں نے کامیابی حاصل کر لی ہے۔ سوچنے کو تو انسان بہت کچھ سوچ لیتا ہے لیکن ضروری نہیں ہم سوچیں وہی ہو جائے' بعض اوقات ایسا ہی ہوتا ہے' بعض اوقات آنکھوں کے خدشے حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں' بظاہر اشمل' ماں کو بہت ساری تسلیاں دے کر اندر چلا گیا تھا' مگر ان کی تسلی بند آنکھوں کے تصور سے نہیں ہو رہی تھی اس لئے انہوں نے دروازہ پش کر کے اندر ایک نظر ڈالی' بیڈ پر دونوں پیر لٹکائے رومی جوں کی توں بیٹھی تھی انہیں دیکھ کر تھوڑا سا کسمسائی مگر وہ اسے دیکھ کر باہر چلی گئی تھیں۔

"اونو......" سیل کی بیپ ہوئی تو وہ چونک سا گیا۔ سامنے رومی مرجنڈا لباس میں جھلملاتے روپ میں کسی اپسرا کی مانند لگ رہی تھی' ایک لمحے کے لئے اشمل کی گویائی سلب ہو گئی اسے یوں لگا یہ رومی نہیں ایک چاند کا ہالا ہے جس سے شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ اشمل کی آنکھوں کی حیرانی پر رومی کے گالوں کے ڈمپل کچھ زیادہ ہی سمٹ گئے تھے' آہستہ سے اس نے سر اٹھا کر اشمل کو دیکھا تھا' اشمل جیسے چونک سا گیا۔

"ارج سے میں نے پرامس کیا ہے کہ تمہاری تصویر اسے دکھاؤں گا"۔

"پاگل ہو گئے ہو تم......؟ مجھے اس حلئے میں دکھاؤ گے"۔

"کیا مطلب ہے اس حلئے میں......؟ تم اتنی بیوٹی فل لگ رہی ہو' اس سے پہلے میں نے تمہیں اتنا خوبصورت نہیں دیکھا"۔ اشمل اسے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔

"میں بھی اشمل ایک منٹ کے لئے شاکڈ میں رہ گئی تھی جب میں نے بیوٹی پارلر میں دیکھا کہ میں بھی اتنی خوبصورت لگ سکتی ہوں' یہ سب بیوٹیشن کا کمال ہے ورنہ کوئی بات نہیں"۔ وہ مسکرائی۔

"خیر ایسا بھی نہیں ہے رومی! تم خوبصورت ہو' بٹ اسمارٹ نہیں ہو' اسکرٹ بلاؤز پہنو کچھ ماڈرن سا روپ بھرو جیسے ارج"۔ اس نے جلدی سے یہ کہتے ہوئے سیل کان سے لگایا تھا۔

"او کے ارج! میں آن کرتا ہوں"۔

"پلیز اشمل! مجھے اچھا نہیں لگے گا"۔

"یار چھوڑو دقیانوسی باتیں"۔ اس نے اپنا آئی پوڈ آن کر دیا تھا' سامنے ارج تھی۔

"ہائے ارج"۔

"کانگریچولیشن اشمل! سب کچھ ٹھیک رہا ناں"۔

"مجھے رومی کی شکل دکھاؤ مجھے ڈرامے کا آخری سین تو دکھاؤ وہ کہاں ہے"۔ وہ مرجنڈا کلر کے قیمتی لباس میں خاندانی جیولری جو اسے پنائی گئی تھی اس پر اس کا جھلملاتا کلر اور کلرنگ بال' گالوں پر ڈمپل' وہ ارج کو دیکھ کر ہنس پڑی تو اس کے ماتھے کی بندیا ہلکے سے ہلی۔

"کیا ہوا ارج......؟" تو وہ سکتے کے عالم میں خاموش تھی۔

"ارے کچھ تو بولو...... مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ تم میری بیوی کو دیکھ کر ڈر گئیں......؟"

"او اشمل! شی از آ ویری بیوٹی فل گرل تم کبھی اس کو خود سے الگ نہیں کرو گے"۔

"کم آن یار ارج! تم کیسی باتیں کرتی ہو......؟"

"اشمل! یہ تو بہت خوبصورت لڑکی ہے تبھی تو تمہارے پاپ اس پر فدا ہیں۔ او مائی گاڈ یہ میں نے کیا' کیا؟ تم تو کہتے ہو کہ یہ بہت سیدھی سادی گاؤں کی لڑکی ہے جو ہر وقت دوپٹہ لپیٹے رہتی ہے"۔ باہر ہوائیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ صبا کو بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ لمبے سے ٹیرس میں وہ بے قراری ٹہل رہی تھیں۔ انہیں ابھی تک اس بات کا یقین نہیں تھا کہ رومی ان کے بیٹے کے کمرے میں ہے' وہ لمبے چوڑے برآمدے میں ...تک جاتیں اور ان کے پیچھے ایزل میاؤں میاؤں کرتی ٹہل رہی تھی۔

"او خدایا! اس بلی نے میری زندگی عذاب کر دی ہے"۔ ایزل پھر میاؤں میاؤں کرتے ہوئے صبا کے پیچھے پیچھے چلی۔ ان کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے دونوں ہاتھ سے بلی کو اٹھا کر دھڑ سے دروازہ کھولا اور بلی کو رومی کے پاس اچھال دیا۔

"یہ لو...... یہ تمہارے لئے بے قرار ہے تمہارے کمرے تک جاتی ہے اور میاؤں میاؤں کر کے واپس آتی ہے"۔ ایزل دھڑ سے گری اور صبا باہر نکل گئی تھیں۔ ایزل میاؤں کر کے رومی کی گود پر لیٹ گئی تھی۔

"او مائی گاڈ! یعنی آج بھی ویڈنگ نائٹ میں بھی کیٹ تمہارے روم میں گھسی بیٹھی ہے' خدارا...... پھینکوا سے اشمل! باہر نکالو ورنہ یہ تمہیں ڈسٹرب کرے گی اور بات نہیں کرنے دے گی۔ شکر کرو اشمل! اگر میں ہوتی نا میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر پھینک دیتی پتہ نہیں رومی کیسے اسے برداشت کر رہی ہے باہر پھینکو"۔

"خبردار ارج! یہ ذمی نہیں ہے آئی سویئر اگر تم اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتیں تو میں بھی تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا"۔

"واٹ نان سینس اسٹوپڈ...... کوئی بیڈ روم میں کیٹ تو نہیں رکھتا ہے ہٹاؤ رومی اور اتارو اس کو گود سے اور اس کو بیڈ روم سے باہر نکالو"۔

"نو ارج نو...... باہر آج تیز ہوائیں چل رہی ہیں یہ میرے بغیر نہیں رہ سکے گی"۔

"اشمل! اٹھاؤ اور اس کو باہر پھینکو"۔ تو ایزل کو نا جانے کیا سوجھی کہ میاؤں کر کے دھڑ سے اس نے Skpye کو ڈسٹرب کر دیا تھا اور لائن ڈسکنیکٹ ہو گئی۔

"او نو ایزل! تم اس وقت بچ گئیں ارج کے عذاب سے"۔ پھر وہ چلتا ہوا صوفے کے قریب آیا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے میں اس صوفے پر سو جاتا ہوں"۔

"نو نو اشمل نو! میں وہاں لیٹ جاتی ہوں"۔ اس نے تکیہ اٹھایا تھا۔

"نہیں رومی......" اچانک اس کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔ رومی نے پلٹ کر اشمل کی جانب دیکھا تو پہلے والا اشمل نا جانے کہاں گم ہو چکا تھا۔

"کیا ہوا اشمل......؟"

"کچھ نہیں"۔ وہ بڑے سرد لہجے میں بولا تھا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے' میں اب سونا چاہتا ہوں"۔ وہ نگاہیں جمائے ہوئے بول رہا تھا' وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"اشمل......"

"کیا اشمل......؟" اس کا لہجہ بالکل تبدیل ہو گیا تھا۔

"میں نے کہا نا مجھے نیند آ رہی ہے"۔ وہ تکیہ اٹھا کر صوفے کی جانب بڑھا تھا۔

"اشمل! میں وہاں سو جاؤں گی"۔ رومی کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ ...حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں نے کہا ناں کہ تم بیڈ پر سو جاؤ''۔ وہ بہت سپاٹ لہجے میں بولا۔ وہ اس طرح سے اگنور کیے جانے پر تڑپ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''بس رومی بس......'' وہ ہکا بکا کبھی اشمل کو کبھی اس سجے ہوئے روم کو دیکھ رہی تھی بے خبر سوئے ہوئے اشمل کے بلینکٹ پر ایزل جا کر دبک گئی تھی۔

''ایسا کیا ہوا......؟ اشمل نے مجھ سے نظریں کیوں پھیر لیں' کیا میرا ساتھ اس کو گوارہ نہیں تھا''۔ وہ بے تحاشہ روئے جا رہی تھی' اسے بری طرح انسلٹ فیل ہو رہی تھی' اشمل کے اس طرز سلوک پر' لیکن نیند تو اسے بھی آ رہی تھی مگر اشمل کے لہجے نے اسے مسل کر رکھ دیا تھا' اس نے مڑ کر دیکھا اشمل بہت گہری نیند میں اسی ویڈنگ ڈریس میں سو گیا تھا۔ اس نے اپنی سسکیوں کو اپنے اندر ہی ضبط کر لیا تھا' وہ ٹشو سے آنسو پونچھ کر واش روم میں آ گئی تھی جہاں بڑے بڑے آئینے بڑی سی ڈریسنگ ٹیبل سامنے تھی' وہ فین آن کر کے بہت دیر آئینہ میں خود کو دیکھ کر روتی رہی تھی۔

''اللہ غریبوں کو حسن کیوں دیتا ہے''۔ اس نے اپنے ماتھے سے بندیا اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دی تھی' آہستہ آہستہ اس نے سارے گہنے اتار کر رکھ دیئے تھے' ٹھنڈے پانی سے چہرہ واش کر کے ہلکے ہلکے ٹاول سے چہرہ تھپکتی ہوئی وہ بہت آہستہ سے باہر آ گئی تھی۔ صوفے پر بے خبر اشمل سو رہا تھا' اس نے بہت آہستہ سے بیڈ کے کنارے خود کو ٹکایا ناک سے بہتے ہوئے پانی سے اس کی ناک لال ہو گئی تھی اور آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئی تھیں۔ اس کی چوڑیاں کھنکھنائیں تو اشمل کی آنکھ کھل گئی تھی' اشمل نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

''تم کیا چاہتی ہو......؟'' وہ بے جان سی بن گئی۔

''یہ چوڑیاں اتار دو' ان کی آواز مجھے زہر لگ رہی ہے' چار راتوں سے میں جاگ رہا ہوں''۔ رومی حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی اور وہ کروٹ لے کر لیٹ گیا تھا۔

☆

شفاف درد کے آئینے میں زندگی ڈھل کہ جیسے نکھر آئی ہو مگر درد نارسائی کا زخم ہمیشہ آئینہ دیکھ کر اپنے چہرے پر نظر آتا ہے' یہ وقت کی حقیقت ہے آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا ہے' زخم زخم اندر سے چور چور ماہم اپنے چہرے پر اس نے دکھوں کا ایک پردہ ڈال رکھا تھا جہاں بظاہر کوئی اس کے دکھ کو نہ جان سکا نہ پہچان سکا' شانزہ کا ساتھ چھوٹ جانا ایک معمولی حادثہ نہیں تھا اور نہ ہی زندگی اسے کبھی کسی موڑ پر جدا کرنے کے لئے تیار تھی۔ آج اس کی روح پر بہت کاری ضرب لگی تھی جب نند اور ساس نے اسے طعنہ دیا تھا۔

''اللہ نے تمہیں دکھایا ہے تمہارا سلوک ہم لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں''۔ تو اس کے ہونٹ مسکرا اٹھے تھے۔

''بے غیرت اسے تو اپنی جوان بہن کی موت کا بھی غم نہیں ہے ہنس رہی ہے کھڑے''۔

''اور میں کیا کروں وہ مر گئی' موت پر ہمارا تو اختیار نہیں تھا بس اللہ کی رضا''۔ اس نے ایک بار پھر پلٹ کر ہنس کر نند کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی تھی۔ یہ ہنر حماد نے اسے سکھایا تھا' مگر وہ اپنے بیڈ روم میں آ کر کتنی دیر روتی رہی تھی کہ اس کی سسکیوں سے اس کا آنچل بھیگ گیا تھا' نمکین پانیوں سے ہونٹ تر تھے' بالوں میں نمی اتر آئی تھی' کمرے میں ارد گرد شانزہ کی ہنسی' شانزے کی مہک پھیل رہی تھی۔

''بس میں تم سے نہیں بولتی' مجھے تم سے بس ایک ہی شکایت ہے تم نے میری بات نہیں مانی اور زندگی کا یہ سفر تم کتنی خاموشی سے طے کر گئیں' بہت مشکل ہے یوں گزر جانا''۔ سامنے دکھ کی ایک لمبی چادر پھیلتی چلی گئی اور وہ ہر لمحہ ہر پل مرتی رہی' زندگی اسے آزما رہی تھی' اماں کے دکھ پر نہ کبھی آنسو بہائے' نہ کوئی یاد نہ کوئی ذکر ہوائیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو شاید اماں

کے دکھ سے بھی نے شانزہ کی موت کا دکھ چھپا دیا' لیکن دکھ' ملال' یہ ایسے لفظ نہیں ہیں جو دل کے کسی کونے میں ڈال دیئے جائیں' پورے دل کی وابستگی کے ساتھ جینا پڑتا ہے' ہر لمحہ جان کے عذاب سے گزرنا پڑتا ہے سو گزر گئے' دبے پاؤں زندگی کے لمحوں نے اپنی رفتار تھوڑی دیر کے لئے روک دی تو یوں لگا کہ ابھی ابھی کچھ دیر کے لئے زندگی ٹھہر گئی ہو۔

آج بھی عید پلٹ کر آئی تھی' اماں کے گھر میں ایک گہرا سناٹا تھا نہ کوئی خوشی نہ کوئی چوڑیوں کی کھنک' اماں اداس تھیں' ثروت اور سمعیہ باجی بھی آئی ہوئی تھیں سب چپ چپ تھیں' اماں نے نظریں اٹھا کر ماہم کو دیکھا اور دو آنسو ٹوٹ کر شفاف جھریوں بھرے چہرے پر ماہم کو نظر آئے تھے۔

''ہر وقت تم دونوں کا نام ایک ساتھ آتا تھا' ماہم اور شانزہ...... تم اکیلی رہ گئیں''۔ ماہم جلدی سے اپنا رخ پھیر گئی تھی جیسے کوئی بات نہ ہو۔ عماد بھائی اور زوبیہ بھابی تو گھر میں تھے' مگر حماد بھائی اور عصمت بھابی گھر میں نہیں تھے' اماں سے پتہ چلا تھا صبح کاظمی آئے تھے حماد اور عصمت کو لے گئے' رات بہت دیر سے عصمت لوٹ کر گھر سے آئی تھیں' ہاتھوں میں شوخ رنگوں کی پرپل چوڑیاں تھیں' نیا قیمتی لباس تھا' وہ بار بار بتا رہی تھیں۔

''یہ امی نے بنوا کر دیا ہے مجھے کہ کیا ہوا تم نے عید پر کپڑے نہیں پہنے پوچھ رہی تھیں''۔ سب نے ایک ساتھ بہت غور سے انہیں دیکھا تھا' ان کے چہرے سے بڑی خوشی چھلک رہی تھی' اپنے امی اور ابو کی طرح وہ بھی پان کی رسیا تھیں' مسکراتی ہوئی ایک نظر انہوں نے اماں کے چہرے پر ڈالی لیکن اماں بہت خاموش اور سر جھکائے بیٹھی تھیں نہ دیکھ سکیں۔

رات دبیز پردوں کے اندر آہستہ آہستہ گزر رہی تھی' آج وہ اماں کے گھر میں ہی ٹھہر گئی تھی' اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے جائے وہ انعم کے ساتھ اونچے سے تخت پر سونے کے لئے لیٹی تو اسے شانزہ کی بے حد یاد آئی تھی' اس تخت سے کتنی شناسائی تھی جس کے نیچے بڑے بڑے صندوق اور اوپر بہت فولڈ کی ہوئی دری بچھی ہوئی تھی اور اوپر سے جھالر لگی چادر جس نے اندر کے سارے عیب چھپا دیئے تھے۔ اماں کو نیند نہیں آ رہی تھی دروازہ بند تھا۔

''بیٹا! شانزہ کا بکس نکالو اور دیکھو اس کو' اس نے کیسے چیزوں کو ترتیب میں رکھا ہوا ہے''۔ ماہم نے اس کے بکس کو کھول کر دیکھا تھا۔ کتابیں' پین ایک بڑا سا ٹوفیوں کا پیکٹ اور کچھ اس کے ڈریسز تھے جو اس میں پیک رکھے تھے۔ کتنی دیر اماں نے ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھا تھا۔

''چلو رکھ دو' دے دینا کسی کو بیٹا! اب وہ لوٹ کر نہیں آئے گی''۔ اماں بہت پریکٹیکل تھیں۔ ماہم کو نیند نہیں آ رہی تھی وہ چپکے سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی سب کچھ ویسا ہی تھا' گھر چوکھٹ' چیزیں' ابا کا کمرہ خالی پڑا تھا۔ چودہویں رات کی چاندنی میں عماد بھائی کے بڑے بڑے کیکٹس نظر آ رہے تھے' ہر چیز اجلی اجلی نکھری نکھری بہت ساری یادیں بکھری پڑی تھیں۔ دوڑتے ہوئے ایک دوسرے کو دکھا دیتے ہوئے زینے پر چڑھ جانا' دور ڈوبتے ہوئے پہاڑیوں پر سورج کو دیکھنا' بلاوجہ ہنسنا' ہنستے ہنستے گر جانا' دور تک چلتے جانا' چلتے چلتے درختوں کی آڑ میں چھپ جانا' کبھی شیر کبھی چڑیل کی آوازیں نکالنا' وہ بہت زندہ دل اور بہادر تھی' ماہم ایک بزدل لڑکی کا نام تھا' ماہم کی آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں تھے' بس یادوں کے قافلے تھے وہ اونچے سے چبوترے پر جہاں پر پانی کی موٹر لگی تھی آ کر بیٹھ گئی' اس نے شانزہ کو یہاں پر بیٹھے ہوئے آخری بار دیکھا تھا' ریڈ ٹراؤزر اور یلو شرٹ میں آخری بار دیکھا تھا' عصمت اپنے بچے کا فیڈر بنانے کچن میں آئی تھیں' نظر پڑی تو وہ باہر آ گئیں۔

''نیند نہیں آ رہی ہو گی......؟'' آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

''سچ ماہم! آج ہم لوگوں نے عید ڈے بہت انجوائے کیا۔ بڑا مزہ آیا امی اور بھائی میاں ساری رات سوئے نہیں اتنی شاپنگ کی مٹھائیاں اور کیک بھائی میاں لائے تھے''۔ ماہم کے ذہن میں اماں کے گھر کی خالی میز نظروں

میں گھوم گئی۔ پچھلے برس کتنی ساری چیزیں اماں نے بنائی تھیں' شانزہ نے چوڑیاں پہنی تھی اس نے ہاتھوں پر مہندی لگائی تھی' پیروں میں پازیب پہننے کا شوق تھا وہ خرید کر لائی تھی' آڑا گولڈن اور بلیک پاجامہ' گولڈن کرتا' بلیک دوپٹہ اس پر ہلکا ہلکا کام تھا' اس پر اس نے سرخ جھالر اور موتیوں والی سینڈل پہنی تھی۔

''ماہم! دیکھو کتنے خوبصورت پیر لگ رہے ہیں میرے''۔

''ہاں...... بیوٹی فل' ذرا مجھے بھی دینا اپنی سینڈل پہننے کے لئے''۔

''ہاں تم پہن لو اچھی لگے گی''۔ ریڈ اور گولڈن چپلیں شام ماہم کو کسی کونے میں پڑی نظر آئی تھیں۔

''تمہیں نیند نہیں آ رہی ہوگی' شانزہ یاد آ رہی ہوگی' تمہاری پہلی عید ہے ناں' تم دونوں ساتھ ساتھ رہتی تھیں' تم دونوں میں بہت انڈر اسٹینڈنگ تھی آئی نو' حماد بھی ایک دن یہی بتا رہے تھے' شروع سے ان دونوں کا اسکول اور کالج ایک رہا ہے''۔ درد کی ایک لہر تھی جو ماہم کی ریڑھ کی ہڈی کو توڑ کر نکل گئی۔

''جی بھابی''۔

''تمہیں یاد آتی ہوگی......؟'' تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا' انہوں نے بہت غور سے سنجیدہ نظروں سے دیکھا تھا۔

اس پل اس کے دل نے نا چاہتے ہوئے دل میں کہا تھا۔

''اللہ کرے تمہاری بھی کوئی قیمتی چیز تم سے جدا ہو جائے جب پوچھیں گے تم سے''۔ البتہ زوبیہ بھابی دکھ میں برابر کی شریک لگتی تھیں۔ لیکن اماں کہتی تھیں بڑی چپکی ہے بڑی گھنی ہے' منہ سے کچھ نہیں بولتی زوبیہ کی بھی نظریں سارا دن اس کے وجود کے اندر آر پار ہو رہی تھیں پھر اس کے دل سے بددعا نکلی تھی' موت کی بددعا تو اس نے کبھی کسی کے لئے نہیں کی اور نہ ہی اس کی یہ سرشت تھی اور اماں وہ تو بالکل بے زبان تھیں' وہ کبھی کسی کو کوسنے نہیں دیتی تھیں لیکن آج ماہم نے گرم گرم آنسوؤں کو پونچھا تھا تو یہ ضرور کہا تھا۔

''زوبیہ بھابی آپ کو بھی اس دکھ سے گزرنا پڑے''۔ دوسرا دن بھی سوگوار سا گزر گیا تھا۔ جب شام کے دھندلکے دور ہو گئے تو ماہم واپس جا رہی تھی اسے یوں لگا گیٹ پر کھڑی شانزہ ہاتھ ہلا رہی ہے۔ بہت دیر تک وہ مڑ مڑ کر بند گیٹ کو دیکھتی رہی پھر گیٹ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

☆

رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی' کیسا کاٹ دار جملہ تھا اشمل کا وہ بڑی خوفزدہ سی رہی کس پل اسے نیند آئی وہ یہ نہ جان سکی' جب آنکھ کھلی ہلکا ہلکا سورج ونڈو اسکرین پر نظر آ رہا تھا' پورے کمرے میں پھولوں کی بہتات تھی' چھپر کھٹ پر پھولوں کے گچھے لٹک رہے تھے۔ سامنے ابھی تک اشمل بے خبر سو رہا تھا' اس کے اندر اتنی بھی سکت نہیں تھی کہ وہ کروٹ لے یا اٹھے کہ کہیں اشمل کی آنکھ نہ کھل جائے' اس کی نظریں بڑی بے قراری کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لمحہ بہ لمحہ اس کے اندر کی ساری قوت ٹوٹ رہی تھی' مجرموں کی سی کیفیت میں اس سنہرے پنجرے میں وہ قید تھی' جہاں سارے اس کے حقوق اشمل کے نام لکھ دیئے گئے تھے' اس نے آج اپنی آنکھوں کی نیند تھپک دی تھی وہ کتنی آزردہ نظر آ رہی تھی۔

''یہ کیا ہوا......؟ کیا میری بدنصیبی ایک بار پھر مجھے یہاں لے آئی ہے''۔ وہ آنکھیں بند کئے دنیا و مافیا سے بے خبر ہونا چاہتی تھی۔

گلابی گلابی سرد صبح کی زرد کرنیں' سنہرے پنک پردوں سے جھانکنے لگی تھیں یہ کیسی صبح تھی کہ اس نے اسے بالکل ساکت کر کے رکھ دیا تھا' اس نے آہستہ سے مہندی بھرا پیر زمین پر اتارا تھا' بہت آہستہ سے اپنے ڈریس کو سنبھالتی ہوئی دل چاہا کہ دروازہ کھول کر بنا کسی کو بتائے ولید ہاؤس سے باہر چلی جائے' ذہنی خلفشار لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا' اور سامنے اس کا مجازی خدا بے خبر سو رہا تھا' تو اس نے محسوس کیا کہ اشمل منہ پھیرے ہوئے جاگ رہا ہے۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر بیڈ کا سہارا لے کر الماری کو تھام لیا تھا' اس کے کپڑوں کی' وجود کی مہک نے شور مچا رکھا تھا' شاید اشمل بھی ساری رات نہیں سو سکا تھا' اس نے بہت آہستہ سے الماری کو کھولا تھا' اشمل نے کن اکھیوں سے اس کو دیکھا وہ ایک رات کی اجڑی اجڑی سی دلہن تھی' لباس تو وہی تھا' لیکن زیورات اس نے اتار دیئے تھے۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے اس نے یہ خود کھیل کھیلا ہے''۔ اشمل نے اپنا رخ ہنوز دوسری طرف رکھا تھا۔ اسے بھی محسوس ہو گیا تھا کہ وہ جاگ رہا ہے اس لئے اس نے الماری کے پٹ کھول دیئے اور اپنا ایک سوٹ ہینگر سمیت وہ نظریں جھکائے ہوئے واش روم میں داخل ہونے جا رہی تھی۔

''رومی......'' تو رومی وہیں ساکت کھڑی ہو گئی' اشمل وہیں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''پلیز...... بہت دھیان سے واش روم کی چیزیں بڑی قیمتی ہیں' تقریباً شیشے کا بنا ہوا یہ واش روم ہے' ایک بھی سیمنٹ شیشے کا شاور کرٹن پر آئے یو نو میں اسی وقت صاف کروا لیتا ہوں''۔

''جی......'' وہ مڑ کر اس کی جانب بڑھی۔ کیسا تکبر تھا اشمل کی آواز میں کہ وہ وہیں پتھر کی بنی اور کٹ کر رہ گئی۔

''یہ کیا ہو گیا میں اس قابل کب تھی بھلا''۔

''میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اسٹیچو بنی دروازے پر کھڑی رہو' جاؤ میں نے بس تمہیں بتا دیا ہے''۔

''میں دادی کے کمرے میں چلی جاتی ہوں''۔ اس نے مڑ کر اشمل کے چہرے کو غور سے دیکھا تھا' وہاں تو برسوں کی شناسائی نہ تھی اجنبی چہرہ' لہجہ بے گانہ اور انداز میں کتنی ذلت آمیز ترشی تھی۔

''اب ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ پورے گھر کو تم بتاتی پھرو کہ میں ایسا ہوں' میں ایسا ہی تھا اور ایسا ہی رہوں گا' تم نے خود اپنی مرضی سے یہ راستہ پسند کیا ہے' اور اب جاؤ بابا اور تم کیا اب چاہتی ہو......؟'' اس نے غصے سے کروٹ بدل لی تھی۔ واقعی واش روم پورا شیشے کا بنا ہوا تھا وہ جدھر دیکھتی وہ ادھر نظر آ رہی تھی' اس نے خوف زدہ ہو کر دیکھا شیشے کی ٹیبل پر جیولری پڑی تھی وہ دل بھر کر روئی تھی۔

کافی دیر تک وہ اپنی آنکھوں پر پانی مارتی رہی لیکن آنکھوں کی سرخی کم نہ ہوئی' وہ چینج کر کے دبے قدموں باہر نکل آئی تھی' وہ اجنبی اجنبی سا سامنے بیٹھا ہوا تھا' ملازم ناشتے کے لئے بلانے آیا تھا۔

''چلیں تیار ہو جائیں نیچے سے دادی کا فرمائشی پروگرام آیا ہے کہ ناشتہ آپ کے ساتھ کیا جائے گا مجھے بھی چینج کرنا ہے''۔ اس نے بہت گہری نظروں سے رومی کو دیکھا تو وہ جھینپ کر رہ گئی تھی اس کے اندر خوشی کی ہر رمق مر چکی تھی۔ اس نے صرف جواب میں سر جھکا دیا تھا۔

''ٹھیک ہے میں تیار ہو رہی ہوں''۔ وہ بامشکل ضبط کر کے بولی۔ اشمل اٹھ کر شاور لینے واش روم گیا لیکن پلٹ کر آیا۔

''رومی...... تمہیں تو اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ یہ قیمتی چیزیں تم واش روم میں چھوڑ کر آئی ہو' میں بالکل ایسا نہیں ہوں' لٹ ڈے ہی میری اور تمہاری کیمسٹری کا راز کھل چکا ہے' میں اپنی چیزیں جس جگہ سے اٹھاتا ہوں وہیں رکھتا ہوں''۔ وہ بڑے عجیب سرد لہجے میں بولا تھا۔

''میں ابھی اٹھا لیتی ہوں' دراصل آپ ڈسٹرب ہوتے اس لئے میں نے وہیں چھوڑ دی تھیں رات کو''۔ حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی تھی جیسے وہ پاتال سے بول رہی ہو۔

☆

موسم خوش گوار ہو یا اداس اندر کا موسم تو یخ سرد پڑا تھا' ماہم کا دل تو سہما سہما رہتا تھا جب وہ میکے پلٹ کر آئی تو وہ

یوں پوز کرتی کہ شانزہ کی کوئی یاد کوئی لمحہ بھی پاس سے نہ گزرا ہو' اماں بڑے غور سے اسے دیکھتیں۔

''تم مجھ سے ناراض ہو......؟'' تو وہ رخ پھیر جاتی' بظاہر آنسو تو خشک ہو چکے تھے۔ دکھ اور ملال کا تعلق ہمیشہ دل سے ہوتا ہے جب انسان بہت دکھی اور بے بس ہوتا ہے تو آنسو چھلک ہی پڑتے ہیں۔

اماں کے سامنے کبھی اس نے پلٹ کر شانزہ کا نام نہیں لیا' یوں لگتا تھا شانزہ کی موت نے عصمت اور زوبیہ۔ دل کو بہت سکون بخشا ہے زوبیہ سے زیادہ عصمت کا دل ماہم کو ٹھنڈا ٹھنڈا لگتا' اس کی باڈی لینگویج سے پتہ لگتا وہ ماہم کو دیکھ کر سوچ رہی ہیں۔

''دکھ تو تم لوگوں کو بہت ہے' پوز ایسا کر رہی ہو جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو'۔ زندگی کی پھر وہی روٹین تھی' کوئی تبدیلی نہ آئی اس ماحول میں بس ابا کا کمرہ خالی ہو گیا تھا' ماہم بھی چلی گئی تھی اور شانزہ بھی نہیں تھی صرف انعم اور اماں تھیں بہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم تھیں' اماں کی ساری محبت انعم میں سمٹ آئی تھی' اماں کے ساتھ سوتی ہوئی انعم کو دیکھ کر ماہم کو خیال آیا تھا' ایک دن شانزہ کہہ رہی تھی کہ۔

''یہ حدیث نہ ہے کہ...... محبت اگلوں میں ہوتی ہے پچھلوں میں نہیں''۔ یوں لگتا تھا ساری محبت جلوہ بی بی کی آخری بیٹی میں سمٹ آئی ہے وہی ان کی تنہائی کا واحد سہارا ہے۔ ہر لمحہ عصمت جلوہ بی بی کے سامنے یوں اکڑ اکڑ کر چلتیں قہقہہ لگاتیں' سوگوار گھر میں ان کے قہقہے گونجتے' کاظمی کی گاڑی آتی اور وہ چلی جاتیں۔

جلوہ بی بی کی وہی روٹین تھی ملازم شریف کو لے جا کر کمرے کی بار بار جھاڑ پونچھ کروانا' ناشتہ اور کھانے کا انتظام کرنا۔ آج چلچلاتی ہوئی دھوپ میں ماہم ماں کے گھر آئی تھی' اماں جلدی سے چشمہ لگا کر اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔

''پردے کھولو روشنی نہیں آ رہی' میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہی تھی' بارہ ایک بجے تک میں گیٹ پر رہی' سبزی والا آیا تو میں نے تمہارے لئے سبزی خریدی' جاؤ جا کر دیکھو میں نے تمہارے لئے سویا' میتھی اور آلو بنائے ہیں'' ان کا لہجہ بہت راحت رساں تھا۔

''نہیں اماں! میں تو کھانا کھا کر آئی ہوں اس لئے تو دیر ہو گئی''۔ وہ ہنس کر بولی۔

''پھر بھی تم جاؤ تو سہی دیکھو تو سہی''۔ وہ اماں کی خوشی کے لئے اٹھ کر کچن میں آئی تھی جوں ہی اس نے دیگچی ڈھکنا کھولا زوبیہ بھابی بہت تیزی سے اندر گئی تھیں اور دیگچی تھام کر بولیں۔

''ابھی عماد نے کھانا نہیں کھایا''۔ ماہم بھی بڑی ڈھیٹ چیز تھی ایک ہاتھ سے اس نے دیگچی کو تھامے رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے چمچ سے ہرے ہرے سویا اور آلو میتھی ڈالے اور بولی۔

''لیں...... اب دے دیجئے گا عماد بھائی کو''۔ اس نے کھٹاک سے چمچہ وہیں چھوڑا اور پلیٹ لے کر اماں کے کمرے میں آئی تھی۔

''یہ زوبیہ کیا بول رہی تھی تم سے''۔ اماں نے ساڑھی کے آنچل سے چشمہ صاف کر کے دوبارہ لگایا تھا۔

''یہی کہ ابھی عماد نے کھانا نہیں کھایا ہے''۔ ماہم کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''توبہ ہے بہت کنجوس ہے' حالانکہ سبزی میں نے خریدی' لے کر آئی' خوب دھویا کاٹا' بھگارا' صرف تمہارے ورنہ کھانا تو پکا رکھا ہے مگر یہ اپنی فطرت سے باز نہیں آتی زوبیہ''۔

''کوئی بات نہیں اماں! ہم نے تو لے لیا''۔ ماہم ہنس رہی تھی اسے معلوم تھا کہ اس کے جانے کے بعد زوبیہ بھابی' اماں کے پاس ہوں گی اور اماں بالکل اکیلی۔

''اگر ہم لوگوں نے ذرا سا کچھ کہا تو اماں کے لئے بہت دشوار ہوگا''۔

''کل ڈھائی بج گئے اس نے مجھ سے کھانے کے لئے نہیں پوچھا میں بھی بیٹھی رہی' جب شام کو انعم آئی تو میں نے انعم کو بتایا''۔ تو ماہم بولی۔

''اماں! سب کچھ تو آپ کا ہے' ان کے بچے ہیں وہ مصروف ہو گئی ہوں گی' آپ مانگ لیتیں یا خود جا کر نکال لیتیں''۔

''ہر روز تو وہ مجھ سے پوچھتی ہے کھانا لاؤں' اسے معلوم ہے کہ میں اپنا سارا کام نمٹا کر آخر میں کھانا کھاتی ہوں' کوئی بات نہیں بس کسی بات پر ناراض ہو گئی۔

''نہیں اماں! وہ بہت نیک اور سیدھی ہیں آپ عصمت کو دیکھیں کتنی تیز چلتر ہے''۔ پہلی بار اماں نے اپنی شکست کا اعتراف کیا تھا۔

''ہاں ہاں بٹیا! ہم کیا جانے یہ ونداور پھند' کیسا فریبی تھا کاظمی اور اس کی بیوی' کیسا بے وقوف بناتے تھے مجھے اور اب دیکھو باہر سے ہارن دیتے ہیں اور بیٹی کو آ کر لے کر چلے جاتے ہیں اور اندر بھی نہیں آتے ہیں''۔ اماں بہت ہارے ہوئے لہجے میں بولی تھیں۔

''اماں! میری کالج کی کسی فرینڈ نے کہا تو تھا کہ ہمارا کوئی گناہ اس گھر میں لے کر جا رہا ہے''۔

''ارے یہ سب نہیں خود یہ بہت تیز ہے' اپنا ہی نقصان کرے گی کسی دن تم دیکھ لینا''۔

''اماں! ہمیں تو یوں لگتا ہے ہم لوگوں کا ہی کوئی نقصان نہ ہو جائے''۔ کچھ دنوں سے ماہم نے محسوس کیا تھا کہ عماد بھائی بہت اکھڑے اکھڑے اور ٹینس رہتے ہیں' لیکن اماں کی وجہ سے وہ کچھ نہیں بولتے اور آہستہ آہستہ عماد سے وہ دور ہو رہے ہیں' کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ بڑھتی جا رہی ہے' اس وقت بھی دن کا گہرا سناٹا تھا۔ انعم یونیورسٹی سے ابھی تک گھر نہیں آئی تھی' تھوڑی سی دیر ہو گئی تھی' اماں بڑی بے قراری انعم کے لئے بار بار گیٹ کے لئے جا رہی تھیں۔

''ابھی تک آئی نہیں''۔ جلوہ بی بی کے چہرے پر بہت خوف تھا' ممتا کا ایک ایسا خوف جو صرف ایک ماں کے چہرے پر ہوتا ہے۔

آہستہ آہستہ دن بیت گیا چپکے سے رات سرک آئی' ماہم نے تنہا بیڈ پر دیکھا شانزہ کی جگہ خالی تھی' اسے یوں لگا بہت دور کہیں دور ویرانے میں گاؤں کے کسی دور پرانے مندر میں ماہم اور وہ وہاں گھس کر وہاں کی چیزیں الٹ پلٹ رہی ہیں۔ اونچے اونچے درخت سائیں سائیں کر رہے تھے' کسی گرجا یا مندر کی گھنٹیاں بج رہی تھیں' وہ خوف سے دونوں بھاگی تھیں' پھر سامنے لیٹی ہوئی جلوہ بی بی کی آنکھوں پر نظر پڑی تو پھر اسے بچپن کی شرارت یاد آئی تھی۔

گاؤں کی ایک بوڑھی عورت جسے سب بی بی کہتے تھے۔ بہو نے دھکے مار کے اسے نکال دیا تھا' وہ آج کل گاؤں کے اسی گھر میں رہ رہی تھی' شانزہ اور ماہم نے ایک پلان ترتیب دیا تھا' بی بی ڈھولک اور گانا اچھا بجا لیتی تھیں' جنوں اور پریوں پر بھی بہت یقین تھا ان کا۔

''چلو ماہم آج بی بی کو بے وقوف بناتے ہیں' میں ان سے کہتی ہوں کہ ماہم پر جن آتے ہیں بی بی ڈھولک بجاؤ' چلو اور یہ الائچی بھی تم اپنی مٹھی میں رکھو' ٹھیک ہے جب وہ گانا شروع کریں گی تو تم ہلنا شروع کرنا جیسے تم پر حال آ رہا ہے فلاں بابا کی طرف جن پر حال آتے ہیں''۔ اس نے اشارہ کیا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے نا''۔ اس نے آہستہ سے اشارہ کیا اور بولی۔

''بی بی! تم ڈھول بجاؤ' ماہم پر حاضری آ جائے گی''۔ بی بی بڑے وجد میں ڈھول بجا کر گا رہی تھیں۔

وہ بہت لہک لہک کر گا رہی تھیں اور ماہم کا وجود آہستہ آہستہ ہل رہا تھا۔

''بی بی دیکھو دیکھو! اس وقت ماہم کو دیکھو' بی بی! تم اس سے الائچی مانگ کر تو دیکھو''۔ تو بی بی بولیں۔

"میاں جی، ہمیں الائچی دیں"۔ تو ماہم نے بند مٹھی ان کے سامنے کھول دی تھی۔ بی بی سکتے میں تھیں اور ان کی تھاپ رک گئی، ماہم نے پھیلی ہوئی ہتھیلی پر الائچی ڈال دی تھی۔ اماں کہیں سے کھڑے ہوئے یہ تماشہ دیکھ رہی تھیں۔

"بی بی! کیوں پاگل بنی ہو، یہ مل کر تمہیں بے وقوف بنا رہی ہیں"۔ ماہم اور شانزہ ہنس ہنس کر ایک دوسرے پر گری پڑی تھیں اماں کے ہنسنے کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ ہمیشہ سے جلوہ بی بی کو بچپن سے ماہم نے دیکھا کہ جلوہ بی بی کسی کی شرارت اور کسی کے مذاق پر ہنستی ہیں تو آنکھوں سے آنسو نکلنے لگتے ہیں، شفاف بہشتی ہونٹوں پر اتر آتی اور وہ جلدی سے ساڑھی کے آنچل سے وہ چہرہ پونچھنے لگتیں۔ بی بی ڈھول پھینک کر الگ بیٹھی رو رہی تھیں، ماہم اور شانزہ ہنس ہنس کر ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار رہی تھیں۔

"بی بی! یہ جہاں دو اکٹھا ہوتی ہیں یا تو شرارتیں کرتی ہیں یا لڑائی کرتی ہیں اس کے علاوہ یہ کچھ نہیں کرتیں"۔ ماہم اور شانزہ کی لڑائی بھی بہت ہوتی تھی اور دوستی بھی وہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں، شانزہ تو ایسی نہیں تھی اللہ اس کو جنت نصیب کرے مگر ماہم بہت غصے میں تیز برجستگی سے جملے کہنا، ہر وقت روحانیت کے چکر میں لگی رہنا، رئیس امروئی کے تمام فلسفے کو غور سے پڑھنا، تقریباً کیرو کی پامسٹری اسے حفظ تھی، جب دیکھو اسکول ہو یا کالج سب اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑے ہوتے تھے۔ شانزہ کہتی تھی کہ۔

"ماہم! تم سب کو بے وقوف بناتی ہو، اچھا چلو بتاؤ تم میرے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھو"۔ اس نے اپنی سفید شفاف لمبی لمبی انگلی والی ہتھیلی سامنے پھیلا دی تھی۔

"او مائی گاڈ! تمہاری تو زندگی کی لکیر کٹ رہی ہے"۔ شانزہ نے جلدی سے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا تھا۔

"سوری...... سوری...... شانزہ سوری...... میں تو لوگوں کو جھوٹ موٹ بے وقوف بناتی ہوں، ایسا کچھ نہیں ہے"۔

"نہیں ایسا ہے...... مجھے بھی کبھی کبھی ایسا لگتا ہے میری زندگی بھی بہت مختصر ہے"۔

"اللہ نہ کرے شانزہ"۔ ماہم گھبرا گئی تھی۔

"کیوں......؟ تم نے اسکول میں شاہدہ کو کہا تھا کہ تمہاری انگیجمنٹ ٹوٹ جائے گی کتنا روئی تھی اس دن وہ کتنا سب لڑکیوں نے تمہیں برا بھلا کہا تھا اور جب وہ اتنے سالوں کے بعد کالج سے آتے ہوئے وین میں ملی تو وہ تم سے کہہ رہی تھی کہ وہ تم سے معافی مانگنا چاہتی ہے اپنے طرز عمل کی اور وہی سچ ہوا کہ چاند رات کو سعودیہ عرب سے اس کے منگیتر نے فون پر شادی کرنے سے انکار کر دیا"۔ اس نے اپنی بھوری بھوری آنکھوں سے ماہم کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"میں نے اس دن بھی اللہ کی قسم کھائی تھی شانزہ! میں آج بھی کہہ رہی ہوں کہ میں نے تکا لگایا تھا، علم غیب صرف اللہ کے پاس ہے یہ پامسٹری کے چکر میں مجھے نگہت نے ڈال دیا ہے، میں اس پر یقین نہیں کرتی"۔ ماہم واقعی گھبرا گئی تھی۔

"تم کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو، موت تو ٹل نہیں سکتی، وقت اور دن سب کچھ لکھا ہوا ہے"۔

"ہاں ہاں...... میں جانتی ہوں جب سے تم نے یہ سبجیکٹ ماسٹرز میں اسلامیات کرنے کی سوچی ہے جب سے تمہیں دینی مسائل گھیر رہے ہیں"۔

"کیا مطلب ہے کیا تم ان سے انکار کرتی ہو"۔

"نو لیکن میرا یقین بہت مضبوط اور کامل یقین ہے کہ صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے اور یہ سب کچھ بکواس"۔ اس نے کتابوں کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"چلو ہم ایک پل کے لئے مان بھی لیں تو حقیقت تو نہیں ٹل سکتی"۔

"آئندہ تم مجھ سے کوئی سوال نہیں پوچھو گی"۔ ماہم برا مان گئی تھی۔

"مجھے بھی تمہاری باتوں سے ڈر لگتا ہے تم جو بھی کہتی ہو وہ ہمیشہ سچ ہوتا ہے"۔

"اللہ نہ کرے شانزہ کہ میرے منہ سے نکلا ہوا لفظ سچ ثابت ہو اور آج سے میں کان پکڑتی ہوں میں پامسٹری چھوڑ رہی ہوں"۔ اس نے ہاتھوں سے اپنے دونوں کانوں کو پکڑ لیا تھا تو وہ ہنسنے لگی تھی۔

"اچھا چلو چھوڑو، کل تم یونیورسٹی آ رہی ہو......؟"

"شاید میں کل نہ آ سکوں، کل میں نے لائبریری میں بیٹھ کر بہت سارے نوٹس بنا لئے ہیں"۔ ماہم کا لہجہ بہت بجھا بجھا سا تھا۔

"اچھا چلو ایک بات بتاؤ، تم نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ اگر عصمت کی جگہ رومی ہوتی تو شاید پھر گھر کا ماحول ایسا نہ ہوتا، رومی کی تو بہت اونچے گھرانے میں شادی ہوگئی ہے اس کے ددھیال میں"۔

"آئی نو سمعیہ باجی نے اچھا نہیں کیا"۔ شانزہ بول رہی تھی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ سمعیہ باجی مکافات عمل سے بچ سکیں گی، کیا واقعی تمہیں ایسا لگتا ہے......؟"

"ہاں تم خود دیکھ لینا کہ جس طرح سے انہوں نے رومی اور سلطانہ کے ساتھ کھیل کھیلا ہے اور جو کچھ عادل ماموں کے ساتھ کیا جس وقت وہ اماں کے سامنے سر جھکا کر بیٹھے تھے، ان کے آنسو بہہ رہے تھے، چلو چھوڑو میں آگے کچھ نہیں بولتی، بس تم خود دیکھ لینا یوں تو مجھے عصمت بھابی بھی نظر آئی تھیں"۔

"بولو بولو ماہم! کیا نظر آئی تھیں"۔ شانزہ نے خوش ہو کر اس کی کلائی تھام لی تھی۔

"بولو یار ماہم! تم نے تو دل ہی خوش کر دیا"۔

"کیا دل خوش کر دیا شانزہ! وہ چیخ رہی ہیں، رو رہی ہیں اور گانے گا رہی ہیں"۔

"یہ تو خرافات ہے تمہارے دماغ کی کہ کوئی روتے روتے بھی گانا گائے گا"۔ شانزہ ہنسی تھی۔

"پتہ نہیں شانزہ! روئے جا رہی ہیں، لمبے لمبے ناخن ہیں اور گانا گا رہی ہیں، چلو چھوڑو تم ان باتوں کو اب مجھ میں پہلی والی بات نہیں رہی پہلے تھا انٹرسٹ کہ میں مراقبہ کرتی، شاع بنی کے چکروں میں بھاگتی پھرتی تھی، کبھی کبھی مجھے یوں لگتا کہ میری روح نکل کر آسمانوں کے پار بھٹک رہی ہے اور میں خلا میں کھو گئی ہوں"۔ وہ بولی۔

"ویسے باتیں تم بہت بھیانک کرتی ہو ماہم! کبھی کبھی سوچ کر ڈر لگتا ہے اب تو کبھی کبھی اماں بھی کہتی ہیں کہ ماہم وکٹوریا ہے بہت دماغ والی ہے دیکھو اس کو پہلے ہی کھٹکا تھا کہ کاظمی اچھا انسان نہیں"۔

"نہیں پہلے تو اماں مجھے ڈراتی تھیں، دھمکاتی تھیں کہ حماد کو بتا دوں گی، اب ذرا بولو ڈانٹ دیتی ہیں کہ مشورہ دینے کی یہاں ضرورت نہیں ہے اپنے سسرال میں مشورہ دو، ہم اپنے گھر میں لڑائی جھگڑا نہیں چاہتے، کہتی ہیں اماں کہ وہ عصمت ڈھیٹ ہے ایک دن اپنا ہی نقصان کرے گی، یہ اماں کی چھٹی حس کہہ رہی تھی شانزہ پتہ نہیں شانزہ کس کا نقصان ہوگا یہ تو اللہ ہی جانتا ہے چھوڑو آؤ یو بی ایل والے کے چھولے کھاتے ہیں بہت دنوں سے بڑے میاں کے چھولے نہیں کھائے چلو چلتے ہیں"۔ وہ ہنس کر بولی تھی۔

☆

کیسا مر کر رہ گئی تھی اس جملے پر، باتھ روم کیا تھا شیشے کا محل تھا جس کے اندر وہ سب کچھ اپنا چھوڑ آئی تھی، اشمل سے وہ نظریں نہ ملا سکی اور پلٹ کر ڈریسنگ کی سمت آئی تھی جہاں اس نے ہاتھ میں تھامی ہوئی جیولری وارڈروب کے اندر رکھ دی تھی۔

”دس منٹ میں میں تیار ہو کر باہر آتا ہوں“۔ اشمل نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

”یہ کیا ہو گیا......؟ کیا میں اس قابل نہیں تھی تو پھر اس نے کیوں ہاں کر دی“۔ یوں مرے مرے قدموں سے اس نے آئینے میں خود کو دیکھا' ریڈ اور ورنج فراک' ریڈ اور رنج دوپٹے کے کنٹراس سے اس نے اپنے سر کو چھپایا تھا۔ بجھی بجھی آنکھوں سے اس نے اپنے اجڑے ہوئے چہرے کو دیکھا' آہستہ سے نکل کر باہر آئی تھی اس کا دل چاہا دوڑ کر دادی کے کمرے میں بھاگ کر گھس جائے مگر آج اس کی رفتار بہت آہستہ تھی۔

”ارے رومی تم......؟“ صبا نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔

”اندر چلو واپس تم......“ وہ اس کا ہاتھ تھام کر مڑی تھیں۔

”بھئی تم نئی نویلی دلہن ہو اور اس حلیے میں باہر آؤ گی تو ولید کو اچھا نہیں لگے گا' کہاں ہے تمہاری جیولری بکس' جیولری پہن لو“۔ تبھی اشمل بلیو جینز اور براؤن شرٹ میں مام کے سامنے کھڑا ابرش کر رہا تھا' صبا نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا اور بولیں۔

”کیا بات ہے اشمل! روی اتنی چپ کیوں ہے بھئی...... ولید حیدر تو صبح سے تم لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں کہ ناشتہ ساتھ کریں گے ٹھیک ہے ذرا اس سے کہو بن سنور کر آئے میں جب تک ٹیبل تیار کرواتی ہوں“۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی اور اشمل اس کے سامنے کھڑا تھا' صبا ذومعنی انداز سے مسکراتی ہوئی نکل گئی تھیں۔ اشمل نے بڑی خونخوار نظروں سے اسے دیکھا تھا' وہ عجیب خوف سے لرز کر رہ گئی' کوئی اور لمحہ ہوتا تو وہ اشمل سے پنجے جھاڑ کر مقابلہ کر لیتی' لیکن نکاح کے تین بول نے جیسے پیروں میں زنجیریں ڈال دی ہوں' ہونٹ ساکت ہوں اور دل دھڑکنا بھول جائے۔

”کیا سوچ رہی ہو کھڑی تم......؟ سنا نہیں تم نے کہ مام کیا کہہ کر گئی ہیں' چینج کریں یہ ڈریس' مجھے یہ رنگ بالکل پسند نہیں ہے اور اپنی جیولری واپس پہن لو' یں پاپ کے سامنے جانا ہے' یوں افسردہ پاپ کے سامنے جانے سے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ ہمارے اور تمہارے بیچ کچھ نہیں ہے“۔ اس نے بہت غصے سے پلو اٹھا کر دوبارہ بیڈ پر پھینکا تھا۔ اس نے اشمل کو بڑے غور سے دیکھا اور سر جھکائے مڑ گئی تھی' دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے ڈائننگ ہال کی طرف آئے تھے۔

”ویلکم مائی سن ویلکم“۔ وہ دادی کی جانب جھکا تھا۔ صبا ہنس کر چائے کے کپ بنا رہی تھیں۔ ولید کی نظریں روی کے چہرے سے نہیں ہٹ رہی تھیں' یوں لگ رہا تھا کہ وہ سطر سطر پڑھ رہے ہوں جیسے۔ صبا نے بہت غور سے ولید حیدر کو پلٹ کر دیکھا اور بولیں۔

”کیا تم ہماری بیٹی کو نظر لگا رہے ہو......؟“ تب روی کو ولید کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی تھی۔

”تم آج اس کی نظر اتار دینا بہت خوبصورت لگ رہی ہے میری بیٹی' میں نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا ای کہ سعیدہ کی بیٹی ہمارے گھر شہزادی بن کر آ جائے گی“۔

”اشمل! تم بہت خوش قسمت ہو کہ تمہیں روی ملی“۔ دادی بولی تھیں۔

”ولید! ہم خود خوش قسمت ہیں کہ ہمیں روی جیسی بیٹی مل گئی اور یہ ہماری تنہائیوں کو دور کر دے گی' جب تم ملک سے باہر ہو گے تو یہ میرا ساتھ دے گی میرے پاس رہے گی' کیوں روی......؟“ صبا نے جھک کر اسے پیار کیا تھا لیکن اس کے خاموش ہونٹوں پر کوئی تلاطم نہیں تھا' وہ کوگموں کیفیت میں ہاتھ میں کپ تھامے سپ لے رہی تھی۔ ابھی تک وہ سر جھکائے ان کے درمیان بظاہر بیٹھی تھی ایک پل میں اس کے سارے خواب سراب بن گئے تھے' اشمل پر ملال سا بیٹھا اس کی سمت دیکھ رہا تھا' اشمل کے آخری الفاظ کی بازگشت روی کے اردگرد گونج رہی تھی۔ کیسی بے خودی اس کے ساتھ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آئی تھی اس کے آنے سے ٹیبل پر ولید کو یوں لگ رہا تھا کہ اردگرد نور کا ہالہ سا پھیل گیا ہو جیسے۔ کھوئے کھوئے انداز میں سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی' ولید حیدر کی نظروں میں سعیدہ کا عکس بار بار روی کے چہرے میں نظر آ رہا تھا' کبھی وہ چائے دے رہی ہے کبھی وہ ہنس رہی ہے آج سعیدہ کی بیٹی ان کے سامنے بیٹھی تھی۔

”بھئی روی! بہت تھکی تھکی لگ رہی ہے اب اس کو جانے دیں تاکہ وہ آرام کر سکے“۔ صبا نے ان کی سوچوں کا حصار توڑ دیا تھا' انہوں نے برابر میں بیٹھی ساس کو دیکھا' کتنی محبت کرنے والی اور شفیق سی نرم لہجے میں بولنے والی ساس تھیں' اس نے آہستہ سے اشمل کی طرف نظریں اٹھائیں تو وہ سر جھکائے ٹوسٹ کو کاٹنے اور چھری سے کاٹ رہا تھا' روی کو نظر اٹھا کر دوبارہ اس نے دیکھا' ریڈ دوپٹہ سر پر' چہرہ انار کی طرح دہک رہا تھا' ہونٹوں پر ریڈ لپ اسٹک اور رات کا مسلا ہوا کاجل آنکھوں میں' ہم رنگ میچنگ اور ریڈ کندن کے سیٹ میں اس کا چہرہ نور کا ہالہ لگ رہا تھا۔

”سب کچھ ہے تمہارے پاس لیکن میرا دل تمہارے لئے نہیں ہے تم خوبصورت ہو اور حسین ہو' تم جسے چاہو خرید لو مگر اشمل بکاؤ مال نہیں ہے اور نہ ہی محبت اتنی آزردہ ہے کہ میں ایک پل میں تمہاری طرف جھک جاؤں“۔ وہ آہستہ سے اٹھی تو غیر ارادی طور پر اشمل کے ہاتھوں کا لمس اسے محسوس ہوا اسے لگا جیسے اس کے ریڈ آنچل کو آگ کے دہکتے شعلے نے تھام لیا ہو' اس کا اٹھتا ہوا آنچل اشمل کے بازو سے لپٹ گیا تھا' اس نے پلٹ کر کھڑے ہوتے ہوئے روی کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ روی کے آنچل نے ایک پل کے لئے اس کی راہ روک لی تھی۔

”سوری......“ بہت مدھم سرگوشی سے اس کے ہونٹ ہلے تھے۔ اشمل کا دل چاہا تھا کہ اس وقت اس سرخ دوپٹے کو لپیٹ کر کہیں دور پھینک دے یا جلا دے مگر وہ بڑی بے بسی سے ولید حیدر کو دیکھ کر مسکرا پڑا تھا تو ولید حیدر بھی مسکرا رہے تھے' اشمل نے مصنوعی مسکراہٹ سے جھینپ کر اپنا رخ پھیر لیا اور وہ نظریں جھکائے جانے کے لئے مڑی تھی۔

”کس سمت جاؤں کس روم میں پناہ لوں“۔ صبا اس کی کیفیت کو بھانپ گئی تھیں۔

”کیا سوچ رہی ہو بیٹیا! اب وہ اشمل کا روم نہیں ہے تمہارا بھی ہے تم دونوں کا ہے تم اجنبی سی ادھر ادھر کیوں دیکھ رہی ہو اشمل جاؤ اس کو لے کر روم میں جاؤ“۔

”جی مام......“ وہ آگے بڑھا اور روی اس کے پیچھے دو قدم بعد آہستہ سے چلی تھی۔

”آیئے......“ اشمل نے روم کا دروازہ کھول دیا تھا۔

”آیئے اندر تشریف لایئے...... یہی خواب تھے نا آپ کے...... خوابوں کے سہارے روی کوئی نہیں جی سکتا' تمہیں کب اور کیسے کس پل یہ خوش فہمی ہو گئی کہ میں تم سے شادی کر سکتا ہوں“۔ روی کے ہاتھ میں تھاما ہوا دوپٹہ پھسل کر گر گیا تھا' وہ ایک ٹک اشمل کو دیکھے جا رہی تھی' اشمل کی آنکھوں میں کتنی اجنبیت تھی وہ نگاہیں جھکائے ہوئے روی سے پوچھ رہا تھا اور اس کی ہمت جواب دے گئی تھی وہ چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے پر مجبور تھی۔

”مجھے کبھی کسی لمحے خوش فہمی کا خواب نہیں اتر اپتہ نہیں آپ کن خوابوں کی بات کر رہے ہیں' مجھے جب ادراک ہوا بہت دیر ہو چکی تھی میں تبھی آپ کی رضا سے سب ہو رہا ہے' اگر یہ سب آپ کی مرضی کے بغیر ہو رہا تھا تو آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا......؟“ اس نے چپ کے تالے توڑ دیئے تھے' ہونٹ جو ہر وقت بلاوجہ مسکراتے تھے' خوش لگ رہے تھے آنکھیں اشمل کے چہرے پر ٹک کر رہ گئی تھیں' اشمل نے گھبرا کر اپنا رخ دوسری جانب کر لیا اور پھر پلٹ کر اس کی جانب بڑے سخت لہجے میں بولا تھا۔

”پاپ کی...... یہی خواہش تھی“۔

”اور آپ کی خواہش کیا کوئی معنی نہیں رکھتی تھی“۔

”میں پاپ کی بات کو نہیں ٹال سکتا تھا“۔

''باپ کی بات......؟ کیا میری زندگی کے کوئی معنی نہیں''۔ وہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''تم نے ایسا کرنے پر سب کو مجبور کر دیا تھا''۔

''میں نے اشمل! میں نے......؟'' جیسے وہ طوفان کے دہانے پر آ کر کھڑی ہو گئی ہو۔ وہ چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

''ہاں تم نے...... ہر شخص کی زبان پر تمہارا نام تھا روی تم نے محبت کا جو کھیل کھیلا تھا اس کا رنگ تھا' حتیٰ کہ تم اس گھر کے جانوروں سے بھی محبت کرتی ہو' تم نے ہماری شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا''۔ وہ غصے سے جلبلا کر بولا۔

''اشمل! تم ایسا کیسے سوچ سکتے ہو ہرگز نہیں''۔ وہ ایکدم سے سنجیدہ ہو گئی۔

''کیوں...... یقین نہیں آ رہا کہ میں ایسا بھی تمہیں ریڈ کر سکتا ہوں' آؤ ادھر آؤ اور میرے پاس بیٹھ کر مجھے غور سے سنو''۔ اس نے اس کا بازو پکڑا۔

''اشمل! مجھے ہاتھ مت لگانا تم''۔ وہ بہت مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

''ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے''۔ وہ عجیب سرد لہجے میں بولا۔

''میں غریب ضرور ہوں لیکن اتنی گری ہوئی عورت نہیں ہوں''۔

''یہ تمہارا اپنا خیال ہے تم نے مجھے حاصل کرنے کے لئے انسانی کیمسٹری کا ایک کھیل کھیلا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تم مجھے جان لو''۔ وہ بڑی اضطرابی کیفیت میں بولا تھا۔ اس کے لہجے میں طنز اور استہزا تھا وہ ایک دم سے سنجیدہ ہو گئی اور حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی' اس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہنے لگے' اشمل کی نگاہیں ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے سے ہٹ گئی تھیں۔

''روی! انسانوں کے وجود سے تم محبت نہیں ڈھونڈ سکتیں''۔

''نو اشمل! محبت ڈھونڈی نہیں جاتی' محبت خود ڈھونڈتی ہے''۔

''ماما ٹھیک کہتی ہیں چھوٹے گھروں میں رہنے والی لڑکیاں اونچے خواب دیکھتی ہیں''۔

''میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا''۔ رندھی ہوئی آواز میں بولی تھی' وہ ہونٹ سکیڑ کر درد سے چہرہ موڑ گئی تھی۔

''روی......'' اس نے پھر آہستہ سے اسے آواز دی تھی' وہ ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپائے سسک رہی تھی۔

''اب گھر میں ایک نیا تماشہ مت بناؤ' تم مجھے حاصل کرنا چاہتی تھیں نا تو تم نے کر لیا' میں ارج کا تھا اور اس کا ہوں بطور سنبل تم مجھے ایکسیپٹ کر لو آئی پرامس یو کہ تمہیں خوف زدہ ہونے کی مجھ سے ضرورت نہیں ہے' پاپ کا ایک خوف مجھ پر طاری تھا تو میں نے ان کی بات مان لی بٹ اٹ ناٹ مینس کہ تم میری محبت پا سکو گی''۔

''اشمل ایسا کچھ نہیں ہے''۔ وہ آنسوؤں سے رو رہی تھی۔

''میں آج ہی چلی جاتی ہوں''۔ وہ آنسو پونچھ کر بولی۔

''کہاں جاؤ گی......؟''

''جہاں سے آئی تھی تایا ابا کے گھر''۔

''تو پہلے یہاں کیوں آئی تھیں......؟'' اشمل نے بہت غور سے اس کو دیکھا' اس کے چہرے پر کیسی زردی چھا رہی تھی اور سرخ اور رنج کندھاری رنگ کا لباس اس کے چہرے کو گلنار کر رہا تھا' ایک پل میں مرجھا کر رہ گیا۔ سچے زرد کورل سونے کی چمک میں جیسے کھو گئے ہوں بڑے بڑے آویزاں بالیاں دوپٹے سے اٹک گئی تھیں' وہ بے بسی سے بار بار اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھی کیسا دکھ اور کیسا ملال تھا۔

''اب پھر تم ایک ڈرامہ کھیلنے جا رہی ہو ولید ہاؤس میں''۔ اشمل بڑی بے رحمی سے بولا تھا۔

''اب میں ایسا کیا کر رہی ہوں؟'' اس کا لہجہ مدھم مدھم تھا۔

''ظاہر ہے تم نے جو کیا ہے گرج تو اب ہو گی''۔

''ایسا میں نے کیا کیا ہے......؟'' وہ حیران ہوئی۔

''اب تمہیں تمہارا دوبارہ محبت کا وہی ڈرامہ میرے ساتھ کھیلنا ہے جو تم نے ولید ہاؤس میں کھیلا ہے' روی میں چاہتا تو تم سے یہ باتیں بھی چھپا سکتا تھا' لیکن میں نے ساری باتیں تم پر کلیئر کر دی ہیں' میری زندگی سے جانے کا تمہارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے' میں اتنا بے بس اور مجبور ہو گیا تھا' اگر تمہارے اندر تھوڑا سا بھی احساس ہوتا روی تم اس شادی سے انکار کر سکتی تھیں' میں نے صرف اور صرف اپنے پاپ کے کہنے پر شادی کی ہے''۔

''میں نے بہت احتجاج کیا تھا دادی سے کہ آپ اشمل سے پوچھ لیں' ماموں کیوں ایسا کر رہے ہیں' اشمل خود ایسا چاہتا ہے دادی نے مجھے یہی بتایا تھا' اتنی ذلت مت دو اشمل! یہ سب کچھ تمہارا ہے' میرا کچھ بھی نہیں''۔ وہ بامشکل ضبط کر کے بولی تھی۔

''اور میں کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ تمہارا ہے لیکن میں تمہارا نہیں ہوں''۔ وہ سخت لہجے میں گردن اکڑا کر بولا تھا۔ وہ بے بسی کی تصویر بن کر اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''اچھا اشمل! میں آج ہی ولید ہاؤس چھوڑ دوں گی''۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی اس کا سرخ اور رنج دوپٹہ زمین پر گر گیا تھا' چہرہ سرخ تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ رہی تھیں۔

''اس کھیل کا ایک ایک لمحہ چکا کر تمہیں رہائی ملے گی' بھول جاؤ تم خود کو اور اب تم نے خود غرضی کا لبادہ دوبارہ اتارا تو پتہ ہے کیا ہو گا؟'' وہ بہت غصیلے انداز میں اس کی جانب بڑھا تھا' وہ سہم کر دیوار سے جا لگی۔ اس نے شیلف سے ریوالور نکال کر دیکھا تھا۔

''اشمل پلیز......'' وہ سہم کر اس کی جانب لپکی تھی۔

''یہ ادائیں' یہ محبتیں تم ارسلان کے لئے رکھو جو بڑی حسرت کی تصویر بنا دیکھ رہا تھا''۔

''نہیں اشمل! ایسا کچھ بھی نہیں ہے''۔

''اگر ایسا ہے بھی تو مجھے فرق نہیں پڑتا' جیسے میں ارج کا ہوں' تم کسی اور کی ہو سکتی ہو مگر بظاہر تم میری ہو''۔ وہ بہت زور سے چیخنا چاہتی تھی' لیکن چیخ نہ سکی' سہم کر جھک کر دوپٹہ اٹھا کر بالکل ساکت کھڑی ہو گئی۔

''میں ایسی لڑکی ہرگز نہیں ہوں اشمل!''

''مجھے نہیں معلوم کہ تم کیسی لڑکی ہو بس میں جانتا ہوں کہ تم میری زندگی کا حصہ نہیں ہو پلیز روی...... وہ جھوٹے کھیل تھے جو میں تم سے شیئر کرتا تھا لیکن تم ایزل کو سیڑھی بنا کر آسمان تک پہنچنا چاہتی تھیں اور پہنچ بھی گئی ہو' لیکن اترنا اب اتنا آسان نہیں ہے اور نہ ہی تمہارے بس میں ہے' تم اپنے آنسو پونچھ لو' مجھے بڑی وحشت ہو رہی ہے ان آنسوؤں سے۔ مجھے ہی نہیں تمہارے اس معصوم چہرے نے میرے پاپ میری دادی سب کو دھوکا دیا ہے۔ بس اب کوئی جواز دینے کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔ میری ساری ضروریات پوری میرے پاپ کرتے ہیں۔ اب تم بھی اس زندگی کا ایک حصہ ہو لیکن میری زندگی کا حصہ نہیں بن سکتیں''۔ یہ سب سن کر روی بت بنی کھڑی تھی۔ گرم ہواؤں کی تپش بڑھ گئی تھی۔

(جاری ہے)

ثناء

مکمل ناول

محبت جیت جائے گی

''لوہو۔۔۔۔ ماما! کیا ہوگیا ہے آپ کو۔۔۔؟ کیوں خود کو اتنی ٹینشن میں ڈال رہی ہیں۔۔۔؟'' وہ تیسری بار ماں کو تسلی دے چکا تھا لیکن وہ اسے خود سے دور کرنے کے لئے کسی صورت تیار نہیں تھیں۔

''لیکن میرے بچے۔۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' تمہیں تو کبھی خود اپنے ہاتھ سے پانی کا گلاس تک نہیں لینے دیا' وہاں جا کر تم کیسے کرو گے اپنے سارے کام۔۔۔۔؟ تمہیں تو ایک پل کے لئے بھی کبھی اپنے آنکھوں کے آگے سے اوجھل نہیں ہونے دیا تم ہی مجھے بتاؤ میں کیسے جی پاؤں گی تمہارے بغیر''۔ وہ مسلسل روئے جا رہی تھیں اور اسے خود سے دور کرنے کے لئے کسی صورت نہیں مان رہی تھیں۔

''میری سویٹ سی ماما جانی! ادھر بیٹھئے''۔ اس نے ماں کو کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا اور خود فرش پر ان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

''مجھے ایک بات بتائیں اگر میں آپ کا بیٹا نہیں بلکہ بیٹی ہوتا اور رخصت کر کے سسرال بھیجنا ہوتا تب آپ پتا نہیں کتنا روتیں' رو تو آپ ایسے رہی ہیں جیسے اپنے بیٹے کو اسٹڈی کے لئے نہیں بلکہ اپنی بیٹی کو رخصت کر کے سسرال بھیج رہی ہیں''۔ وہ اپنی ایسی ہی باتوں سے اپنی ماں کو مسکرانے پر مجبور کر دیتا تھا' اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا' اس کی ماں کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔





⁂

تیمور خان اپنی چھوٹی سی فیملی کے ساتھ انگلینڈ میں مقیم تھے ان کا اپنا بزنس تھا ان کا شمار امیر کبیر گھرانوں میں ہوتا تھا' ان کی شریک حیات آسیہ خان بھی بہت اچھی خاتون تھیں' انہوں نے ہر اچھے برے حالات میں شوہر کا ساتھ دیا' تیمور خان پلے بڑھے تو پاکستان میں ہی تھے ان کے ایک بھائی اور ایک بہن تھیں' تیمور خان' بہن بھائی دونوں سے چھوٹے تھے' بچپن میں ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ باپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کی فیملی نے غربت و افلاس کی زندگی گزاری۔ تیمور خان کی پڑھائی مکمل ہوئی تو ان کے بھائی احسان خان نے ان سے آنکھیں پھیر لیں اور ساری جائیداد پر خود قابض ہو گئے اور تیمور خان کو گھر سے نکال دیا۔ تیمور خان اپنے دوست کے پاس گئے اور انہیں سب کچھ بتایا' ان دونوں کی دوستی بچپن سے چلی آ رہی تھی' دونوں دوست ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے' ان کے دوست سے ان کی افسردگی کسی صورت بھی برداشت نہیں ہو رہی تھی وہ تیمور خان کو اپنے ساتھ انگلینڈ لے گئے اور وہاں انہیں اپنے بزنس مین جگہ دی' تیمور خان نے خوب محنت کی اور آہستہ آہستہ اپنا الگ بزنس شروع کر لیا' تیمور خان نے اپنے بزنس کو بہت جلد ترقی کی راہ پر گامزن کر لیا' ان کے دوست ان کی ترقی پر خوش تھے' جب تیمور خان اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے تو ان کے دوست نے تیمور خان کی شادی اپنی چچا زاد بہن آسیہ سے کروا دی' شادی کے دو سال بعد اللہ نے تیمور خان کو عماد کی شکل میں ایک نیک اور صالح بیٹے سے نوازہ' وہ اللہ کی طرف سے اس تحفے کو پا کر بہت خوش تھے' عماد' والدین کا اکلوتا بیٹا تھا وہ اپنی ماں سے ماں بیٹے کا رشتہ کم اور دوستی کا رشتہ زیادہ اچھا سمجھتا تھا اور اسی رشتے کو ترجیح دیتا تھا' وہ اپنی ماں کو اپنی دوست سمجھ کر ہر بات ان سے شیئر کرتا' یہی وجہ ہے کہ اسے کبھی کسی اور سہارے کی اور کبھی کسی دوست کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اکلوتا ہونے اور اتنا پیسہ ہونے کے باوجود عماد نہایت مخلص اور صالح اور مذہب سے گہرا لگاؤ رکھنے والا انسان تھا۔

⁂

''عماد بیٹا''۔ وہ عماد کو آواز دیتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

''اگر ماں بیٹے کے لاڈ پیار ختم ہو گئے ہوں تو چلیں فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے''۔ انہوں نے مسکرا کر ماں' بیٹے کی طرف دیکھا۔

''او کے ماما جانی! اب میں چلتا ہوں''۔

''او کے بیٹا! پہنچ کر فون کر دینا' اپنا ڈھیروں خیال رکھنا' کھانا بھی وقت پر کھانا''۔ آسیہ بیگم آنکھوں میں آنسو لئے اسے نصیحتیں کر رہی تھیں۔

''او کے باس! ہر بات پر عمل ہوگا''۔ اس نے مسکرا کر ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''چلیں بابا جانی''۔ وہ سامان اٹھائے باپ کے ساتھ گاڑی کی طرف بڑھا۔ ایئر پورٹ تک پہنچتے ہوئے تیمور خان نے اسے کچھ باتیں بتائیں۔

''پاکستان ایئر پورٹ پر واجد صاحب کا بیٹا تمہیں ریسیو کر لے گا''۔

''او کے بابا! فلائٹ کی اناؤنسمنٹ ہو گئی ہے مجھے جانا ہوگا''۔

''او کے بیٹا! اپنا خیال رکھنا''۔ تیمور خان بیٹے کو رخصت کر کے گھر واپس چلے آئے۔

⁂

''امی......'' ان دونوں بہنوں نے ماں کو ڈرتے ڈرتے آواز دی۔

''کیا ہے......؟'' سعیدہ بیگم کے کرخت لہجے پر وہ دونوں سہم گئیں لیکن پھر حوصلہ جمع کر کے اپنا مدعا بیان کیا۔

''امی......ہم دونوں آگے پڑھنا چاہتی ہیں''۔ دونوں نے التجائیہ انداز میں ماں کی طرف دیکھا۔

''کیوں...... جتنا پڑھ لیا وہ کم ہے کیا......؟ اور گھر کا کام کس نے کرنا ہے......؟ تمہارے باپ نے مجھے نوکر تو رکھ کے نہیں دیئے''۔ وہ دونوں سہم گئیں۔

''چلی جاؤ میرے کمرے سے اور جا کر اپنا کام کرو' کوئی اس گھر میں پڑھائی کا نام نہیں لے اور ویسے بھی تم لوگوں نے پڑھ کے کرنا بھی کیا ہے گھر کا کام ہی تو کرنا ہے''۔ وہ دونوں افسردہ سی اپنے کمرے میں آ گئیں۔ نیہا تو کمرے میں آ کے بہت روئی۔

''حائقہ اپیا! مجھے ایک بات بتائیں اگر ہماری امی زندہ ہوتیں تو وہ کبھی ہمیں ایسے کہتیں......؟'' حائقہ نیہا کو چپ کرواتے کرواتے خود بھی رونے لگی۔

''تم چپ کرو' ہم پاپا سے بات کریں گے مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی بھی انکار نہیں کریں گے''۔ حائقہ نے روتے ہوئے نیہا کو گلے سے لگا لیا۔

⁂

وہ لاہور ایئر پورٹ پر پہنچا تو احمد اسے لینے آیا' وہ احمد کا حلیہ دیکھ کر بہت حیران ہوا' لمبے بال' سلیولیس شرٹ' ٹائٹ جینز' بازو میں بریسلیٹ پہنے ہوئے وہ اسے بہت عجیب لگا تھا۔ عماد نے اس ٹائم ایک پختہ ارادہ کیا اور اس کے ساتھ ہو لیا' دونوں نے رستے میں کافی باتیں کیں اور اس طرح ایئر پورٹ سے گھر تک کا سفر طے ہونے کا احساس نہیں ہوا' گھر پہنچ کر وہ سب سے ملا' سب نے پر جوش انداز میں اسے ویلکم کیا اور وہ بھی اتنی مہمان نوازی پر بہت خوش تھا۔ واجد علی ایک اعلیٰ بزنس مین تھے' پاکستان میں واجد انٹر پرائز کے نام سے انہوں نے بزنس کی ابتداء کی اور دیکھتے ہی دیکھتے انہیں بہت عروج ہوا اور اب دوسرے ممالک میں بھی ان کا بزنس پھیلا ہوا تھا۔ ان کی جیون ساتھی نائلہ بیگم بہت نیک خاتون اور نہایت مہمان نواز بھی تھیں' واجد علی کو اللہ نے دو بچوں سے نوازہ' بڑا بیٹا احمد اور اس سے سات سال چھوٹی سنال' واجد علی سے چھوٹے ابرار علی تھے جو کہ ایئر فورس میں تھے' انہیں اللہ نے دو بیٹیوں اور ایک بیٹی سے نوازہ' بڑا بیٹا عمر' اس سے چھوٹی ماہ نور اور اس سے چھوٹا عامر لیکن ماہ نور اپنی فیملی کے ساتھ زیادہ دیر نہ رہ سکی اور اللہ نے اپنی اس امانت کو واپس لے لیا' اب ابرار علی کے دو بیٹے تھے۔

⁂

''ٹھک ٹھک''۔ دونوں بہنوں نے باپ کے کمرے کا دروازہ ناک کیا۔

''آ جاؤ......'' احسان خان نے بیڈ پر لیٹے لیٹے کہا۔ انہوں نے جیسے ہی دروازہ کھولا احسان خان تھوڑا حیران ہوئے کیونکہ وہ کبھی بھی ان کے آرام کے ٹائم ان کے کمرے میں نہیں آتی تھیں۔

''آ جاؤ بیٹا! خیریت تو ہے نا......؟'' احسان خان نے تشویش سے پوچھا۔

''پاپا! ہم آپ سے کچھ بات کرنے آئے ہیں' لیکن پلیز آپ انکار مت کیجئے گا''۔ دونوں بہنوں نے التجائیہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

''ہاں بولو بیٹا! کیا بات ہے......؟'' احسان خان نے اپنی دونوں بیٹیوں کو پیار سے اپنے پاس بٹھایا۔

''پاپا! ہمیں آگے پڑھنا ہے' ہم یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتے ہیں''۔ حائقہ نے اپنا مدعا بیان کیا۔

''تو آپ لوگوں نے اپنی ماں سے پوچھا......؟ وہ کیا کہتی ہیں اس بارے میں......؟'' احسان خان نے دونوں

کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پاپا! آپ انہیں چھوڑیں وہ تو کبھی ہمارا اچھا چاہیں گی نہیں اب ان کا اپنا بیٹا جو نہیں پڑھا تو ان سے کیسے ہضم ہو گا کہ ہم آگے پڑھیں' وہ ہمیں آگے بڑھتے ہوئے بھلا کیسے دیکھ سکتی ہیں"۔ نیہا سسک سسک کے باپ کو سب بتا رہی تھی اور حائقہ اس کے پاس کھڑی مسلسل اسے دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں بھی آنسو لڈ آئے۔

"کیا ہوا بیٹا! کچھ کہا اس نے تم دونوں کو۔۔۔۔؟" احسان خان نے پریشانی سے پوچھا۔

"پاپا! وہ آپ کے سامنے ہمارے ساتھ جیسا رویہ رکھتی ہیں آپ کی غیر موجودگی میں بالکل ہی الٹ ہوتا ہے سب۔ چھوٹی چھوٹی بات پر ایسے ڈانٹتی ہیں جیسے ہم اس گھر کی عزت نہیں بلکہ ان ماں بیٹے کی زر خرید غلام ہیں"۔ اب تو دونوں بہنیں تواتر سے آنسو بہا رہی تھیں اور احسان خان اپنی بیٹیوں کے اتنے صبر پر خود حیران تھے کہ وہ کیسے سب کچھ چپ چاپ برداشت کر رہی ہیں جو ذرا سی بات پر پورا گھر سر پر اٹھا لیتی تھیں۔ انہوں نے دونوں بیٹیوں کو چپ کروایا اور انہیں آگے پڑھنے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی اجازت دے دی اور خود باہر نکل گئے۔ اگلے دن وہ جب گھر لوٹے تو ان کے ہاتھ میں دو فارم تھے' جب حائقہ اور نیہا نے دیکھے تو دونوں بہت خوش ہوئیں لیکن سعیدہ بیگم نے گھر میں نیا ہنگامہ شروع کر دیا' دوسری طرف شہزاد نے بھی ماں کا ہی ساتھ دیا۔

"ابو جی! کیا ضرورت ہے انہیں پڑھانے کی۔۔۔۔؟ آرام سے گھر بیٹھیں"۔

"تم چپ رہو تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے بولنے کی' میں نے تو تمہیں بھی پڑھانے کا سوچا تھا لیکن تمہیں تو اپنی فضول حرکتوں اور آوارہ دوستوں سے فرصت ملے تو کچھ کرو اور ہاں میرے اور میری بیٹیوں کے معاملے میں تم ماں بیٹے کو بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں ان کے اچھے کے لئے ہی کروں گا جو بھی فیصلہ کروں گا"۔ وہ غصے میں بولے۔

◆------☆------◆

عماد نے صبح اٹھ کر نماز پڑھی اور قرآن مجید پڑھنے کے بعد اپنی کامیابی کے لئے ڈھیروں دعائیں مانگیں پھر اٹھ کر نہانے چل دیا۔ ابھی نہا کے نکلا ہی تھا کہ اس کے موبائل کی بیپ ہوئی اور موبائل کی اسکرین پر بابا کا نمبر دیکھ کر اسے کچھ یاد آیا۔

"اوہ۔۔۔۔ شٹ ماما کو فون کرنے کا یاد ہی نہیں رہا"۔ اس نے جلدی سے کال ریسیو کی۔

"ہیلو۔۔۔۔ بابا جانی! کیسے ہیں آپ۔۔۔۔؟" اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"واہ بیٹا جی۔۔۔۔ آپ تو پاکستان جا کر اپنے پیرنٹس کو بھول ہی گئے"۔ انہوں نے بیٹے کو مسکراہٹ میں چھپا ہوا طنز کیا۔

"سوری بابا! وہ ایکچوئلی کل بہت تھک گیا تھا' تھوڑی دیر انکل اور آنٹی کی فیملی سے باتیں کر کے سو گیا ابھی اٹھا ہوں تھوڑی دیر پہلے"۔ اس نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

"اوکے بیٹا جی! کیسی لگی ابرار کی فیملی۔۔۔۔؟"

"بابا جانی سب لوگ بہت اچھے ہیں بہت محبت کرنے والے اور بہت ملنسار' خاص طور پر انکل کی تو بات ہی کچھ اور ہے"۔ وہ بہت خوش تھا۔

"بابا جانی! ماما سے کہیے گا کہ بالکل بھی پریشان نہ ہوں میں بہت خوش ہوں پاکستان آ کر' سب لوگ یہاں کے بہت اچھے ہیں' لیکن بابا مجھے ایک بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی"۔ وہ تشویش سے بولا۔

"وہ کیا بیٹا۔۔۔۔؟" تیمور خان نے پریشان ہوتے ہوئے بیٹے سے پوچھا۔

"بابا جانی! انکل اور سب لوگ نماز کے بہت پابند ہیں مجھے اپنے گھر جیسا ماحول یہاں پا کر بہت خوشی ہوئی لیکن احمد ان سب سے ہی الگ الگ سا ہے' حلیہ بھی عجیب سا ہوتا ہے اس کا اور نماز قرآن کی طرف تو دھیان بالکل بھی نہیں آتا اس کی کیا وجہ ہو گی۔۔۔۔؟" اس نے باپ سے پوچھا۔

"بیٹا جی وہ ایسا ہی ہے اب وجہ تو میں بھی نہیں جانتا لیکن کوئی بات تو ہو گی"۔ انہوں نے کہا۔

"اور میں یہ وجہ ہر حال میں معلوم کر کے رہوں گا"۔ اس نے پریقین لہجے میں کہا۔

"اچھا جی اور آج کل کیا کر رہے ہو۔۔۔۔؟" تیمور خان نے بیٹے سے پوچھا۔

"آج تو یونیورسٹی جانے کی تیاری ہو رہی ہے' میں اور احمد جائیں گے"۔ اس نے بتایا۔

"اوکے بیٹا بیسٹ آف لک اپنا خیال رکھنا"۔ یہ کہتے ہی فون بند کیا۔ اور کچھ دیر آنکھیں بند کر کے بابا کی باتوں کو سوچنے لگا اور دھیرے سے مسکرا دیا اتنے میں کمرے کا دروازہ ناک کر کے احمد اندر چلا آیا۔

"جناب یونیورسٹی جانے کا ارادہ ہے یا یونہی مسکرا کر ہی سارا دن گزار لو گے' بائے دا وے یہ مسکرایا کیوں جا رہا ہے خیریت۔۔۔۔؟" احمد نے ایک آنکھ ذرا بند کر کے اس کی طرف دیکھا اور اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"کچھ نہیں یار! اپنا دماغ سیدھی طرح ہی چلایا کرو' الٹی باتوں کی طرف تو بڑی جلدی گھوم جاتا ہے"۔ عماد نے اس کے ایک چپت رسید کی۔

"بابا کی کال آئی تھی ابھی' ان سے بات کر کے مسکرا رہا تھا' تمہیں کوئی اعتراض۔۔۔۔؟" اس نے مصنوعی غصے میں پوچھا۔

"نہیں جی! ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے' ویسے اگر یونیورسٹی کے لئے لیٹ ہو گئے تو پھر جاتے ہی لمبی لائن میں کھڑے ہونا پڑے گا پھر کبھی دھکا لگ کے دو قدم آگے ہوں گے اور آگے سے دھکا لگ کے چار قدم پیچھے ہو جائیں گے پھر کسی سے تھپڑ لگنے کا بھی اندیشہ ہو گا تب مجھے جناب بہت اعتراض ہو گا"۔ احمد نے اسے وارن کیا تو عماد زور سے ہنسنے لگا۔

پھر وہ دونوں اپنے اپنے ڈاکومنٹس لئے کمرے سے باہر نکلے تو نائلہ بیگم نے دونوں کو ڈھیروں دعائیں دیں اور ان دونوں کے جانے کے بعد احمد کے لئے اسپیشلی دعا کرنے لگیں۔

"اللہ پاک! اسے بھی عماد کی طرح سلجھا ہوا بنا دے' احمد اپنے ماضی کو بھلا کر عماد کی طرح اسلامی اصولوں کو اپنا لے اس کو نماز روزے کا پابند بنا دے"۔ وہ ڈھیروں دعائیں کرنے کے بعد کچن میں چلی آئیں۔

◆------☆------◆

اکبر خان زمینوں اور جائیداد کے اکلوتے وارث تھے' تیس سال کی عمر میں زبیدہ خان ان کی شریک حیات بن کے ان کی زندگی میں چلی آئیں۔ اکبر خان اور زبیدہ خان کو اللہ نے دو بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا۔ بڑی بیٹی تو بیاہ کے اپنے گھر کی ہو گئی اور خوش و خرم زندگی گزارنے لگی' ان سے چھوٹے احسان خان تھے' احسان خان جب پیدا ہوئے تو پورے خاندان میں خوشیاں منائی گئیں کیونکہ وہ خاندانی جائیداد کے پہلے وارث تھے پھر ان سے آٹھ سال چھوٹے تیمور خان جو کہ نہایت ناپید از نیک اور صالح تھے تیمور خان جب دو سال کے تھے تو ان کے والد انہیں چھوڑ کر اللہ کے پاس پہنچ گئے۔ احسان خان کی شادی نازیہ بیگم سے ہوئی' اللہ نے انہیں حائقہ اور نیہا کی شکل میں دو پریوں سے نوازا' دونوں نیک سیرت تھیں وہ اللہ کا جتنا شکر ادا کرتے کم تھا' تیمور خان کی پڑھائی مکمل ہونے تک احسان خان نے ان سے آنکھیں پھیر لیں اور خود ساری جائیداد کے مالک بن بیٹھے اور تیمور خان کو گھر سے نکال دیا' ان کی ماں بیٹے سے

جدائی کے غم میں سسک سسک کر مر گئیں' اللہ پاک نے لالچ اور پیسے کی ہوس کو ناپسندیدہ فرمایا ہے جب حائقہ چھ سال کی اور نیہا چار سال کی تھی تب نازیہ بیگم دار فانی سے کوچ کر گئیں احسان خان کی تو کمر ٹوٹ گئی پھر انہوں نے بچیوں کی دیکھ بھال کے لئے سعیدہ بیگم سے شادی کر لی لیکن سعیدہ بیگم کا رویہ شروع سے ہی دونوں بچیوں کے ساتھ ٹھیک نہیں تھا' پھر سعیدہ بیگم اور احسان خان کو اللہ نے شہزاد کی شکل میں ایک بیٹا دیا لیکن وہ اس کی تربیت ٹھیک سے نہیں کر پائے اور شہزاد بگڑتا چلا گیا اور پڑھائی کی طرف دھیان دینے کے بجائے برے دوستوں میں بیٹھ کے برائیوں کا شکار ہو گیا۔ وہ سارا پیسہ برے کاموں میں اڑانے لگا' ان کے بڑھاپے کے سہارے نے انہیں وقت سے پہلے ہی بوڑھا کر دیا۔ سعیدہ بیگم کے رویئے کا پہلے تو احسان خان کو پتا نہیں چلا لیکن پھر نیہا کے بتانے پر انہیں ساری حقیقت معلوم ہوئی تو انہوں نے حائقہ اور نیہا کو ہاسٹل چھوڑنے کی ٹھان لی۔

☆

''ویسے عماد یار! یہاں سب سے مشکل کام لائنز میں لگ کے سارا دن کھڑے رہو پھر کہیں جا کر فارم جمع ہوتے ہیں''۔ احمد نے یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہوئے اس سے کہا۔

''ویسے مجھے ایک بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ لوگ تو اسٹڈی کے لئے فارن کنٹریز جاتے ہیں اور تم ادھر پاکستان میں چلے آئے کیوں......؟'' احمد نے پرسوچ انداز میں پوچھا۔

''بس یار! کبھی پاکستان آیا جو نہیں تھا' بابا سے اس ہوم لینڈ کی باتیں سن سن کے میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں پاکستان جاؤں یہاں کے لوگوں سے ملوں میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہاں کے لوگ کیسے ہیں' یہاں آ کے مجھے بہت خوشی ہوئی کہ یہاں کے سب لوگ کتنے مہمان نواز ہیں' وہاں انگلینڈ میں تو لائف بہت چینج ہے' کسی کو کسی کی خبر نہیں کہ کون کیا کر رہا ہے......؟ کہاں جا رہا ہے''۔ وہ آنکھوں میں کچھ اداسی کچھ مسکراہٹ لئے بول رہا تھا۔

''زیادہ اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے چلو فارم جمع ہونے شروع ہو گئے ہیں''۔ احمد فوراً بولا۔ جب تک وہ پہنچے کافی لمبی لائن لگ چکی تھی اور احمد کے کہنے کے مطابق انہیں اس لائن میں کھڑا ہونا پڑا۔ گرمی کی شدت اوپر سے دھوپ میں لائن میں کھڑے ہونا تو عماد کو بہت مشکل لگ رہا تھا وہ اور احمد کینٹین کی طرف گئے وہاں پڑے ٹیبل کی سائیڈ پر رکھی ہوئی چیئرز پر بیٹھ گئے اور کوک پینے لگے اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

اچانک عماد کی نظر سامنے اٹھی تو دوبارہ پلٹنا ہی بھول گئی' سامنے وہ بلیک ہاف سلیوز والے سوٹ میں پنک دوپٹہ اوڑھے اسے بہت بھائی تھی لیکن وہ کافی دور تھی مگر ادھر ہی آ رہی تھی احمد' عماد سے کوئی بات کرنے میں مصروف تھا مگر عماد اپنے خیالوں میں گم تھا۔

''یار وہ آئی...... وہ آئی...... وہ اسی طرف آ رہی ہے''۔ وہ خیالوں کی دنیا میں گم مسلسل یہی لفظ دہرائے جا رہا تھا۔ احمد نے اس کی طرف دیکھا تو حیران ہوا پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''او ہیلو مسٹر مجنوں...... کہاں گم ہو......؟'' احمد نے اس کے سامنے چٹکی بجائی تو وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آیا۔

''وہ آ نہیں رہی بلکہ وہ آ رہے ہیں''۔ احمد زور سے ہنسا۔

''وہ سامنے دیکھو آپ کی کوئی لیلیٰ نہیں آ رہی بلکہ ایک انکل اسی طرف تشریف لا رہے ہیں''۔ وہ سامنے دیکھ کر کچھ کھسیایا اور تھوڑا شرمندہ بھی ہوا لیکن پھر کچھ ہی منٹ بعد وہ فارم جمع کروانے پہنچ چکے تھے' اب رش تھوڑا کم ہو چکا تھا اور ان کے فارم جلدی جمع ہو گئے۔

☆

''حائقہ آپیا! کتنی دیر لگے گی یہاں......؟'' نیہا کا تو گرمی سے برا حال ہو رہا تھا پھر حائقہ نے تو اپنی بہن کو پھولوں کی طرح رکھا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کے حصے کا کام بھی ہمیشہ خود ہی کرتی تھی۔

''بس نیہا! تھوڑی دیر اور انتظار کر لو پلیز...... امید تو ہے کہ جمع ہو جائیں گے''۔ حائقہ نے بے بسی سے بہن کی طرف دیکھا۔ لڑکیوں کی قطار ابھی بھی کافی لمبی تھی اور وہ دونوں صبح نو بجے سے آئی ہوئی تھیں اور اب چار بج رہے تھے ہر جگہ سفارش چل رہی تھی اور اب بھی جن کے پاس سفارش تھی وہ فارم جمع کروا کے نکلتے جا رہے تھے اور جن کے پاس سفارش نہیں تھی وہ بے چارے گرمی میں کھڑے ہلکان ہو رہے تھے اور فارم جمع ہونے کی ٹائمنگ بھی ختم ہو رہی تھی۔ شام پانچ بجتے ہی یونیورسٹی آفس بند ہو گیا اور جو اسٹوڈنٹس رہ گئے تھے انہیں اگلے دن آنے کا کہا گیا۔ حائقہ اور نیہا بھی ان ناکام اسٹوڈنٹس میں شامل تھیں وہ واپس ہاسٹل آئیں جہاں آج صبح ہی ان کے بابا انہیں چھوڑ کے گئے تھے نیہا تو آتے ہی بستر پر ڈھے گئی حائقہ بھی کافی تھک گئی تھی۔

☆

اگلے دن عماد اور احمد دوبارہ یونیورسٹی آئے انہیں وہاں کوئی کام تھا' احمد اور عماد کی دوستی کافی گہری ہو چکی تھی اور وہ ہمیشہ جہاں بھی جاتے اکٹھے ہی جاتے تھے' یونیورسٹی میں عماد کو وہی لڑکی پھر نظر آئی' اس سے آگے کافی لمبی لائن تھی عماد کی مکمل کوشش تھی کہ کسی بھی طرح جا کر اس لڑکی کی مدد کرے' آخر کار اس سے رہا نہیں گیا اور احمد سے کہہ بیٹھا لیکن احمد نے پہلے تو کافی دیر اس کا مذاق اڑایا۔

''واہ جی واہ...... اتنی لمبی لائن میں جناب کو وہی ایک لڑکی ملی ہے ہیلپ کرنے کے لئے' خیریت تو ہے......؟ میں کل سے دیکھ رہا ہوں تمہاری حرکتیں کچھ عجیب وغریب سی نہیں ہو گئیں......؟'' احمد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ویسے یار! پاکستان میں جہاں باقی چیزیں مجھے بھائی ہیں وہاں ایک اور بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ یہاں حسن کی بھی کمی نہیں ہے حسن یہاں کے لوگوں میں وافر مقدار میں پایا جاتا ہے''۔ وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

''چلو یار! چلتے ہیں کسی کا بھلا ہی ہو جائے گا''۔ عماد نے احمد سے کہا۔

''کہاں گئی......؟ ابھی تو یہیں تھی''۔ عماد نے بے تابی سے چاروں اور نظر گھمائی۔

''ایک تو ہر دفعہ تجھ سے بات کرتے ہوئے وہ کھو جاتی ہے''۔ عماد نے مصنوعی غصے سے احمد کو دیکھا۔

''اچھا چلو بابا وہ اسی یونیورسٹی میں ہی آئے گی پھر کبھی دیکھ لینا فرصت سے' پھر تمہیں نہیں ڈسٹرب کروں گا''۔ احمد نے عماد کی بات کے جواب میں کہا پھر دونوں نے اپنا کام کیا اور گھر واپس آ گئے۔

☆

''عماد بھائی! اتنے دن ہو گئے آپ سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا' دو دن تو آپ کی تھکاوٹ ہی دور نہیں ہوئی پھر آپ یونیورسٹی کے کاموں میں مصروف ہو گئے شکر ہے کہ آج آپ فری ہیں' مجھے آپ سے ڈھیروں باتیں کرنی ہیں''۔ منال صبح صبح ہی عماد کے پاس آ دھمکی تھی اور نان اسٹاپ بولے جا رہی تھی۔ عماد اس کی بچوں والی حرکتیں دیکھ کے اور بچکانہ باتیں سن کے مسلسل مسکرائے جا رہا تھا' جبکہ احمد ابھی تک اٹھا نہیں تھا اور نائلہ بیگم عماد کے لئے ناشتہ بنا رہی تھیں۔

''اوکے پریٹی ڈول! چلو کرتے ہیں باتیں' میں بھی بزی رہنے کا عادی ہوں اور آج صبح سے سوچ رہا تھا کہ سارا دن کیسے گزرے گا یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آپ مجھے کمپنی دے رہی ہو اور دن اچھا گزر جائے گا اب تو''۔ عماد نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔

''عماد بھائی! ویسے ایک بات ہے آپ مجھے بہت اچھے لگے ہو' آپ احمد بھائی سے بہت ڈیفرنٹ ہو' احمد بھائی تو

اسلامی اصولوں کو اپنانے کی طرف آتے ہی نہیں‘ سب بہت کہتے ہیں لیکن وہ تو نہ کبھی نماز پڑھتے ہیں اور نہ قرآن مجید“۔ منال کچھ افسردہ سی ہوئی۔

”تو گڑیا! آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ان باتوں کو نہیں سمجھتے“۔ عماد بہت دلچسپی سے منال کے ساتھ اس ٹاپک پر گفتگو کرنے لگا۔

”پتہ نہیں...... میرے ساتھ تو وہ کوئی بات بھی شیئر نہیں کرتے“۔ وہ افسردہ سے لہجے میں بولی۔

”چلو اس بات کو چھوڑو اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اسے بھی اپنے جیسا بنا کے ہی واپس جاؤں گا“۔ عماد نے منال سے نرم اور پرعزم لہجے میں کہا۔

”چلیں ٹھیک ہے دیکھتی ہوں میں بھی کہ وہ آپ کی بات مانتے ہیں یا نہیں۔ اچھا چلیں اب مجھے اپنی فیملی اور انگلینڈ کے بارے میں بتائیں“۔ منال تو فل باتوں کے موڈ میں تھی کہ اتنی دیر میں نائلہ بیگم ناشتے کے لوازمات لئے چلی آئیں تو اسے خاموش ہونا پڑا۔

”لو بیٹا تم کس کی باتوں میں پھنس گئے ہو اب تمہاری جان اتنی جلدی چھوٹنے والی نہیں“۔ نائلہ بیگم نے مسکراتے ہوئے عماد کی طرف دیکھا تو اس نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

◆..........☆..........◆

اگلے دن ہفتہ تھا اور یونیورسٹی سے چھٹی تھی اس لئے عماد نماز اور قرآن مجید پڑھ کے دوبارہ سو گیا اور پھر نو بجے آنکھ کھلی‘ وہ جب ٹی وی لاؤنج میں آیا تو احمد بھی اسی ٹائم اپنے روم سے نکلا دونوں نے اکٹھے بیٹھ کے ناشتہ کیا اور اس وقت ان دونوں کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا اس لئے عماد نے احمد سے بات کرنے کا سوچا اور لفظوں کو ترتیب دینے لگا۔

”احمد! ایک بات پوچھوں......؟ سچ بتاؤ گے......؟“ آخر کار اس نے بات کی ابتداء کر لی۔

”ہاں پوچھو......“ احمد نے جواب دیا۔

”مجھے ایک بات بتاؤ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے......؟“ اس نے کیوں پر زور دیا۔

”اور تمہیں اللہ کی پکڑ سے ڈر نہیں لگتا......؟“

”یہ کافی لمبی اسٹوری ہے میں تمہیں پھر کبھی فارغ وقت میں بتاؤں گا“۔ احمد اس کی بات کا جواب گول مول کرتے وہاں سے جانے لگا لیکن عماد نے دوبارہ اسے وہیں چیئر پر بٹھا لیا۔

”آج یونیورسٹی بھی آف ہے اور میرے خیال میں تمہیں کبھی کوئی خاص کام نہیں ہے سو آرام سے بیٹھ کے بات کرو“۔

”سننا چاہتے ہو تو سنو“۔ احمد نے پھر اپنی بات شروع کی۔

”بادیہ میرے سپنوں کی شہزادی تھی‘ میں بچپن سے اسے بہت پسند کرتا تھا‘ وہ بالکل پریوں جیسی تھی‘ ہم بچپن میں اکٹھے رہا کرتے تھے ایک ہی اسکول میں پڑھا کرتے تھے میں کبھی اسے اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا تھا‘ پتا نہیں کب میں اسے اپنا دل دے بیٹھا پھر میں باقاعدگی سے پانچ وقت کی نماز پڑھنے لگا کیونکہ وہ بھی پانچ وقت کی نمازی تھی اور ہمیشہ دعاؤں میں اسے ہی مانگا کرتا تھا رب سے‘ لیکن اللہ تعالیٰ نے تو میری ایک دعا بھی قبول نہ کی اور اسے مجھ سے اتنا دور کر دیا کہ جہاں سے کوئی واپس بھی نہیں آ سکتا‘ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں اس کی ڈیتھ ہو گئی‘ تب چچا جان اور چچی کی حالت بھی بہت خراب ہو گئی‘ یہاں تک کہ چچی جان تقریباً دو ماہ ہاسپٹل میں رہیں کیونکہ بادیہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی بادیہ کے اس دنیا سے جاتے ہی میں اندر سے ٹوٹ گیا تھا پھر کسی کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا نہ کھل کے رو

سکتا تھا کیونکہ ہماری محبت کا کسی کو علم تک نہ تھا میں نے اللہ سے بہت شکوے کئے بہت شکایتیں کیں‘ پھر میں نے یہ طرز زندگی اپنایا“۔ احمد کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز کانپنے لگی۔ عماد پر جب ساری حقیقت کھلی تو وہ بہت حیرانگی سے احمد کی طرف دیکھ رہا تھا کہ بظاہر اتنا خوش دکھائی دینے والا انسان اندر سے کتنا دکھی ہے کتنا ٹوٹا ہوا ہے۔

”سب سے پہلے تو مجھے اس بات کی بہت خوشی ہوئی کہ تم نے مجھے دوست سمجھا اور اپنے دل کی بات مجھ سے کی“۔ عماد نے کمرے کا دروازہ لاک کیا اور پھر وہ اسے سمجھانے لگا۔

”بات سنو احمد! پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے پھر وہ ہمیں دکھ اور تکلیف میں کیسے دیکھ سکتا ہے‘ وہ ہمیشہ جو بھی کرتا ہے ہمارے بھلے کے لئے ہی کرتا ہے“۔ احمد بغور سن رہا تھا۔

”تم پلیز بادیہ کی خاطر نماز اور قرآن مجید پڑھنا شروع کر دو اور اس کی بخشش کے لئے دعا مانگا کرو‘ اس سے اس کی روح کو سکون ملے گی“۔ عماد اسے سمجھا رہا تھا۔

”او کے میں کوشش کروں گا“۔ احمد اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔ عماد بہت خوش تھا کہ احمد کو مذہب کی طرف لانے میں کامیاب ہو گیا تھا‘ اس نے خوشی سے احمد کو گلے سے لگا لیا۔

◆..........☆..........◆

”نیہا یار! جلدی اٹھو آج سر سے ڈانٹ پڑ جانی ہے سر لگتے بھی کھڑوس سے ہیں“۔ حائقہ تیسری دفعہ نیہا کو اٹھا چکی تھی۔

”اچھا اٹھ جاتی ہوں کیا ہے ویسے ایک منٹ بھی سونے نہیں دیتیں“۔ نیہا کو آخر کار اٹھنا ہی پڑا آج یونیورسٹی میں دوسرا دن تھا اور وہ دونوں ٹائم پر کلاس میں پہنچ چکی تھیں۔ فرسٹ پیریڈ سر شیراز کا تھا اور انہوں نے آج سی آر اور جی آر بنانے کا فیصلہ کیا اور سب کے لئے ووٹنگ کی گئی‘ آخر میں عماد کو بطور سی آر اور حائقہ کو بطور جی آر سلیکٹ کیا گیا‘ اس کے بعد گروپنگ کی باری آئی تو پوری کلاس کو تین گروپس میں تقسیم کیا گیا‘ ہر گروپ میں چار لڑکیاں اور دو لڑکے شامل تھے‘ حائقہ‘ نیہا‘ ثانیہ‘ سحرش‘ عماد اور احمد ایک گروپ میں شامل تھے‘ عماد کو تو اور بھی زیادہ خوشی ہوئی کیونکہ حائقہ ان کے گروپ میں شامل تھی۔

عماد کو ثانیہ اور سحرش اپنے گروپ میں ذرا نہیں بھاتی تھیں کیونکہ وہ دونوں ہمیشہ دوسروں کا برا سوچتی تھیں اور حائقہ کے بہت خلاف تھیں اور جو حائقہ کے خلاف ہو عماد تو کبھی بھی اسے اپنے سامنے برداشت نہیں کر سکتا تھا‘ پھر عماد کو ان دونوں کا کریکٹر بھی ٹھیک نہیں لگا تھا کیونکہ یونیورسٹی میں کئی کئی لڑکوں کے ساتھ ان کی دوستی تھی ثانیہ اور سحرش خود کو ان کے گروپ میں شامل نہیں کرتی تھیں اور اس بات سے عماد بھی بہت خوش تھا‘ ان کے گروپ میں حائقہ اور نیہا کے علاوہ حائقہ کی دوست مریم شامل ہو چکی تھی‘ اس کے علاوہ حائقہ بھی دل ہی دل میں عماد کو کب چاہنے لگی اسے پتا ہی نہ چلا‘ پھر ایک دن اس نے نیہا سے بھی اس بات کا اظہار کیا تو اسے بھی تصور کی نگاہ سے یہ کپل بہت پیارا لگا۔

”یار! میں تو بس آپ لوگوں کی خوشی کے لئے دعا ہی کر سکتی ہوں“۔ نیہا نے ہاسٹل روم میں بیٹھے حائقہ سے کہا۔

◆..........☆..........◆

آج اتوار تھا اور تیمور خان نے آج سارا دن اپنے گھر پر گزارنے کا سوچا کیونکہ وہ پچھلے کچھ دنوں سے بہت مصروف رہے تھے نو بجے وہ ناشتے کی ٹیبل پر پہنچے اور آسیہ بیگم نے ان کے لئے ناشتہ لگایا اور خود بھی ان کے پاس بیٹھ گئیں۔ تیمور خان آج کچھ افسردہ سے دکھائی دے رہے تھے آسیہ خان پہلے تو نوٹ کرتی رہیں پھر پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

''کیا ہوا' آپ آج کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں' سب ٹھیک تو ہے نا......؟'' آسیہ بیگم نے کچھ پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

''ہاں سب ٹھیک ہے لیکن آج مجھے احسان بھائی بہت یاد آ رہے ہیں''۔ وہ افسردہ ہوتے ہوئے بولے۔

''کاش کہ وہ میرے ساتھ ایسا نہ کرتے' میں نے ان کا کیا بگاڑا تھا ان کا جو ایک دم مجھ سے نظریں پھر لیں' مجھے تنہا چھوڑ دیا' اگر انہیں زمین جائیداد چاہیے تھی تو مجھے بتا دیتے میں خود انہیں سب کچھ دے دیتا لیکن کم از کم اپنے پاس تو رہنے دیتے' میں اپنے ملک میں رہتا اپنے پیاروں کے پاس' سب ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے' سب اکٹھے ہوتے تو کتنی خوشی ہوتی' تم جانتی ہو میں آج اپنا بزنس چلا رہا ہوں میرے پاس دولت' شہرت ہے اپنی فیملی ہے لیکن پھر بھی میں خوش نہیں ہوں' میں اوپر سے مسکراتا ہوں لیکن میرا دل دکھی ہے کیا فائدہ ان پیسوں کا جب میں اپنوں میں نہیں ہوں''۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ آسیہ بیگم بہت حیران تھیں کہ بظاہر اتنا خوش دکھائی دینے والے تیمور خان اندر سے کتنے دکھی ہیں تیمور خان نے جب آسیہ خان کی اداسی محسوس کی اور اپنے دل کا بوجھ تھوڑا ہلکا کر لیا تو آسیہ بیگم سے کہنے لگے۔

''چلو خیر چھوڑو ان باتوں کو' ماضی تو راکھ کا ڈھیر ہے اسے کریدنے کا کوئی فائدہ نہیں' جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ' آج ہم آؤٹنگ کے لئے کہیں چلیں گے''۔

☆

اب سب نے اسٹڈی کی طرف خوب دھیان دینا شروع کیا کیونکہ فرسٹ سیمسٹر کے پیپرز میں صرف تین دن رہ گئے تھے عماد' احمد' حائقہ' نیہا اور مریم نے اپنا الگ گروپ بنا کر فل دھیان اسٹڈی پر دیا اور کمبائن اسٹڈی کرنے لگیں۔ پیپر شروع کب ہوئے اور ختم کب ہو گئے پتہ بھی نہیں چلا اور جب رزلٹ آیا تو عماد ٹاپ پر رہا اور سب حیران تھے کہ وہ بھی دھیان سے اور زیادہ پڑھتا بھی نہیں تھا تو اتنا آگے کیسے نکل گیا......؟ عماد کے پورے گروپ نے اس سے زبردست سی ٹریٹ لی اور وہ بھی بہت خوش تھا' اس نے اپنی یہ خوشی ماما' بابا کے ساتھ شیئر کی تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔

نیکسٹ سیمسٹر شروع ہوا تو سب نے ٹرپ لے جانے کی پلاننگ کی اور اگلے دن جب سر عباد کلاس میں آئے تو عماد نے ان سے بات کی وہ اسٹوڈنٹس کے ساتھ کافی فری تھے۔

''اوکے میں ایچ او ڈی صاحب سے بات کر کے آپ لوگوں کو کنفرم بتاتا ہوں''۔ سر عباد نے اتنی بات کہی اور کلاس سے باہر چلے گئے۔ اگلے ہی کچھ منٹ بعد وہ اس خوشخبری کے ساتھ آئے اور انہیں بتایا کہ دو دن بعد ان کا ٹرپ جائے گا۔

ہفتے کی صبح سب بھرپور تیاری کے ساتھ یونیورسٹی پہنچ چکے تھے' اسٹوڈنٹس زیادہ ہو جانے کی وجہ سے یونیورسٹی بس کے ساتھ ایک اور گاڑی ارینج کی گئی تھی جس میں سات آٹھ لوگ آسانی سے بیٹھ سکتے تھے' عماد کے کہنے پر ان کے گروپ کو اس گاڑی میں بٹھا دیا گیا اور سر عباد نے ان کا ساتھ دیا تانیہ اور سحرش نے کچھ پلاننگ کر رکھی تھی اس دن کے لئے' ان دونوں کو اپنا پلان تھوڑا کامیاب ہوتا دکھائی دیا۔

صبح سات بجے وہ مری کے لئے روانہ ہوئے' ابھی دو گھنٹے کا سفر طے ہوا تھا اور وہ لوگ خوب ہلہ گلہ کر رہے تھے اور سر عباد کو بھی ساتھ ملا لیا تھا' اچانک سامنے سے ایک ٹرک فل اسپیڈ میں آتا ہوا دکھائی دیا اور وہ اسی اسپیڈ میں آتے ہوئے ان کی گاڑی سے بہت زور سے ٹکرایا اور گاڑی الٹ کر سڑک کے کنارے جا گری آس پاس کے لوگوں نے گاڑی کے شیشے توڑ کر زخمیوں کو باہر نکالا اور ریسکیو کی مدد سے انہیں قریبی ہاسپٹل پہنچایا' تانیہ اور سحرش دل ہی دل میں بہت خوش تھیں کیونکہ ان کا تیر صحیح نشانے پر لگا تھا۔ سب ٹیچرز ایمرجنسی رومز کے باہر پریشانی کے عالم میں چکر لگا رہے

تھے اور سب اسٹوڈنٹس بھی دعا گو تھے' گاڑی کے ڈرائیور کی تو ڈیتھ ہو چکی تھی' باقیوں میں سے بھی ایک اسٹوڈنٹ کی حالت نازک بتائی جا رہی تھی' البتہ عماد کافی حد تک بچ چکا تھا کیونکہ جب گاڑی سے ٹرک ٹکرایا تو گاڑی کا ایک دروازہ کھل گیا اور عماد باہر گر گیا تھا۔

ڈاکٹرز نے کچھ ٹریٹ منٹ کے بعد عماد کو تو ڈسچارج کر دیا تھا لیکن فی الحال وہ بے ہوشی کی حالت میں تھا' اس کے سر میں کچھ چوٹ آئی تھی اور چہرے پر کچھ خراشیں تھیں جن پر مرہم لگا دی گئی تھی' کچھ دیر بعد عماد ہوش میں آیا تو اس نے سب سے پہلے احمد اور حائقہ کا پوچھا تو سر شیراز نے اسے بتایا کہ ان سب کو ابھی ایمرجنسی رومز میں رکھا گیا ہے اور ٹریٹمنٹ چل رہا ہے' عماد سب کے لئے دعا کرنے لگا۔

''سر! میں اس روم سے باہر جانا چاہتا ہوں' مجھے بہت گھٹن محسوس ہو رہی ہے یہاں''۔ عماد نے بے چینی سے پاس بیٹھے ہوئے ٹیچر سے کہا۔ انہوں نے عماد کو پکڑا اور باہر دوسرے اسٹوڈنٹس کے پاس لا کر بٹھا دیا' کچھ دیر بعد ایک ڈاکٹر ایمرجنسی روم سے باہر آئے تو عماد کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ایک اسٹوڈنٹ کی حالت نازک ہے۔ عماد کو بہت بے چینی سی ہونے لگی' اس کا دل چاہا کہ جا کر وہ ایک دفعہ حائقہ کو دیکھے لیکن وہ گم صم بیٹھا مسلسل دعائیں کئے جا رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ ڈاکٹر نے آ کر سب کو ایک افسوسناک خبر سنائی کہ ایک مریض کی ڈیتھ ہو گئی ہے جسے سنتے ہی عماد تو جیسے سکتے میں آ گیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈاکٹر کو دیکھ رہا تھا' دھیرے سے اٹھا اور ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔

''ڈاکٹر صاحب! کیا میں وہ ڈیڈ باڈی دیکھ سکتا ہوں......؟'' عماد نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

''آئی ایم سوری...... آپ ابھی اس کنڈیشن میں نہیں ہیں کہ کوئی بھی صدمہ برداشت کر سکیں اس لئے آپ نہیں جا سکتے''۔ ڈاکٹر نے عماد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ عماد بہت بے چینی سے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا ایک ڈاکٹر نے ایک ٹیچر کے ہاتھ میں ایک سیل فون تھمایا جو کہ مرنے والے کے پاس سے ملا تھا' موبائل دیکھتے ہی عماد تو چکرا کر گر گیا کیونکہ وہ سیل فون حائقہ کا تھا' ڈاکٹرز نے فوراً اسے نیند کا انجکشن دیا کیونکہ زیادہ ڈپریشن اس کے لئے خطرناک ہو سکتا تھا' اگلے چند گھنٹے وہ گہری نیند کی آغوش میں رہا' جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو نارمل شو کیا لیکن وہ اندر سے بالکل ٹوٹ چکا تھا اور سیل فون بھی اسی کے پاس تھا۔ وہ بوجھل قدموں کے ساتھ روم میں داخل ہوا اور اسٹول کو احمد کے قریب رکھ کر اس پر بیٹھ گیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے احمد......؟'' اس نے احمد کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا تو احمد نے فوراً بند آنکھیں کھول دیں۔

''اب تو کچھ ٹھیک ہوں' تم سناؤ حائقہ اور سب کیسی ہیں......؟'' احمد نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ عماد کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

''احمد! ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ ان میں سے ایک کی ڈیتھ ہو چکی ہے اور اس کے پاس جو سیل تھا وہ یہ ہے''۔ عماد نے احمد کی طرف ایک سیل فون بڑھایا۔

''عماد! یہ سیل تو حائقہ کا لگتا ہے''۔ اس نے بہت پریشانی سے عماد سے کہا۔

''ہاں اس کا سیل فون سیم ایسا ہے میں نے ڈاکٹرز سے ڈیڈ باڈی دیکھنے کے لئے کہا ہے لیکن وہ منع کر رہے ہیں''۔ عماد کی آواز کانپ رہی تھی۔

''یار! صبر سے کام لو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو سب ٹھیک ہوگا''۔ احمد نے اسے تسلی دی۔

☆

اگلے دن عماد احمد کے پاس آیا۔

"عماد یار! پاپا کو فون کر کے بتا دیتا تھا وہ پریشان ہو رہے ہوں گے"۔ احمد نے عماد سے کہا۔

"سب کو دو دن ٹرپ کا ہی کہا تھا نا تو آج دوسرا دن ہے کل تک ہم انشاء اللہ واپس چلے جائیں گے' کیوں انہیں پریشان کرنا چاہتے ہو"۔ عماد نے احمد کو تسلی دی' آج کچھ اسٹوڈنٹس واپس جا چکے تھے اور کچھ ابھی تک ہاسپٹل میں موجود تھے' ہاسپٹل میں موجود اسٹوڈنٹس میں تانیہ اور سحرش بھی موجود تھیں' عماد روم سے باہر آ کر بینچ پر بیٹھ گیا' تانیہ اور سحرش کچھ فاصلے پر بیٹھی تھیں' فوراً اٹھ کے عماد کے پاس آ کھڑی ہوئیں' عماد جو کہ دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑے پریشانی کے عالم میں بیٹھا تھا سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو تانیہ مسکرانے لگی۔

"اوہو...... سو سیڈ مسٹر عماد! آپ کی حائقہ اب اس دنیا میں نہیں رہی"۔ تانیہ نے طنز بھرے لہجے میں کہا اور سحرش کے لبوں پر بھی طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ عماد کا دل چاہا کہ اس لڑکی کو وہیں ختم کر دے۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی انسان اتنا گرا ہوا بھی ہو سکتا ہے' کیا بگاڑا ہے آخر حائقہ نے تمہارا"۔ عماد ٹوٹے ہوئے لہجے میں ان سے پوچھنے لگا لیکن وہ کوئی بھی جواب دیئے بنا واپس پلٹ گئیں کچھ دیر بعد ڈاکٹرز نے سر عباد اور احمد کو بھی ڈسچارج کر دیا۔

"آپ لوگ سر شہزاد کے ساتھ واپس چلیں' ہم ابھی یہیں رکتے ہیں' آپ لوگوں کو ابھی مکمل ریسٹ کی ضرورت ہے"۔ ایک سینئر ٹیچر نے اسٹوڈنٹس سے کہا۔

"سر پلیز...... میں ایک دفعہ یا تو ڈیڈ باڈی دیکھنا چاہتا ہوں یا پھر اس روم میں کسی ایک پرسن سے ملنا چاہتا ہوں پلیز سر......" عماد التجائیہ انداز میں سر کے سامنے کھڑا تھا' ڈیڈ باڈی تو بھیج دی گئی ہے ہاں جو اسٹوڈنٹس ایڈمٹ ہیں ان سے بات کر سکتے ہو"۔ عماد اپنے ساتھ احمد کو بھی لے آیا اور دروازہ کھولتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے کہ پتا نہیں اندر کیا ہوگا' جیسے ہی عماد نے دروازہ کھولا تو حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات اس کے چہرے سے عیاں تھے اور احمد جو اس سے تھوڑا پیچھے ساری صورتحال سے بے خبر کھڑا تھا' عماد اس کی طرف مڑا۔

"احمد! حائقہ زندہ ہے وہ سامنے دیکھو حائقہ بیٹھی ہوئی ہے"۔ عماد بہت خوش تھا۔

"تھینک گاڈ! مجھے تو بہت ڈر لگ رہا تھا"۔ احمد نے مسکرا کر عماد کو گلے سے لگا لیا اور ڈھیر دل پیار کیا۔ وہ دونوں اندر آ کر حائقہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔

"حائقہ! اب طبیعت کیسی ہے"، بات کرنے میں عماد نے پہل کی۔

"میں ٹھیک ہوں عماد! اللہ تعالیٰ نے میری دوست کو مجھ سے چھین لیا بہت دور چلی گئی وہ' کبھی لوٹ کے نہیں آئے گی"۔ حائقہ ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی۔

"بس کرو حائقہ! مت روؤ تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی' وہ تو اللہ کی امانت تھی اس نے واپس لے لی"۔ عماد اسے چپ کروانے لگا۔

"پہلے مجھے یہ بتاؤ تمہارا سیل ماہم کے پاس کیسے گیا......؟ یہ لو"۔ عماد نے پاکٹ میں سے سیل فون نکال کر حائقہ کو تھمایا۔

"یہ...... یہ سیل میرا نہیں ہے' کل ماہم کی برتھ ڈے تھی تو میں نے یہ سیل اسے گفٹ کیا تھا' میرا سیل فون تو میرے پاس ہے"۔ حائقہ نے اپنا موبائل اسے دکھایا۔

"تم جانتی ہو میں کل سے کتنی ٹینشن میں تھا' نہ ڈاکٹرز ڈیڈ باڈی دیکھنے دے رہے تھے اور نہ ہی اس روم میں کسی

سے ملنے دے رہے تھے اور یہ سیل فون جب سے میرے پاس ہے ایسے ہی آف ہے"۔ عماد اسے بتانے لگا۔

"مسٹر مجنوں...... اگر باتیں ختم ہو گئیں ہوں تو دوسری مریضہ کی بھی خبر گیری کر لیں"۔ احمد نے اسے ٹوکا تو دونوں ہنستے ہوئے نیہا کی جانب بڑھے۔ نیہا سے حال دریافت کرنے کے بعد عماد بہت پرسکون ہو گیا تھا کیونکہ جب سے اس کے پاس ماہم کا سیل فون آیا تھا اس کا دماغ بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔

☆

اگلے دن سب واپس آ چکے تھے' نیہا کی طبیعت تو کچھ ٹھیک تھی لیکن حائقہ کو ابھی انتہائی نگہداشت کی ضرورت تھی اور وہ گھر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ احمد اور عماد نے جیسے ہی گھر کا دروازہ کھولا تو واجد علی اس وقت آفس کے لئے نکل رہے تھے ان دونوں کو اس حالت میں دیکھ کر بہت پریشان ہوئے تو عماد نے سب کچھ بتا دیا۔

"تو بیٹا! آپ لوگ کم از کم مجھے فون تو کر دیتے ہم خود آ جاتے آپ لوگوں کو لینے"۔ واجد علی نے عماد سے شکوہ کیا۔

"اٹس او کے انکل...... ہم لوگ آ تو گئے ہیں"۔ عماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"او کے بیٹا جی! اب میں آفس جا رہا ہوں واپسی پر بات ہوگی آپ دونوں ریسٹ کرو"۔ واجد علی آفس کے لئے نکل گئے اور وہ دونوں نائلہ بیگم کے پاس چلے آئے جو اس وقت کمرے کی چیزیں سمیٹ رہی تھیں' پہلے تو دونوں کی ایسی حالت دیکھ کر ڈر گئیں لیکن پھر عماد نے ساری بات ان کے گوش گزار کی اور وہ اپنے پروردگار کی شکر گزار ہوئیں۔

عماد اور احمد دونوں بیٹھے ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ بات کیسے کی جائے؟ آخر کار احمد نے ہی بات شروع کی۔

"ماما! ہمارا پورا گروپ اس گاڑی میں تھا اور ساتھ میں سر عباد تھے' مریم کی ڈیتھ ہو گئی اور نیہا کو بھی چوٹیں آئیں لیکن اب وہ تقریباً ٹھیک ہے لیکن حائقہ کی طبیعت ابھی کافی خراب ہے اور اسے انتہائی نگہداشت کی ضرورت ہے تو......" احمد نے اپنی بات ادھوری چھوڑی' نائلہ بیگم نے حیرت سے احمد کی طرف دیکھا جو آگے بات کرنے کے لئے لفظ ڈھونڈ رہا تھا۔

"تو کیا بیٹا......؟ بات پوری کرو"۔ انہوں نے نرمی سے بیٹے سے پوچھا۔

"اور میں نے آپ کو بتایا بھی تھا کہ اس کی ماما سوتیلی ہیں' ایسی حالت میں پھر وہ گھر بھی نہیں جا سکتی' اگر آپ پرمیشن دیں تو کچھ دن کے لئے حائقہ اور نیہا یہاں آ جائیں' جب حائقہ ٹھیک ہو جائے گی تب وہ دوبارہ اپنے ہاسٹل شفٹ ہو جائیں گی"۔ احمد نے التجائیہ انداز میں ماں سے کہا۔

"تو ٹھیک ہے بیٹا! وہ بھی تو میری بیٹیوں جیسی ہیں"۔ نائلہ بیگم نے ایک پل میں مسئلہ حل کر دیا۔

حائقہ نے پہلے تو صاف انکار کر دیا پھر اپنی حالت کے پیش نظر نائلہ بیگم کے استفسار کے آگے اسے جھکنا ہی پڑا کیونکہ نائلہ بیگم خود سے انہیں لینے آئی تھیں اس لئے وہ انکار بھی نہیں کر سکتی تھی۔ حائقہ اور نیہا دونوں کو منال کے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا اور منال بھی بہت خوش تھی کیونکہ اسے باتیں کرنے کے لئے تو کوئی ملا' وہ سارا دن حائقہ اور نیہا کے پاس ہی رہتی تھی۔ کچھ ہی دنوں میں حائقہ بالکل ٹھیک ہو گئی تھی کیونکہ نائلہ بیگم نے اس کی خوب دیکھ بھال کی تھی' وہ نائلہ بیگم' واجد علی اور منال سے بہت متاثر ہوئی تھی کیونکہ کسی نے بھی اسے غیر ہونے کا احساس تک نہیں ہونے دیا تھا' چند دن بعد جب حائقہ اور نیہا واپس اپنے ہاسٹل جانے لگیں تو منال کا تو رو رو کے برا حال ہو گیا تھا اور وہ کتنی ہی بار انہیں وہیں رکنے کا کہہ بھی چکی تھی' نائلہ بیگم بھی کچھ افسردہ سی ہو گئی تھیں' چند ہی دنوں میں حائقہ نے تو سب کے دلوں میں گھر کر لیا تھا لیکن پھر انہیں واپس اپنے ہاسٹل تو جانا ہی تھا اس لئے وہ سب کی دعائیں سمیٹ کر واپس چلی آئیں۔

☆

سب کی دوبارہ وہی روٹین اسٹارٹ ہوگئی' جب سے احمد کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا تھا اور اسے نئی زندگی مل گئی تھی تب سے وہ خدا کا بہت مشکور تھا اور باقاعدگی سے نماز شروع کردی تھی اور قرآن مجید بھی' عماد اس کے اندر اس تبدیلی سے بہت خوش تھا' عماد جب یونیورسٹی جاتا تو اسے تانیہ اور سحرش کے رویئے پر بہت دکھ ہوتا اس کی سمجھ سے بالاتر تھا کہ آخر وہ حائقہ کے ساتھ ایسا کیوں کررہی ہیں پہلے تو عماد نے حائقہ اور احمد کو سب کچھ بتانے کا سوچا لیکن دوسرے ہی لمحے رک گیا کہ احمد کہیں کوئی انتہائی قدم نہ اٹھالے انتقام کی آگ میں کیونکہ وہ حائقہ اور عماد کے ساتھ تو کبھی بھی برا ہوتے ہوئے برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ آخرکار وہ دن بھی آن پہنچا جس دن سب اسٹوڈنٹس کو ایک دوسرے سے جدا ہوجانا تھا' یعنی لاسٹ سمسٹر کا لاسٹ پیپر۔ سب اسٹوڈنٹس نم دیدہ تھے' حائقہ تو بہت زیادہ رو رہی تھی' عماد کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے لیکن وہ سب اپنے اس آخری دن کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرنا چاہتے تھے اور اس دن کو ہمیشہ کے لئے یادگار بنانا چاہتے تھے۔

”تانیہ! میں نے تو تم دونوں کو معاف کیا تم لوگوں نے ماضی میں جو کچھ بھی کیا میں جانتا ہوں اس پر تم شرمندہ ہو“۔ عماد نے تانیہ اور سحرش دونوں سے کہا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پھر گویا ہوا۔

”اور پلیز ایک کام کرو جاؤ اور جاکر حائقہ' احمد اور نیہا سے بھی معافی مانگ لو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ وقت گزر جائے اور دوبارہ ان سب میں سے تمہیں کوئی بھی نہ مل سکے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی کوئی سخت سزا دے“۔ تانیہ تو عماد کے اس قدر نرم لہجے پر اس کی گرویدہ ہوگئی اور ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی اور اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگی۔

”میں نے تو پہلے ہی تمہیں معاف کردیا تھا' اب حائقہ سے معافی مانگو جاکر“۔ عماد نے فوراً اسے روکا۔

”حائقہ پلیز...... ہمیں معاف کردو' ہم نے ہمیشہ تمہارا برا ہی چاہا لیکن تم نے تو کبھی بھی ہمیں کچھ نہیں کہا' ہم بہت برے ہیں' آپ لوگوں کا ایکسیڈنٹ بھی ہماری پلاننگ سے ہی ہوا تھا' میں تم سے بہت حسد کرنے لگی تھی اور حسد کی آگ میں بہت آگے نکل چکی تھی' میں جانتی ہوں کہ ہماری غلطیاں معافی کے قابل تو نہیں ہیں لیکن پھر بھی اگر تم معاف کردو تو تمہاری عزت اور بھی بڑھ جائے گی“۔ تانیہ مسلسل روئے جارہی تھی اور حائقہ کے آگے ہاتھ جوڑے ہوئے تھی۔ حائقہ حیران و پریشان کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی اور کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی' آخرکار تانیہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے اور بولی۔

”پگلی! میرے لئے تو یہی بہت ہے کہ تم نے اپنی غلطی کا اعتراف تو کیا' تمہیں احساس تو ہوا کہ تم غلطی پر تھیں اور میں نے کبھی کسی کے لئے برا نہیں چاہا' میں تو ہمیشہ غلطی کرنے والے کو اسی وقت معاف کردیتی ہوں' انسان کو ہمیشہ اپنا دل صاف رکھنا چاہئے“۔ حائقہ نے تانیہ اور سحرش کو فوراً گلے سے لگالیا۔ پھر کافی وقت گزر چکا تھا اور سب اسٹوڈنٹس کو واپس جانا تھا' وہ سب ٹیچرز سے ملے اور ان کی دعائیں سمیٹ کر واپسی کی راہ لی۔ جاتے ہوئے عماد نے حائقہ کو ایک کارڈ تھمایا جو اس نے پرنم آنکھوں سے تھاما اور عماد تو حائقہ سے نظریں چرا گیا کیونکہ وہ اسے مزید دکھ نہیں دے سکتا تھا۔ حائقہ نے رات کو ہاسٹل کے روم میں لیٹے ہوئے عماد کا دیا ہوا کارڈ کھولا تو اس پر ایک غزل تحریر تھی۔

”نہ تجھ کو چھوڑ سکتے ہیں' تیرے ہو بھی نہیں سکتے
یہ کیسی بے بسی ہے آج ہم رو بھی نہیں سکتے“

شعر پڑھتے ہوئے حائقہ کی آنکھ سے ایک آنسو کارڈ پر گرا اور اس میں جذب ہوگیا' ابھی وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ عماد کا لاسٹ میسج آیا کیونکہ اگلے دن صبح کی فلائٹ سے وہ انگلینڈ جارہا تھا۔

☆

اگلے دن عماد نے فجر کی نماز پڑھی پھر قرآن مجید کی تلاوت کی اور اس کے بعد اپنی پیکنگ کی اور فریش ہونے کے لئے واش روم میں چلا گیا جب نہا کے نکلا تو نائلہ بیگم کو اپنا منتظر پایا۔

”بیٹا! کتنے بجے کی فلائٹ سے جارہے ہو آپ واپس؟“ انہوں نے افسردہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

”آنٹی! دس بجے کا ٹائم ہے' آٹھ بجے تک تو ایئرپورٹ پہنچنا ہوگا“۔ وہ جلدی جلدی تیاری کرتے ہوئے بولا۔ وہ کچھ غمگین سی وہیں بیٹھ گئیں کیونکہ عماد کے ساتھ ان کچھ سالوں میں ہی ایسی اپنائیت کا احساس ہوا تھا کہ انہیں کبھی بھی وہ غیر نہیں لگا تھا' وہ ہمیشہ ایسے محبت بھرے انداز میں بات کرتا تھا کہ ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنالیتا تھا۔

”آنٹی! انکل تیار ہوگئے ہوں تو پلیز انہیں جلدی بھیج دیں' کافی ٹائم ہوگیا ہے“۔ وہ ان سے نظریں چرائے کہہ رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اس کے جانے کی وجہ سے رو رہی ہیں اور وہ برداشت نہیں کرپائے گا۔

”اوکے بیٹا! آپ آجاؤ میں بلاتی ہوں انہیں“۔ وہ آنکھوں میں آنسو لئے کمرے سے نکلتی چلی گئیں۔ واجد علی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے عماد کا انتظار کررہے تھے کچھ ہی دیر میں وہ اپنے سامان کے ساتھ آگیا۔

”اوکے آنٹی! اللہ حافظ آپ لوگوں کے ساتھ بہت اچھا ٹائم گزرا' آپ لوگوں نے تو پیرنٹس کی کمی محسوس ہونے نہیں دی کبھی“۔ عماد کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”اوکے بیٹا! اپنا ڈھیر سارا خیال رکھنا اور اپنی خیر خبر دیتے رہنا“۔ نائلہ بیگم نے اتنی بات کہی اور وہاں سے چلی گئیں۔

”اوکے گڑیا! اپنا خیال رکھنا“۔ آنٹی سے ملنے کے بعد وہ منال کی جانب بڑھا۔

”بھیا کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ یہیں ہمارے پاس رہ لیں......؟“ منال نے روتے ہوئے سوال کیا۔

”میں کوشش کروں گا کہ پاکستان ہی شفٹ ہوجاؤں اور میں اپنی گڑیا سے ملنے آتا رہوں گا“۔ اس نے پیار سے چھوٹی منال کے سر کا بوسہ لیا' پھر احمد سے ملنے کے بعد وہ سب کو رنجیدہ چھوڑ کر انگلینڈ چلا گیا۔

☆

دوسری طرف حائقہ اور نیہا کو بھی واپس گھر جانا تھا کیونکہ آخرکار انہیں اس قید خانے نما گھر میں واپس جاکر ماں کی جلی کٹی باتیں سننی تھیں کچھ ہی دیر میں احسان خان انہیں لینے آگئے اور جب وہ واپس گھر پہنچے تو ان دونوں کو ماں کی کافی باتیں سننی پڑیں تھیں۔

”میں ان کا رشتہ ڈھونڈ کے جلد ہی انہیں اس گھر سے چلتا کروں گی' یہ زیادہ ہی سر چڑھ گئی ہیں ہر معاملے میں اپنی ہی من مانی کرنے لگ گئی ہیں“۔

”تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا وہ میری بیٹیاں ہیں میں خود سوچ لوں گا ان کے بارے میں“۔ احسان خان نے کہا۔

”اچھا پالا میں نے یہ نخرے میں نے اٹھائے اور اب آپ فیصلہ کریں گے' ایسا تو میں کبھی بھی نہیں ہونے دوں گی“۔ وہ تو غصے میں جل بھن گئیں۔

”میں نے نادیہ باجی سے بات کی ہے وہ ایک دو دن میں اپنے بیٹوں کے لئے حائقہ اور نیہا کا رشتہ مانگنے آئیں گی اور میں کسی صورت انکار نہیں کروں گی“۔ سعیدہ بیگم نے انگلی اٹھا کر احسان خان کو وارن کیا۔

”اوہ...... تو تم اپنے دو کوڑی کے بھانجوں سے ان کی شادی کروگی......؟“ احسان خان نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”میری بیٹیوں نے بہت برداشت کرلئے تمہارے ظلم و ستم' اب میں ان کی شادیاں ایسی جگہ کروں گا کہ باقی

زندگی اپنی سکھ سے گزار سکیں"۔ احسان خان نے اپنی بیٹیوں کے سر پر دست شفقت رکھا۔

☆

"ویلکم مائی سن ویلکم......" تیمور خان اسے لینے ایئرپورٹ پہنچے تھے اور بہت پرجوش انداز میں اسے گلے سے لگایا اور ویلکم کیا۔

"کیسا رہا پاکستان کا ٹور بیٹا جی......؟" انہوں نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے عماد سے پوچھا۔

"بہت زبردست رہا' بابا جانی! پاکستان بہت خوبصورت کنٹری ہے"۔ وہ بہت خوش تھا۔

"واجد علی کی فیملی کیسی لگی اور کیسے تھے وہ سب......؟" انہوں نے وارفتگی سے اپنے دوست اپنے محسن کا پوچھا۔

"سب ٹھیک تھے اور بہت اچھی فیملی ہے۔ بہت مہمان نواز ہیں انکل اور آنٹی نے کبھی مجھے آپ لوگوں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی"۔ وہ بتانے لگا۔ وہ گھر پہنچے تو آسیہ بیگم نے بیٹے کا بھرپور طریقے سے استقبال کیا۔ عماد تھوڑی دیر میں فریش ہو کر آ گیا اور سب نے مل بیٹھ کر کھانا کھایا۔ عماد بہت تھک چکا تھا وہ ریسٹ کرنے کے لئے اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔ رات آٹھ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی' ٹی وی لاؤنج میں آیا ہی تھا کہ آسیہ بیگم نے کچن سے اسے اطلاع دی کہ۔

"عماد بیٹا! آپ کے بابا آپ کا انتظار کر رہے ہیں کمرے میں"۔

"او کے ماما جانی! جا رہا ہوں"۔ تھوڑی دیر میں وہ تیمور خان کے پاس موجود تھا۔

"بابا جانی آپ نے مجھے بلایا تھا......؟" وہ مودبانہ انداز میں بولا۔

"ہاں بیٹا جی! مجھے آپ سے بزنس کے سلسلے میں کچھ بات کرنی ہے"۔ تیمور خان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بتانے لگے۔

"کچھ عرصے سے ہمارے بزنس کو مسلسل نقصان ہو رہا ہے ورکرز بھی خوب محنت کر رہے ہیں لیکن کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو رہا اب آپ کی اسٹڈی بھی کمپلیٹ ہو گئی ہے تو آپ بھی بزنس میں ہمارا ہاتھ بٹائیں"۔ انہوں نے اپنی بات ختم کی تو عماد بولا۔

"بابا جانی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنا بزنس پاکستان شفٹ کر لیں' اس ملک کو اس سرمائے کی زیادہ ضرورت ہے' ہم پاکستانی ہوتے ہوئے بھی دوسرے ملکوں کے لئے کیوں کام کرتے ہیں......؟ اگر ہم یہی کام پوری ایمانداری سے پاکستان میں رہتے ہوئے انجام دیں تو ہمارا ملک بہت زیادہ ترقی کر سکتا ہے"۔

"یہ بات تو ٹھیک ہے بیٹا لیکن پھر یہاں کے ورکرز کا کیا ہو گا جن کا روزگار یہاں سے چلتا ہے"۔ انہوں نے بیٹے کی بات کو سراہتے ہوئے ساتھ میں تشویش کا اظہار بھی کیا۔

"کچھ نہیں ہو گا بابا! یہاں اور بھی بہت سی کمپنیز ہیں جہاں انہیں کام کرنے کا موقع مل جائے گا"۔ عماد نے بات کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"او کے بیٹا یہ بھی ٹھیک ہے اور پھر ہم وہاں اپنے پیاروں سے بھی مل سکیں گے اور اپنے پیارے ملک کی ترقی میں بھی مددگار ہوں گے"۔ انہوں نے خوش دلی سے بیٹے کو تھپکی دی۔

☆

واجد علی ایک دو دن سے بہت خوش تھے کیونکہ تیمور خان نے اپنا بزنس پاکستان شفٹ کرنے کے بارے میں بتا دیا تھا اور کوئی اچھی سی جگہ ڈھونڈنے کا بھی کہہ دیا تھا تاکہ وہ فوراً پاکستان میں اپنا بزنس شروع کریں' باقی گھر والے بھی

بہت خوش تھے' احمد اور منال سے تو اپنی خوشی کنٹرول ہی نہیں ہو رہی تھی' احمد نے عماد کو کال کی تو عماد کی آواز بھی خوشی سے بھرپور لگی۔

☆

"اوہ......تو مسٹر عماد! زیادہ دیر دور نہیں رہا گیا بھابی جان سے نہیں......؟" احمد مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"جی نہیں...... مجھے پاکستان سے محبت ہے اور میں اس ملک کے لئے کام کرنا چاہتا ہوں سمجھے......؟" عماد نے بھی تن کر کہا۔

"واہ کیا بات ہے بائی داوے پاکستان سے محبت ہے یا پاکستان کے رہنے والوں سے......؟" احمد نے فوراً پوچھا۔

"ہاہاہا...... کبھی نہیں سدھرے گا تو......" عماد کھل کر مسکرایا تھا کافی دیر دونوں کے درمیان گفتگو چلتی رہی۔

تیمور خان نے اپنا سارا بزنس پاکستان شفٹ کیا اور خود بھی اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان آ گئے' ایئرپورٹ پر احمد اور واجد علی پہلے سے ہی پہنچے ہوئے تھے ان کو لینے کے لئے۔ تیمور خان' واجد علی کے گلے سے لپٹ کر بہت روئے کیونکہ بہت عرصے بعد وہ پاکستان آئے تھے اور انہیں یقین تھا کہ اب کبھی بھی وہ اس وطن سے دور نہیں ہوں گے اور ہمیشہ اپنے دوست احباب اپنے پیاروں کے ساتھ رہیں گے سب گھر پہنچے تو آسیہ بیگم' نائلہ بیگم کو مل کر بہت خوش ہوئیں۔ عماد' احمد اور منال کی خوشی بھی قابل دید تھی۔

چند دن تیمور خان واجد علی کے ساتھ ان کے گھر میں رہے لیکن پھر انہوں نے الگ گھر خرید لیا اور اپنے گھر شفٹ ہو گئے' دونوں فیملیز کا ایک دوسرے کی طرف آنا جانا لگا رہتا تھا' خاص طور پر عماد اور احمد کا۔

☆

عماد اور احمد دونوں نے اپنے اپنے والد کا بزنس خوب اچھے طریقے سے سنبھال لیا تھا' دونوں دن رات خوب محنت کرتے اور ان کی اس محنت کے نتائج بھی بہت اچھے سامنے آ رہے تھے جو واجد علی اور تیمور خان دونوں کی خوشی کا سبب تھے' اب آسیہ خان اور نائلہ بیگم دونوں کو بیٹوں کے گھر بسانے کی فکر لاحق ہو گئی تھی' آسیہ خان' عماد کے ہمراہ نائلہ بیگم کی طرف گئیں تھیں تاکہ باہمی مشورے سے عماد اور احمد کے رشتے ڈھونڈے جائیں۔

"میرے خیال میں' ہمیں عماد اور احمد دونوں کی پسند ناپسند پوچھ لینی چاہئے کیا خیال ہے......؟" آسیہ بیگم نے نائلہ بیگم سے پوچھا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک رہے گا چلو عماد بیٹا! اگر آپ کو کوئی لڑکی پسند ہو تو بتاؤ......؟" انہوں نے اپنی توپ کا رخ سیدھا عماد کی جانب کیا' عماد تو اس اچانک سوال پر گڑبڑا گیا۔ احمد نے عماد اور حائقہ کے بارے میں سب بتا دیا۔

"عماد جناب کو یونیورسٹی کے زمانے میں ایک لڑکی سے عشق ہو گیا ہے اور ان میڈم صاحبہ کی چاہت انہیں واپس پاکستان کھینچ لائی ہے' وہ لڑکی اپنا نام حائقہ بتاتی ہیں حائقہ خان"۔ احمد نے حائقہ خان پر کافی زور دیا۔

"اب بھیگی بلی بن کے کیوں بیٹھا ہے......؟ بولتی کیوں بند ہے"۔ احمد مسلسل مسکرا رہا تھا اور عماد کو اس پر تپ چڑھ رہی تھی۔

"تم بول رہے ہو نا میرے حصے کا بھی تو بس ٹھیک ہے مجھے کیا ضرورت ہے بولنے کی"۔ عماد نے خفگی سے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔

"بیٹا جی! اس میں غبارے جیسا منہ بنانے کی کیا بات ہے' آپ کو تو احمد کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ اس نے آپ کی پرابلم سولو کر دی"۔ آسیہ خان نے بیٹے کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

"چلو اب جلدی سے بتاؤ وہ رہتی کہاں ہے' ہم جلد از جلد اپنی ہونے والی بہو سے ملنا چاہتے ہیں"۔ تبھی نائلہ بیگم

بولیں۔ پھر احمد نے گھر کا ایڈریس بھی بتادیا۔

☆

اگلے دن تیمور خان، واجد علی، نائلہ بیگم اور آسیہ خان مطلوبہ ایڈریس پر پہنچے، تیمور خان نے مطلوبہ مکان کا دروازہ ناک کیا تو دروازہ کھولنے والی ہستی کو دیکھتے ہی تیمور خان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔ جس انسان کی جدائی میں وہ اتنے سالوں سے اندر ہی اندر سسک رہے تھے وہ آج ان کے سامنے موجود تھا انہیں تو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا۔ احسان خان نے بے اختیار تیمور خان کو گلے سے لگالیا اور روتے ہوئے اپنے گناہوں کی ان سے معافی طلب کرنے لگے۔

''بس بھیا! مجھے آپ مل گئے میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے، میں ہمیشہ یہی سوچتا تھا کہ پتا نہیں میں آپ سے مل بھی پاؤں گا یا نہیں اور بڑے چھوٹوں سے کبھی معافی نہیں مانگتے''۔ تیمور خان اپنے بھائی کے جڑے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چومنے لگے۔ احسان خان نے پھر حائقہ اور نیہا کا بھی ان سے تعارف کروایا، آسیہ خان اور نائلہ بیگم کو دونوں نازک سی بچیاں بہت پیاری لگیں، دوسری طرف سعیدہ بیگم جلتی کڑھتی کمرے سے ہی باہر نہیں آئی تھیں، تیمور خان کے پوچھنے پر احسان خان نے ساری بات ان کے گوش گزار کی پھر تیمور خان اور آسیہ بیگم نے اپنا مدعا بیان کیا اور ساتھ ہی نائلہ بیگم اور واجد علی نے احمد کے رشتے کا فیصلہ بھی کرلیا۔ احسان خان اپنی بیٹیوں کے اتنے اچھے نصیب پر بہت خوش تھے اور فوراً ہاں بھی کردی اور تیمور خان نے اور واجد علی نے اسی ٹائم رسم بھی کردی اور شادی کی ڈیٹس ایک مہینہ بعد کی فکس کردی گئی تھیں کیونکہ احسان خان کافی بیمار رہتے تھے اور جلد از جلد اپنے فرائض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔

☆

''چل بچو! بجوا تو بھی ذرا اپنی بینڈ بھلا کرنے چلا تھا میرا کتنے فخر سے اس دن میری پھول کھول رہا تھا''۔ عماد بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔

''میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا میں تیری شادی کو فل انجوائے کرنا چاہتا ہوں''۔ احمد کچھ افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔

''ویسے کتنا کمینہ ہے تو بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے''۔ وہ غصے میں کمرے میں ادھر سے ادھر گھوم رہا تھا۔ لیکن پھر عماد نے احمد کو اس شادی کے لئے تیار کرہی لیا۔

واجد علی کا گھر کافی وسیع وعریض تھا اس لئے تیمور خان بھی شادی تک اپنی فیملی کے ہمراہ وہیں آگئے اور شادی کی تیاری خوب زور وشور سے ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف انہوں نے احسان خان کو جہیز کے لئے منع کردیا تھا کیونکہ وہ احسان خان کے مالی حالات دیکھ چکے تھے۔

آخرکار مہندی کا دن بھی آن پہنچا، عماد اور احمد دونوں کو اسٹیج پر لایا گیا اور ان کے دوستوں نے خوب ہلہ گلہ مچایا صبح چار بجے کے قریب فنکشن ختم ہوا۔

بارات اور ولیمے کے فنکشنز بھی نائٹ میں تھے منال تو بہت خوش تھی اور دونوں بھائیوں سے خوب پیسے وصول کررہی تھی اور وہ بھی اپنی اس باربی ڈول جیسی بہن کو ایسے موقع پر ناراض نہیں کرسکتے تھے۔

اگلی رات خوب دھوم دھام سے بارات روانہ ہوئی اور پرجوش انداز میں لڑکی والوں کی طرف سے ویلکم بھی کیا گیا، بلال خان اور شعیب خان سب سے آگے آگے تھے ہر کام میں کیونکہ ان کی بہن کی نشانی ان کی بھانجیوں کی شادی ہو رہی تھی، رخصتی کے وقت حائقہ اور نیہا باپ سے مل کر بہت روئیں اور احسان خان بھی نم دیدہ ہوگئے، حائقہ اور نیہا دونوں کمرے میں ماں سے ملنے گئیں لیکن سعیدہ بیگم نے آج بھی ان کے سر پر دست شفقت نہیں رکھا اور ملنے سے انکار کردیا وہ دونوں اپنے باپ کی دعاؤں کے سائے میں پیا دیس سدھار گئیں۔

☆

اگلے دن ولیمے کا بھی نائٹ فنکشن تھا اور حائقہ اور نیہا دونوں نے میکے جانے کی خواہش ظاہر کی تو سب نے خوشی خوشی اجازت دے دی، وہ ڈرائیور کے ہمراہ اپنے باپ کے گھر آئیں تو سب سے پہلے احسان خان کے گلے سے چمٹ گئیں اور خوب روئیں پھر سعیدہ بیگم کا پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ کل سے اپنے کمرے میں بند ہیں، وہ دونوں دھیرے دھیرے چلتی ہوئی سعیدہ بیگم کے کمرے میں پہنچیں اور سعیدہ بیگم کو آنکھوں پر بازو رکھے بیڈ پر نیم دراز پایا تو دونوں نے ماں کے پاؤں پکڑ لئے اور رونے لگیں۔

''امی آپ کیوں کررہی ہیں ہمارے ساتھ ایسا آخر ہمارا قصور کیا ہے، کیا یہی قصور ہے کہ ہم آپ کی اولاد نہیں ہیں آپ ہی بتایئے کیا ہم نے کبھی بھی آپ کو سوتیلی ماں سمجھا کبھی بھی آپ کے ساتھ بدتمیزی کی، ہم نے تو ہمیشہ آپ کو اپنی سگی ماں سمجھ کر آپ کی خدمت کی ہمیں اس گھر سے کچھ نہیں چاہئے صرف آپ کی محبت چاہئے پلیز امی نہ کریں ایسا ہمارے ساتھ''۔ حائقہ اور نیہا دونوں مسلسل روئے جارہی تھیں، سعیدہ بیگم بھی اپنی گذشتہ غلطیوں پر نادم اور شرمندہ تھیں انہوں نے واقعی حائقہ اور نیہا دونوں کے ساتھ ہمیشہ برا سلوک کیا تھا اور بدلے میں انہوں نے کبھی اف تک بھی نہیں کہا تھا، سعیدہ بیگم نے اچانک اپنے پاؤں کھینچ لئے اور دونوں کو بے اختیار گلے سے لگالیا اور ڈھیروں پیار کرنے لگیں۔

''مجھے معاف کردو میری بچیو! میں اپنی انا کے ہاتھوں مجبور تھی لیکن میں کل سے اپنی غلطیوں پر بہت شرمندہ تھی اور الفاظ نہیں ڈھونڈ پارہی تھی کہ کس طرح تم لوگوں سے معافی مانگوں تم دونوں بہت اچھی اور نیک ہو خدا تمہیں ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے''۔ حائقہ اور نیہا آج بہت خوش تھیں کیونکہ دیر سے ہی سہی انہیں ماں کا پیار تو ملا وہ یہ خوشی اپنے بابا کے ساتھ شیئر کرکے واپس واجد ولا پہنچ گئیں کیونکہ ولیمہ بھی شروع ہونے والا تھا اور انہیں پارلر بھی جانا تھا۔ ان دونوں بہنوں کی خوشی قابل دید تھی، آسیہ خان اور نائلہ بیگم بھی اس خوشی کا سبب نہیں جان پائی تھیں۔ حائقہ خوشی کے عالم میں تیز تیز سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ سیڑھیاں اترتے عماد سے ٹکرا گئی اور عماد کے بروقت پکڑنے پر گرتے گرتے بچی۔

''کیا بات ہے عماد کی جان......؟ آج یہ چہرہ اچانک اتنا کھلا کھلا سا ہوگیا یہ بندہ ناچیز اس کی وجہ جان سکتا ہے......؟'' عماد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی نہیں بتا سکتی، سرپرائز ہے''۔ حائقہ نے مختصر جواب دیتے ہوئے کمرے کی طرف دوڑ لگادی۔

ولیمے کا فنکشن شروع ہوا تو حائقہ اور نیہا کے میکے والے بھرپور تیاری کے ساتھ شریک ہوئے اور احسان خان کے ہمراہ بھرپور تیاری کے ساتھ سعیدہ بیگم کو دیکھ کر سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے اور سب کو حائقہ اور نیہا کی بے پناہ خوشی کی وجہ بھی معلوم ہوگئی تھی۔ سعیدہ بیگم نے اپنی بیٹیوں کو خوب پیار کیا اور انہیں ڈھیروں دعائیں دیں اور انہیں اتنی محبت کرنے والے لوگ ملنے پر بھی بہت خوش تھیں۔ حائقہ اور نیہا بہت خوش تھیں کہ آخرکار انہوں نے اپنی ماں کا دل جیت ہی لیا۔ اس طرح یہ خوبصورت تقریب ڈھیروں خوشیاں لئے اپنے اختتام کو پہنچ گئی اور سب اپنی اپنی زندگیوں میں بہت خوش وخرم رہنے لگے۔

☆

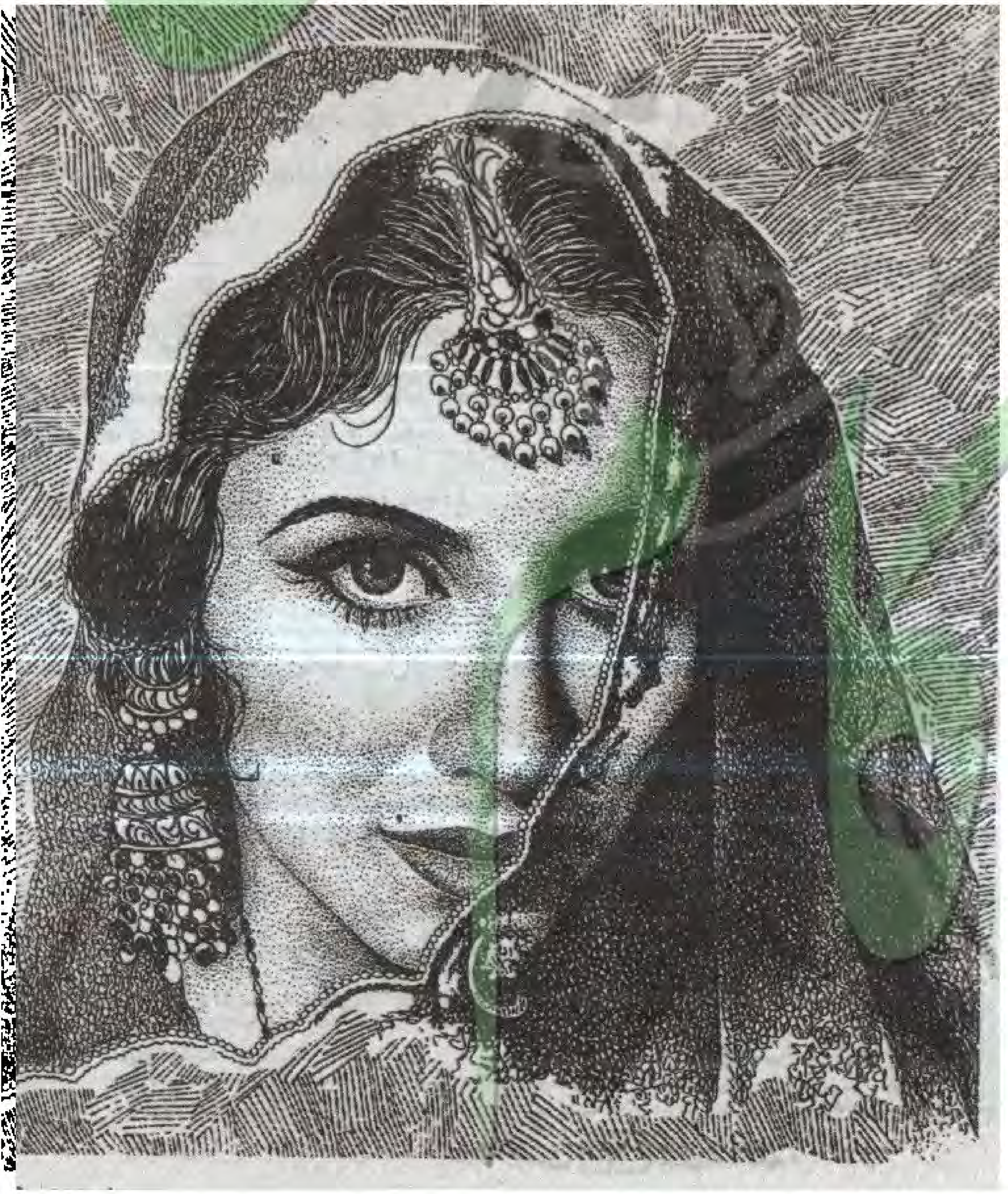
نائلہ طارق

ناولٹ

میرے ہم نفس

ہاسپٹل کے ویٹنگ روم میں اس وقت چار نفوس موجود تھے جن میں دو خواتین اور دو ہی مرد تھے۔ ہال کے ایک جانب کاؤنٹر کے پیچھے ایک لڑکی موجود تھی اور مسلسل کمپیوٹر کے ساتھ ساتھ فون پر بھی باتوں میں معروف تھی۔ گہری خاموشی میں وال کلاک کی ٹک ٹک صاف سنائی دے سکتی تھی۔ چاروں نفوس خاموشی کے ساتھ کبھی پہلو بدلتے کبھی دیواروں پر لگے مختلف چارٹ پڑھتے ڈاکٹر سے ملاقات کیلئے اپنے نمبر کا انتظار کررہے تھے' اسی دوران روم کا داخلی دروازہ کھلا تھا' سب کی نظریں ایک ساتھ ہی اندر داخل ہوتے شخص کی جانب اٹھی تھیں اور ہٹنا بھول گئی تھیں۔ کیا وہ دنیا کا حسین ترین اور مردانہ وجاہت کا نمونہ تھا؟ یا پھر صف اول کے بدصورت ترین چہروں میں اس کا شمار کیا جا سکتا تھا؟ ان دونوں سوالوں کا جواب ایک ہی تھا...... نہیں ہرگز نہیں۔ ویٹنگ روم میں موجود ہر انسان کی نظریں خود پر محسوس کرنے کے باوجود وہ پراعتماد انداز میں قدم اٹھاتا کاؤنٹر کی سمت جارہا تھا' ان تمام حق دق اور دنگ نظروں سے بے نیاز یا پھر وہ ان عجیب وغریب نظروں کا عادی تھا۔ وہ دراز قامت شخص انتہائی درجے کی سیاہ رنگت کا حامل انسان تھا' اس کے جیٹ بلیک بالوں سے اس کی رنگت میل کھا رہی تھی' اس چیز کا اسے بھی احساس تھا شاید اس لیے لباس بھی اس نے اپنی رنگت کی مناسبت سے ہی زیب تن کیا تھا' ڈارک گرے شرٹ دیکھنے والوں کی نظروں میں چبھ نہیں رہی تھی۔ اگلے کچھ لمحوں میں وہ بھی ان سب کی طرف آ گیا تھا جو اَب تک اس پر سے





نظر نہیں ہٹا سکے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک خاکی لفافہ تھا جسے دیکھتے ہوئے وہ چمڑے کے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ دور سے اس کی سیاہ رنگت نے اس کے ہر نقش کو دبا دیا تھا مگر اب قریب سے باآسانی اس کے چبھتے نقوش نمایاں ہو رہے تھے' اس کی کشادہ آنکھوں کا رنگ شہد کے رنگ سے بھی زیادہ گہرا تھا' پتلی کھڑی ناک' پتلے ہونٹ اور ٹھوڑی کے درمیان میں موجود ہلکا سا گڑھا...... مجموعی طور پر اس کا چہرہ کشش سے بھرپور اور شخصیت جاذب نظر تھی۔ ہاتھ میں موجود لفافے کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے سنجیدہ چہرے کی پیشانی پر ہلکی سی سلوٹ نمودار ہوئی تھی' لفافہ بند کر کے قریب رکھتے ہوئے اس نے اپنی خمدار گھنی پلکیں اٹھائی تھیں اور اس کے ساتھ ہی اس کی طرف متوجہ نظریں گڑبڑا کر اِدھر اُدھر چلی گئی تھیں۔ سینے پر بازو لپیٹتے ہوئے اب وہ بھی صبر و تحمل سے در و دیوار کا جائزہ لیتا شاید کچھ سوچ بھی رہا تھا۔

☆

''جس قدر امپرووُمنٹ کی امید مجھے اب تک تھی وہ چند فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ اتنا ٹائم نہیں لگنا چاہیے اس قسم کی انجریز کی ری کوری میں پیشنٹ کو پیروں پر اپنا توازن قائم رکھنے میں زیادہ سے زیادہ ایک سے ڈیڑھ ماہ کا عرصہ لگ جاتا ہے' یہ عرصہ مزید مختصر ہو جاتا ہے اگر پیشنٹ اپنی وِل پاور کا مناسب استعمال کرے' تھراپسٹ کے ساتھ کوآپریٹ کرے مگر آپ کی وائف یہ دونوں ہی کام کرنے کے لیے شاید تیار نہیں ہیں''۔ رپورٹس کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر اس سے مخاطب تھا جو سانس روکے بیٹھا تھا' یکدم ہی اس کے اردگرد ایک زہریلی آواز گونجی تھی۔

''جس دن میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی تم مجھے اُسی دن طلاق دو گے اور میں دیکھتی ہوں تم مجھے کیسے آزاد نہیں کرتے''۔

''موحد صاحب! میں جو کہہ رہا ہوں آپ نے سنا؟'' ڈاکٹر کی آواز پر وہ چونکا تھا۔ اثبات میں سر کو حرکت دیتے ہوئے اسے اپنا وجود زمین و آسمان کے درمیان معلق محسوس ہو رہا تھا۔

☆

''کہاں جا کر مر گئی ہے بڑھیا' کب سے آوازیں دے رہی ہوں' کانوں میں روئی ٹھونس کر بیٹھی ہے''۔ تیز قدموں کے ساتھ کمرے کی سمت بڑھتے ہوئے چنگھاڑتی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی' اگلے ہی پل وہ کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

تکیے کے سہارے نیم دراز وہ لال بھبھوکا چہرے اور شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جو کھانے کی پلیٹ پکڑے سامنے آ رکا تھا۔

''وہ عورت دن رات تمہاری خدمت میں لگی ہے' تمہاری ماں کی عمر کی ہے' اس کا تھوڑا احترام تو تم کر سکتی ہو''۔ دو ماہ کے عرصے میں یہ پہلا موقع تھا جس میں وہ اسے کسی چیز کے لیے ٹوک رہا تھا۔

''میری ماں مر چکی ہے' اس بڑھیا کے لیے اتنا ہی درد دل میں جاگ رہا ہے تو اسے اپنی ماں بنا لو' ویسے بھی تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ تمہیں پیدا کرنے والی عورت ہے کون...... مگر باپ کہاں ڈھونڈتے پھرو گے اس دنیا میں' اس کی شکل دیکھنے کیلئے تو تمہیں قیامت کے دن کا انتظار کرنا ہوگا''۔ چبا چبا کر وہ جس طرح بی ہیو کر رہی تھی موحد کے لب خاموش مگر چہرے کے تاثرات تن گئے تھے۔ یہ پہلی بار نہیں تھا گزرے دو ماہ میں بے شمار مرتبہ وہ اس قسم کے مغلظات اپنے لیے اس سے سنتا رہا تھا۔

''کیا دیکھ رہے ہو' نگل جاؤ گے مجھے' کیا کرو گے؟'' وہ حلق کے بل چیخی تھی۔

''ایسی ہڈی بنوں گی کہ نہ نگل سکو گے نہ اُگل سکو گے' اگر تم نے میری جان نہیں چھوڑی تو اسی طرح میں تمہیں تمہاری اوقات یاد دلاتی رہوں گی''۔

''مجھے اپنی اوقات بھی یاد ہے اور حقیقت بھی' تم فکرمند نہ ہو''۔ سرد لہجے میں بولتا وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

''یہ کھانا کھا لو پھر تمہیں دوا بھی لینی ہے''۔

''دور ہو جاؤ میری نظروں سے' گھن آتی ہے مجھے تم سے''۔ وہ غرائی تھی۔

''منہ کھولو''۔ چاولوں سے بھرا چمچہ موحد نے اس کی طرف بڑھایا تھا' دوسری جانب وہ چند لمحوں تک لب بھینچے زہر آلود نظروں سے اسے گھورتی رہی تھی اور پھر نیم گرم چاول منہ میں بھر لیے تھے مگر اگلے ہی پل ان چاولوں کا فوارہ وہ اس کے چہرے پر پھینک چکی تھی۔ کمالِ ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے موحد نے اپنے چہرے اور گریبان کو جھاڑ کر ایک ایک دانہ سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔

''دوبارہ اپنے ہاتھ سے مجھے کچھ کھلایا تو ایسے ہی تھوکوں گی تمہارے چہرے پر''۔ وہ چیخی تھی۔

''میں صرف اس خوف سے دوبارہ یہ کام نہیں کروں گا کہ میں رزق کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتا''۔ اس کے سامنے سے اٹھتا وہ بولا تھا۔

''تمہارے ہاتھ میں آ کر رزق بھی زہر بن جاتا ہے جو حلال بھی نہیں ہوتا بالکل تمہاری طرح...... کیا تمہیں نہیں پتا؟'' اس کے زہرخند لہجے پر وہ پلیٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھتا سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

''بے چارہ کچھ کر بھی تو نہیں سکتا سوائے خون کے گھونٹ پینے کے''۔ اس کے استہزائیہ لہجے نے موحد کے قدم روک لیے تھے۔

''کیا کروں تمہیں آئینہ دکھائے بغیر رہا نہیں جا سکتا...... تمہاری ڈسی ہوئی جو ہوں' اپنی سفاکی کو محبت کا نام دے کر تم نے میری مجبوری اور لاچاری کا فائدہ جو اٹھایا ہے''۔ اس کے تلخ طنزیہ لہجے پر موحد نے اسے دیکھا تھا۔

''میں اگر ابھی اپنی گردن کاٹ کر تمہارے قدموں میں رکھ دوں تو تم اسے بھی ٹھوکر مار دو گی مگر اس سچ کو قبول نہیں کرو گی جس کی بدولت تم اس گھر میں موجود ہو''۔ ضبط کی شدت سے بھینچی آواز میں وہ بولا تھا۔

''میں صرف اپنے کسی گناہ کی بدولت اس جہنم میں اپنی سزا کاٹ رہی ہوں' اس وقت گردن کیوں نہیں کاٹی جب میری زندگی پر اپنے نام کی کالک ملی تھی تم نے' مگر تم ایسا کیوں کرو گے' ایک پاکباز عورت پر نظر ڈالتے ہوئے نہ پہلے تمہیں شرم آئی نہ اب مجھ سے نظر ملاتے ہوئے شرم آتی ہے''۔

''آتی ہے مجھے شرم''۔ اس کی یکدم بلند ہوتی آواز پر وہ بری طرح ٹھٹکی' اس کے مزید سیاہ پڑتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''آتی ہے مجھے شرم اس وقت جب اللہ کے گھر میں بھی تمہارا وہم میری عبادت میں خلل ڈالتا ہے' سجدے میں مجھے تمہارا چہرہ نظر آتا ہے' آئینے میں بھی مجھے اپنا عکس دکھائی نہیں دیتا...... شرم آتی ہے مجھے اپنے رب سے یہ شکایت کرتے ہوئے کہ اس نے کیوں ایک عورت کے پیچھے میرے دل کو اتنا مجبور کیا کہ آج وہی عورت دن رات مجھ پر کیچڑ اچھالتی ہے اور میں سمیٹتا ہوں' اب میں چاہتا ہوں کہ وہ تمہارے جیسی نفرت اور سختی میرے دل میں بھی ڈال دے بالکل اسی طرح جس طرح اس نے تمہاری محبت اور جستجو میرے دل میں ڈال دی ہے مگر وہ نہیں سن رہا' مجبور و لاچار تم نہیں' میں ہوں''۔ سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتا وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ آج شاید اس کے ضبط کی انتہا ہو گئی تھی' کیونکہ گزرے دو ماہ میں یہ چیز بھی پہلی بار ہوئی تھی کہ اتنی بلند آواز میں وہ اس کے سامنے یہ سب بول گیا تھا جس کے سامنے' بولنا تو درکنار نظر اٹھانا بھی وہ مشکل تصور کرتا تھا۔

☆

جاب کی ریکوائرمنٹ کے تحت اسے بھی ہر سال کی طرح آج اپنے فزیکل چیک اپ کے لیے ہاسپٹل کا رخ کرنا پڑا تھا' اس کام کے لیے وہ وقت بالکل نہیں

نکال پا رہا تھا مگر بہر حال کل وہ ڈاکٹر سے اپائنمنٹ لینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے شکر ادا کیا تھا کہ ویٹنگ روم خالی تھا' وہ جلد سے جلد اس سو کالڈ فارمیلٹی کو مکمل کر کے یہاں سے بھاگنا چاہتا تھا۔ ریسپشنسٹ کی ہدایت کے مطابق اسے پہلے اپنے ڈاکٹر کے اسسٹنٹ سے ملنا تھا' یہ بات وہ بھی جانتا تھا۔ روم کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے دیکھا تھا کہ ایک عورت نوعمر لڑکے کے ساتھ باہر آ رہی تھی' ان دونوں کے گزرتے ہی اس نے روم میں داخل ہونا چاہا تھا مگر یکدم اس کے قدم رکے تھے' روم کے اندر صرف وہ موجود تھی جس کی پشت ہی وہ دیکھ سکتا تھا۔ ٹیبل کے پاس کھڑی شاید وہ کچھ پڑھنے میں مصروف تھی' چمکتے ہوئے اسٹیپ کٹ بال پونی ٹیل کی شکل میں جکڑے ہوئے' گردن کی سفید جلد پر دمکتی زنجیر تیز روشنی میں نمایاں تھی' سفید و گلابی امتزاج کے لباس کے ساتھ اس کے دائیں شانے پر سفید براق دوپٹہ لٹکتا فرش کو چھو رہا تھا' اونچی ہیل میں وہ اپنی قامت سے زیادہ دراز دکھائی دے رہی تھی' دروازے پر رکا وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ یہیں سے لوٹ جائے یا اس لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کرے اور یہی چیز اسے تذبذب میں مبتلا کر رہی تھی' اس سے پہلے کبھی اس کا سابقہ کسی فی میل اسسٹنٹ سے نہیں پڑا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس کے لیے کسی عورت کا سامنا کرنا یا بات کرنا مشکل تھا' ریزرو اور کافی سنجیدہ ہونے کے باوجود اپنے آفس کی فی میل کولیگز سے اس کے تعلقات کافی نارمل تھے مگر یہاں معاملہ کچھ الگ تھا۔ اسے یہ بھی فکر تھی کہ اگر اس لڑکی نے پلٹ کر اچانک اسے اپنے سامنے دیکھا تو اس کا کیا ری ایکشن ہوگا' کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ اپنے بہت ہی ڈارک کمپلیکشن کی وجہ سے وہ پہلی نظر دیکھنے والے کے لیے کوئی الگ ہی چیز بن جاتا تھا۔

"آپ اندر آ جائیے"۔ ابھی واپس جانے کے لیے اس نے ایک قدم ہی پیچھے ہٹایا تھا جب اس لڑکی کی آواز نے اس کے قدم روکے تھے یقیناً وہ اس کی موجودگی کو محسوس کر چکی تھی اور اگلے ہی لمحے اس کی جانب متوجہ بھی ہو گئی تھی' یکلخت موحد کو اپنے دل کی دھڑکن رکتی محسوس ہوئی تھی' دوسری جانب وہ لڑکی نہ اسے دیکھ کر چونکی تھی نہ اس کے چہرے پر حیرت کا کوئی تاثر تھا اور نہ ہی اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں تحیر ابھرا تھا۔ پروفیشنل مگر سنجیدہ انداز میں اس نے ایک بار پھر موحد کو اندر آنے کے لیے کہا تھا۔ بمشکل اس پر سے نظر ہٹاتا وہ اسی کی تقلید میں آگے بڑھ گیا تھا۔

"آپ اپنے جوتے اتار دیں' مجھے آپ کا ویٹ نوٹ کرنا ہے"۔ اسے ہدایت دیتی وہ سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

کرسی پر بیٹھ کر جوتے اس نے اتارے تھے اور پھر اسے آتے دیکھ کر واپس اٹھ گیا تھا۔

"اپنی جیکٹ بھی اتار دیں"۔ ہاتھ میں موجود شیٹ پر کچھ لکھتے ہوئے وہ بولی تھی اور پھر نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو پتہ نہیں کیوں فوری طور پر اس ہدایت پر عمل نہیں کر سکا تھا۔

"جلدی کریں آپ پہلے ہی کافی لیٹ ہو چکے ہیں ڈاکٹر صاحب انتظار کر رہے ہیں"۔ اس کے لہجے سے ٹپکتی ناراضی نے موحد کو بری طرح شرمندہ کیا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں وہ ویٹ مشین پر تھا اور پھر ہائیٹ چیک کرنے کا مرحلہ بھی مکمل ہوا تھا۔

"اب آپ جوتے پہن لیں اور ریلیکس ہو کر بیٹھیں مجھے آپ کا بلڈ پریشر چیک کرنا ہے"۔ ایک بار پھر اسے ہدایت دیتی وہ ٹیبل کی طرف چلی گئی تھی' جبکہ موحد نے نامحسوس انداز میں اپنی عرق آلود پیشانی کو صاف کیا تھا۔ کمرے کا ماحول کافی سرد ہونے کے باوجود تپش کا حملہ شدید ہوا تھا۔

"کیا آپ پہلی بار اینوول چیک اپ کے لیے آئے ہیں؟" بی پی آپریٹس سیٹ کرتے ہوئے وہ سرسری لہجے میں ہی پوچھ رہی تھی' جواباً موحد کی آواز بند تھی۔ پروفیس اس کے لیے نیا نہیں تھا مگر یہ پہلا موقع تھا کہ اس پروفیس میں کوئی عورت مداخلت کر رہی تھی۔

"کیا جاب کرتے ہیں آپ؟" بی پی چیک کرتے ہوئے وہ دوسرا سوال کر رہی تھی شاید وہ بھی اس کی گھبراہٹ کو محسوس کر چکی تھی اس لیے اسے نارمل رکھنے کی ایک کوشش کی تھی۔ بہر حال بمشکل ہی سہی مختصراً موحد نے اسے اپنی جاب کے بارے میں بتا دیا تھا۔ آخری مرحلہ آئی سائیڈ چیک کرنے کا تھا جس کے بعد موحد نے اپنا رکا سانس بحال کیا تھا۔ جیکٹ پہننے کے بعد وہ اب اس کے اگلے حکم کا منتظر تھا۔

"یہ لیجیے آپ کا فولڈر' اب آپ ڈاکٹر صاحب کے پاس جا سکتے ہیں"۔ اس سے فولڈر لیتے ہوئے موحد نے ایک نگاہ اس کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی تھی اور پھر ڈاکٹر کے روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ واپس اسی روم میں آیا تھا' نظریں اس پر ہی تھیں جو ارد گرد سے غافل پیپر پر کچھ لکھنے میں مصروف تھی' وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے کیا ہوا تھا' کسی ٹرانس میں چلتا ہوا وہ اس کی ٹیبل کے قریب آ رکا تھا جبکہ وہ چونک کر موحد کی طرف متوجہ ہوئی تھی' اگلے ہی پل اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے کہ موحد نے اس سے اس کا نام پوچھا تھا۔ ناگواری کے ساتھ ہی سہی مگر اس نے اپنا نام بتا دیا تھا اور دوبارہ پیپر پر جھک گئی تھی۔ زیر لب اس کا نام دہرانے کے بعد موحد نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا جسے وہ ان سنی کر گئی تھی۔

☆

ہر مرد کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایک ایسی عورت کی آمد ہوتی ہے جس کے سامنے وہ خود کو بے بس تصور کرتا ہے' جس کی ایک جنبش ابرو پر گھٹنوں کے بل اس کے سامنے گرنے کیلئے تیار رہتا ہے۔ وہ خود کو ہمیشہ اس کیٹگری سے الگ رکھنا چاہتا تھا کہ ایسے جذباتی حادثے وہ افورڈ کر ہی نہیں سکتا تھا سو ہمیشہ اس نے خود کو ایک مضبوط خول میں قید رکھا تھا' بہت مشکل تھا اس کے لیے یہ قبول کرنا کہ اچانک وہ خول بری طرح چٹخ کر کمزور ہو چکا ہے' اسے خوف تھا کہ اگر اس نے آنکھیں بند کیں تو وہی چہرہ نمودار ہو جائے گا مگر یہ اور عذاب تھا کہ کھلی آنکھوں سے بھی وہ اس الوژن کو اپنے ارد گرد دیکھتا رہا تھا۔ اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی کسی آئینے میں اسے اپنا چہرہ دکھائی نہیں دیا تھا جو دکھائی دے رہا تھا وہ اس کا دماغ ماؤف کر رہا تھا' ان ہی کیفیات میں گرفتار وہ کوئی کام ٹھیک طرح نہیں کر پا رہا تھا۔ ٹریفک سگنل اس نے پہلی بار توڑے تھے' سارجنٹ تعاقب میں نہ آتا تو اسے پتہ ہی نہ چلتا' بہر حال پہلی بار صبح ہی صبح اس نے اپنا چالان کٹوا لیا تھا۔ آفس میں بھی وہ اکھڑا اکھڑا اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا رہا تھا' اس کے چند قریبی کولیگز نے وجہ جاننے کی کوشش کی تھی مگر وہ کسی کو نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ کس قسم کے اسٹریس اور ڈپریشن میں مبتلا ہے۔

بالآخر اسے اعتراف کرنا پڑا تھا۔ قسمت اس راستے پر اسے لے آئی ہے جس راستے کی جانب وہ دیکھنے کی غلطی بھی نہیں کر سکتا تھا' بہت کوشش کی بہت دل کو سمجھایا مگر ایک انجانی طاقت تھی جو اسے اس راستے سے ہٹنے نہیں دینا چاہتی تھی' دماغ کا رابطہ دل سے ٹوٹ گیا تھا۔ تیسرے ہی دن اس نے خود کو ہاسپٹل کے سامنے کھڑا پایا تھا' سرِ شام اسے ہاسپٹل سے باہر آتے دیکھ کر وہ جیسے زندہ ہوا تھا۔ زندگی وہ تو نہیں تھی جسے وہ اب تک جی رہا تھا' زندگی کی ساری خوبصورتی' ساری کشش تو اس وجود میں مقید تھی جو سفید چادر میں چھپا تھا' اسے دیکھتے ہوئے وہ پتھر کا بت بن گیا تھا جبکہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ایک نگاہِ غلط اس پر ڈالتی سامنے سے گزر گئی تھی اور اس وین میں ان تمام خواتین کے ساتھ بیٹھ رہی تھی جو شفٹ ختم کر کے اس کے ہمراہ ہی نکلی تھیں۔ وین کا تعاقب کرتے ہوئے اس نے خود کو شرم دلانے کی کوشش کی تھی کہ وہ یہ کیا ٹین ایجرز والی

حرکات کررہا ہے مگر...... جس عمارت کے سامنے وین رکی تھی اور جس میں وہ داخل ہوئی تھی اسے دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا تھا' عمارت کی پیشانی پر واضح طور پر لکھا تھا ''وومن پروٹیکشن بیورو''۔ درد کی شدید لہر وہ اپنے دل میں سراٹھاتی محسوس کررہا تھا۔ کیا وہ بھی اس دنیا میں تنہا تھی؟ کیا اس نے بھی کوئی تعلق' کوئی گھر جیسی چیز دنیا میں نہیں دیکھی؟ ایسے بہت سے سوالوں کے جواب وہ جاننا چاہتا تھا مگر کیسے؟ اس پر نظر پڑتے ہی وہ گنگ ہوجاتا تھا' سارا اعتماد غائب ہوجاتا تھا' اسے پتہ ہی نہ چلتا کہ وہ ہاسپٹل سے اس کی پناہ گاہ تک اس کے تعاقب میں کس طرح پہنچ جاتا ہے۔ دوسری جانب وہ بھی انجان نہیں رہی تھی کہ وہ مسلسل کسی کی نظروں کے حصار میں ہے اور کون اس کے تعاقب میں ہے۔ بہت سوچنے کے بعد وہ ایک فیصلے پر پہنچا تھا کہ اس طرح تعاقب کرتے کرتے اپنا امیج مزید خراب نہیں کرنا چاہیے اس کی نظروں میں جو دل کے بہت نزدیک ڈیرہ ڈال چکی تھی۔

☆

اس وقت وہ ادارے کی انچارج کے سامنے موجود تھا۔ اپنے بارے میں اور اپنی آمد کے مقصد کے بارے میں اس نے جس اعتماد کے ساتھ بتایا تھا وہ انچارج کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کافی تھا۔

''سحابہ بہت چھوٹی تھی جب اس کی ماں اس کے ساتھ یہاں آ گئی تھی' اس کی ماں کو اس کے باپ نے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا تھا' کوئی رشتہ دار بھی ایسا نہ تھا جو ان ماں بیٹی کو سہارا دینے کے لیے تیار ہوتا' سحابہ کی ماں نے اس کی تعلیم و تربیت کے لیے خود کو وقف کردیا' اس کی محنت سے ہی آج سحابہ اپنے پیروں پر کھڑی ہے۔ دوسال پہلے اس کی ماں کا انتقال ہوگیا تھا''۔ انچارج بول رہی تھی جبکہ وہ بغور ان کی بات سن رہا تھا۔

''یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے ادارے میں بے سہارا بچیوں کے تحفظ کے ساتھ انھیں تعلیم اور ہنر سے آراستہ کیا جاتا ہے' ان کی شادیاں کی جاتی ہیں مگر ان کی رضامندی کے ساتھ۔ سحابہ خود مختار ہے خود کفیل ہے' اس نے یہاں اپنا کافی وقت گزارا ہے اپنی ماں کے ہمراہ لہٰذا وہ اس جگہ سے بہت انسیت رکھتی ہے ورنہ اس کے لیے مشکل نہیں ہے اس ادارے کو چھوڑنا۔ میں خود چاہتی ہوں کہ وہ اب شادی کرلے مگر وہ مسلسل انکاری ہے۔

آپ نے جو کچھ اپنے بارے میں بتایا ہے اس کے بعد میں بھی کوئی فیصلہ فی الوقت نہیں کرسکتی' مگر پھر بھی میں سحابہ سے آپ کے بارے میں تفصیلاً بات کرتی ہوں''۔ بات ختم کرتے ہوئے انچارج نے اسے کوئی اچھی امید نہیں دی تھی تو مایوس بھی نہیں کیا تھا۔

☆

دو دن تک انتظار کی اذیت سے گزرتے رہنے کے بعد تیسرے دن وہ انچارج کی کال کا انتظار کیے بغیر ان کے سامنے موجود تھا۔ یہ تین دن اس نے کیسے گزارے' یہ وہی جانتا تھا۔

''آپ کا نام سن کر ہی وہ جس طرح غصے میں آئی تھی اس طرح میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا''۔ انچارج بول رہی تھی جبکہ موحد کو لگا تھا کوئی بھاری زنجیروں سے اس کی گردن کس رہا ہے۔

''جو معلومات میں نے آپ کے بارے میں جمع کیں اور جو کچھ آپ نے بتایا تھا میں نے سب کچھ سحابہ کے سامنے رکھا تھا مگر......'' انچارج نے رک کر اس کی ساکت نظروں میں دیکھا تھا۔

''شاید اس کے غصے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ آپ کا بیک گراؤنڈ بالکل بلینک ہے' یہ ٹھیک ہے کہ آپ کو بھی کسی ایسے ہی ادارے نے سپورٹ کیا ہے جہاں سحابہ کی پرورش ہوئی' آپ دونوں آج جس مقام پر ہیں اس تک پہنچنے کی آپ نے بھی بہت جدوجہد کی ہوگی' آپ کو سحابہ سے زیادہ مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہوگا کیونکہ میں جانتی ہوں کہ آپ جیسے افراد کو اداروں سے

باہر معاشرے میں جگہ تو دور کی بات شناخت حاصل کرنے میں بھی دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے' آپ کے بارے میں سب کچھ جاننے کے بعد میں ذاتی طور پر آپ سے بہت متاثر ہوئی ہوں' مگر مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ ہر چیز کے باوجود آپ میں اور سحابہ میں ایک فرق موجود ہے جو کسی بھی طرح نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور وہ یہ کہ سحابہ کو اپنے باپ کے بارے میں اور اپنے شجرہ نسب کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے''۔ انچارج کے آخری جملے نے اسے کسی تذلیل کی اذیت سے دوچار کیا بھی تھا تو وہ اس اذیت کا عادی اُس وقت سے تھا جب اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ایک انسان کیلئے اس کا باپ اور اپنے نام کے ساتھ اُس کے نام کی اہمیت کیا ہوتی ہے۔

''کیا آپ ایک بار میری ان سے ملاقات کروا سکتی ہیں؟ میں ایک بار خود ان سے بات کرنا چاہتا ہوں''۔ وہ بمشکل یہ التجا کرسکا تھا جبکہ اس کے آس امید بھرے لہجے نے انچارج کو انکار کرنے سے روک دیا تھا۔

☆

''وہ بہت مشکل سے تم سے بات کرنے کے لیے راضی ہوئی ہے اور میرا خیال ہے کہ میری غیر موجودگی میں تم بہتر طریقے سے اسے کنونس کرسکتے ہو''۔ انچارج نے کہا تھا۔

خاموشی و اضطرابی کیفیت میں وہ روم کا جائزہ لیتا چونک کر دروازے کی سمت متوجہ ہوا تھا اور اگلے ہی پل اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا تھا جس کی آمد نے جیسے ہر طرف روشنیاں بکھیر دی تھیں۔ سرد نظروں سے اسے دیکھتے وہ بالمقابل آ رکی تھی۔

''ہاسپٹل کے بعد اب یہاں اپنا پوسٹ مارٹم کروانے آئے ہو؟ مجھ سے پہلے اور کتنی عورتوں کا جینا حرام کیا ہے تم نے؟'' اس کے سلگتے لہجے پر وہ بس ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرا تعاقب کرکے نظر بند کرنے کی' شکر کرو میں نے تم پر Harassment کا کیس نہیں کیا' اس طرح اریسٹ کرواؤں گی کہ سارا جنون اتر جائے گا''۔

''میں اپنی غلطی مانتا ہوں' میں نے آپ کا تعاقب کیا ہے مگر میرا مقصد آپ کو Harass کرنا ہرگز نہیں تھا''۔ وہ بڑی طرح دنگ ہوا تھا۔

''آپ جان چکی ہوں گی میرے یہاں آنے کا مقصد صرف اور صرف ایک ہی ہے' آپ تک آنے کے لیے میرے ارادے غلط نہیں تھے' ہو بھی نہیں سکتے''۔

''مجھے تمہارے مقاصد سے کوئی سروکار نہیں ہے' ہو کیا تم؟ اوقات کیا ہے تمہاری؟'' وہ یکدم ہی بھڑک اٹھی تھی۔

''یہاں تک پہنچنے کے لیے تم نے جتنا وقت برباد کیا ہے اگر وہ وقت اپنا نام و نشان ڈھونڈنے میں خرچ کرتے تو کیا یہ بہتر نہیں ہوتا؟'' اس کے زہرخند لہجے پر موحد کے چہرے کی تاریکی بڑھی تھی۔

''عورت کی ضرورت ہے تو جا کر ڈھونڈو کوئی اپنے جیسی' مجھے کیوں پریشان کرکے رکھا ہوا ہے''۔

''میں نے آپ کو پریشان کیا ہے تو اس کے لیے مجھے معاف کردیں' میں آپ سے شادی کا خواہشمند ہوں''۔ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بمشکل بولا تھا۔

''میرے سامنے اپنی خواہش بیان کرنے سے پہلے آئینہ دیکھا تھا تم نے؟'' وہ شدید ناگواری سے بولی تھی۔

''میں جو ہوں جیسا ہوں اور میری جو حقیقت ہے یہ سب اللہ کی مرضی سے مجھے ملا ہے اور اس پر مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے''۔

''تمہیں اپنے ماں باپ کا نام نہیں معلوم' اس پر بھی کوئی شرمندگی نہیں ہے؟'' وہ تلخ لہجے میں پوچھ رہی تھی جواباً موحد کی خاموش نگاہوں نے اس کے چہرے کے گرد طواف کیا تھا۔

"کچھ اور کہنا ہے تمہیں؟" گردن اکڑائے وہ نخوت بھرے لہجے میں سوال کر رہی تھی۔

"آپ کسی سے بھی شادی نہیں کریں گی یا صرف مجھ سے ہی شادی نہیں کرنا چاہتیں؟"

"تم اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے ہو کہ تمہارا مقابلہ کسی دوسرے انسان سے کیا جائے؟" وہ ناگواری سے اسے دیکھتے بول رہی تھی۔

"تم یہ سوچ بھی کیسے سکتے ہو کہ مجھ جیسی کوئی عورت تم جیسے شخص سے کوئی تعلق جوڑ سکتی ہے جسے نہ اپنے کل کا پتہ ہے نہ آج کی خبر ہے میرے پاس تمہارے لیے انکار کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا"۔ تند و تیز لہجے میں وہ اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ گئی تھی۔

"سحابہ! میں آپ سے محبت کرتا ہوں"۔ بے اختیار وہ بولا تھا جبکہ سحابہ نے رک کر دنگ نظروں سے اس کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"میں جانتا ہوں میں آپ کے قابل نہیں ہوں نہ ہی میں آپ کے ظرف کو امتحان میں ڈالنا چاہتا ہوں' میں خود نہیں جانتا کہ یہ سب کب اور کیسے ہو گیا۔ میں سیاہ رو ضرور ہوں مگر اللہ نے میرے دل کو سیاہ نہیں بنایا ہے' محبت صرف سفید انسانوں کی میراث نہیں ہے اور نہ ہی محبت کرنے کا حق صرف انہیں حاصل ہے جو اپنا حسب نسب جانتے ہیں' میں نہیں جانتا انہیں جو مجھے دنیا میں لانے کا سبب بنے مگر میں جانتا ہوں اس رب کو جس نے مجھے دنیا میں بھیجا ہے اور سفید و سیاہ سے بالاتر رکھ کر سب انسانوں کو برابر کا درجہ دیا ہے آپ کو حق ہے انکار کرنے کا' آپ کو حق ہے خود پر فخر کرنے کا مگر اپنی ذات کا فخر بیان کرتے وقت آئندہ بس اس چیز کا خیال رکھیے گا کہ فخر اور غرور کے درمیان بہت باریک لکیر ہوتی ہے"۔ سرد لہجے میں بات ختم کر کے بھی اس نے سحابہ پر ایک نگاہ تک نہ ڈالی تھی اور تیز قدموں کے ساتھ روم سے نکل گیا تھا جبکہ ناگواری سے سر جھٹکتے ہوئے سحابہ کا حلق تک کڑوا ہو چکا تھا۔

☆

کھڑکی کے بند شیشوں کے پار بارش کی تیزی اور بادلوں کی گڑگڑاہٹوں نے بھی اس کے اندر پھیلے سناٹے کو نہیں توڑا تھا۔

"یہ سچ ہے کہ محبت بہت خوبصورت ہوتی ہے مگر ہر کسی کیلئے خوبصورت نہیں ہوتی' یہ اس سے بھی بڑا سچ ہے"۔ شیشے پر پھسلتے قطروں کو گنتے ہوئے اسے اپنے دل پر بھی کچھ گرم قطرے گرتے محسوس ہو رہے تھے۔ محبت جب تذلیل بننے لگے تو اس سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے مگر کیا یہ اتنا آسان ہے؟ خود سے سوال کرتے ہوئے اس نے کھڑکی کھول دی تھی' بارش کی تیز بوچھاڑوں نے بھی اس کی جلتی آنکھوں اور سلگتے سینے کو ٹھنڈا نہیں کیا تھا۔

☆

"اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے تین دن پہلے"۔ انچارج نے جو روح فرسا خبر اسے دی تھی حقیقتاً وہ سانس لینا بھول گیا تھا۔ تین دن سے وہ اذیت میں تھا' اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ گزری دو راتیں کیوں پل صراط بنی تھیں۔

"حادثے میں اسے اندرونی چوٹیں آئی ہیں مگر ریڑھ کی ہڈی زیادہ متاثر ہوئی ہے جس کے باعث وہ بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی ہے' اس کے علاج پر بہت لاگت آ رہی ہے اور ہمارے ادارے کے پاس پہلے ہی فنڈز کی بہت کمی ہے' اس کے باپ نے کبھی پلٹ کر خبر تک نہیں لی کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں سو اس سے رابطہ کرنا بے سود ہو گا۔ مجھے یقین تھا کہ تم اس کی مدد کرو گے اس لیے تمہیں بلایا ہے' اگر تم راضی ہو تو میں پہلے تمہارے اور اس کے نکاح کا انتظام کرتی ہوں' اس کے بعد وہ مکمل تمہاری ذمہ داری ہے جیسا کہ تم چاہتے بھی تھے"۔ کوئی شک نہیں تھا کہ وہ انچارج سحابہ کا بوجھ جلد از جلد اس کے کندھوں پر ڈال کر بری الذمہ ہونا چاہتی تھی۔

"اس کے علاج کے لیے میں سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں مگر بدلے میں مجھے کچھ نہیں چاہیے' وہ مجھے ناپسند کرتی ہے' میں یہ کام کر ہی نہیں سکتا جس میں اس کی مرضی بھی شامل نہیں ہو گی"۔ وہ بولا تھا۔

"میں نے سحابہ کو سمجھایا ہے' اس کی مرضی سے ہی میں نے تم سے یہ بات کی ہے' یہی سحابہ کے حق میں بہتر ہے"۔ انچارج کے انکشاف نے اسے دنگ کیا تھا۔

"راضی ہونے کے سوا وہ اور کچھ نہیں کر سکتی اور میرے نزدیک اس کے لیے تم سے بہتر شخص کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا' سوشل ورک کرنے سے بہتر ہے کہ تم اس سے نکاح کرو اور اسے اپنانے کا یہ موقع مت ضائع کرو"۔ انچارج کے سمجھانے والے انداز پر وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

☆

اس کی بے رونق آنکھیں اوپر چھت پر ساکت تھیں۔ سفید چادر میں چھپا اس کا وجود بے حس و حرکت تھا' بغور دیکھنے کے باوجود موحد کو اس کے چہرے پر زندگی کی رمق تک دکھائی نہیں دی تھی۔ وہ پہلے اس کے درد کو صرف محسوس کر سکتا تھا مگر اب اس کے ساتھ ہی اس اذیت سے گزر رہا تھا جس میں وہ جکڑی ہوئی تھی۔

"کیا تم میری طرف دیکھو گی؟" موحد کے سوال پر اس کی آنکھوں کی ساکت پتلیوں میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

"میں جانتا ہوں تم میرا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتی ہو' مجھ سے اور زیادہ نفرت محسوس کر رہی ہو' مگر یہ سچ ہے کہ میرے ہر عمل میں تمہارے لیے محبت و خلوص جیسے جذبوں کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے"۔ بہت مدھم لہجے میں بولتا وہ اس کی ایک نگاہ کا منتظر تھا۔

"میرا یقین کرو' اللہ نے تمہاری محبت میرے دل میں ڈال دی ہے' بے شک تم مجھے ایک نظر بھی نہ دیکھو مگر مجھ سے نفرت نہ کرو' تمہیں مجھ سے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی' میرے پاس جو کچھ ہے سب تمہارا ہے' تمہاری خوشیوں کے لیے میں خود کو گروی رکھوا دوں گا مگر تمہیں مایوس نہیں کروں گا کیونکہ یہ سب مجھ پر فرض ہو چکا ہے' میری سانسوں' میری دھڑکنوں کا اختیار بھی تمہارے پاس ہے' میرے پاس لفظوں کا خزانہ نہیں ہے شاید کبھی میں تمہیں بتا سکوں کہ تم میرے لیے کیا ہو' تمہارے لیے میرے دل میں کیا کچھ چھپا ہے"۔ مدھم لہجے میں بولتا وہ چند لمحوں کے لیے رکا تھا۔

"تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گی' میں اللہ سے دعا کر رہا ہوں' میں کل ہی تمہیں شہر کے بہت اچھے ہاسپٹل میں شفٹ کروں گا' وہاں تمہارا ٹریٹمنٹ بہت کوالیفائیڈ ڈاکٹرز کریں گے"۔ وہ اب اسے تسلی دے رہا تھا جو بدستور چھت پر نگاہ جمائے اس کے وجود سے ہی غافل تھی۔

☆

دوسرے ہی دن وہ جس ہاسپٹل میں شفٹ ہوئی تھی وہاں چند دن بعد ہی اس پر چھایا سکوت ٹوٹ گیا تھا یا تو وہ اپنے علاج کے معاملے میں سنجیدہ نہیں تھی یا پھر وہ موحد کو لوہے کے چنے چبانے پر مجبور کرنا چاہتی تھی۔ اپنے معالج سے اس کا تعاون زیرو تھا' نرسز سے اس کا رویہ خراب تھا۔ ہر روز موحد کے سامنے اس کی شکایتوں کا پلندہ تیار ہوتا تھا' اسے سمجھانے کی کوشش کرنا موحد کے لیے بالکل بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف تھا۔ نہ وہ اس کی جانب دیکھتی تھی نہ ہی اس کی کسی بات کا جواب دیتی تھی' بس ایک ہی فیصلہ اس نے ایک جملے میں سنا دیا تھا کہ وہ "ہاسپٹل میں نہیں رہنا چاہتی"۔

اس کی ڈھٹائی کو دیکھتے ہوئے موحد نے ڈاکٹر سے بات کی تھی اور پھر یہ طے ہوا تھا کہ ہاسپٹل کے بجائے اسے گھر میں ہی رکھا جائے مگر پابندی کے ساتھ اسے ٹریٹمنٹ کے لیے ہاسپٹل لے جانا ہو گا حالانکہ یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔ سحابہ کو گھر میں رکھنے کے لیے اس کے ساتھ ایک عورت کا اس کی دیکھ

بھال کیلئے موجود ہونا لازمی تھا۔ موحد کو اپنے گھر میں کام کرنے والی ملازمہ سے درخواست کرنی پڑی تھی جو کہ اس کام کیلئے راضی ہوگئی تھی۔ سحابہ کو پہلی بار اپنے گھر میں لاتے ہوئے جہاں وہ مختلف پریشانیوں اور اندیشوں میں گھرا تھا وہیں دل میں ایک انوکھی سی خوشی بھی تھی' اپنا گھر جو اسے دنیا سے زیادہ عزیز تھا وہاں اس عورت نے قدم رکھنا تھا جو اسے زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہو چکی تھی' اسے یقین تھا کہ وہ اپنے حسن سلوک اور محبت سے سحابہ کو اس بات پر قائل کرلے گا کہ وہ اپنے علاج سے لاپروائی نہ برتے۔ یہ حقیقت جاننے میں موحد کو زیادہ وقت نہیں لگا تھا کہ وہ ایک بہت مشکل عورت ہے' مگر اس چیز کا اسے اطمینان تھا کہ جس اللہ نے اس عورت کی محبت دل میں ڈالی ہے تو یقیناً اللہ اسے سنبھال کر رکھنے میں بھی اس کے لیے آسانیاں پیدا کرے گا۔

اپنے گھر میں سحابہ کا پہلا دن اس کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل تھا' اس رات بغیر کسی جھجک کے موحد نے اپنا دل اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا' اسے معلوم تھا کہ وہ اس کی کسی بات کو نہ خاطر میں لائے گی نہ یقین کرے گی نہ ہی کوئی تبصرہ کرے گی لیکن پھر بھی وہ اس کے سامنے اقرار کرتا رہا تھا' اپنی بے تابیاں' اپنے جذبات وہ مزید اس سے چھپا نہیں سکا تھا اور اسی دوران محبت کی شدت میں کسی کمزور لمحے کی زد میں آ کر اس نے پہلی بار سحابہ کا ہاتھ تھام لیا تھا اور یہی لمحہ جیسے قیامت بن گیا تھا' وہ جو اب تک کان بند کیے دیوار کو تک رہی تھی اس کے چھوتے ہی شعلوں کی طرح بھڑک اٹھی تھی' اس کی چیخوں اور چنگھاڑوں سے در و دیوار گونج اٹھے تھے' زبان کے قفل کیا ٹوٹے اس کے جو منہ میں آیا وہ بولتی چلی گئی تھی اور دم بخود بت بنا موحد اس کی زہر افشانیاں سنتا رہا تھا' پتہ نہیں کب تک وہ چیختی چلاتی اس کے پرخچے اڑاتی رہی تھی اور جب تھک گئی تو روتے روتے اس نے فجر کر دی تھی۔ جانے کس دباؤ' کس جھونکے میں وہ ایجاب و قبول سے گزر گئی تھی' جس کا پچھتاوا اس کے ایک ایک لفظ سے جھلک رہا تھا۔ اپنے ساتھ ساتھ موحد کو بھی سزاوار بنا کر وہ فیصلہ بھی سنا گئی تھی کہ جس دن وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوگئی موحد کو اسے طلاق دینی ہوگی اور یہ فیصلہ وہ آنے والے دنوں میں بھی اسے ذہن نشین کرواتی رہی تھی۔

☆

اچانک ابھرتی تیز چیخ نے اسے حواس باختہ کیا تھا جو وہ کمرے کی طرف گیا تھا اور رکے بغیر سرعت سے اس کی جانب جو بیڈ سے نیچے گری ہوئی تھی۔ موحد کا دل آہنی شکنجے میں جکڑ گیا تھا اس کی روتی چیختی آوازوں پر۔

''مت ہاتھ لگاؤ مجھے' نہیں چاہیے مجھے تمہارا سہارا''۔ موحد نے اسے اٹھانا چاہا تھا جو وہ اس کا ہاتھ جھٹکتی چیخی تھی اور زار و قطار رونا شروع کر دیا تھا۔ دوسری جانب وہ چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا تھا مگر پھر کسی کانچ کے برتن کی طرح اسے ہاتھوں میں سنبھال کر بیڈ پر منتقل کر دیا تھا۔

''میری ماں! تو نے مجھے کیوں پیدا کیا۔ میرے اللہ! مجھے بخش دے یا مجھے نجات دے اس زندگی سے''۔ تکیے پر سر پٹختی وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی اس سے پہلے کہ مزید کچھ کہتی موحد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''اس طرح نہیں بولتے سحابہ! سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا''۔ وہ بمشکل بولا تھا۔

''کچھ ٹھیک نہیں ہوگا اب' سب کچھ ختم ہوگیا''۔ آنکھوں سے بھل بھل بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ کراہی تھی۔

''میں نے دن رات چھوٹی چھوٹی نوکریاں کر کے ڈگری لی' جاب کے لیے دھکے کھائے اور جب ایک اچھی جاب ملی تو...... میں پھر وہیں پہنچ گئی ہوں جہاں سے چلی تھی' کچھ نہیں رہا میرے پاس''۔ بلند سسکیوں کے درمیان بولتی وہ اس کے دل کو پگھلائے جا رہی تھی۔

''مایوس مت ہو' اللہ اپنے اسی بندے کو صعوبتوں میں ڈالتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے' تم بہت آزمائشوں سے گزری ہو' اس آزمائش سے بھی گزر جاؤ گی' زیادہ دن نہیں لگیں گے''۔ بے اختیار ہی اس کے آنسو انگلیوں میں سمیٹتا وہ تسلی دے رہا تھا۔

''یہ آزمائش نہیں ہے' میرے گناہوں کی سزا ہے' میں نے تمہیں بہت بے عزت کیا ہے' بہت تکلیف پہنچائی ہے تمہارے دل کو' مجھے معاف کر دو''۔ ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اپنے ہاتھ جوڑے شدت سے رو رہی تھی۔

''میں تم پر بوجھ نہیں بننا چاہتی' مجھے بس میری ماں کے پاس جانا ہے' تم نے کہا تھا تم مجھ سے محبت کرتے ہو' تمہیں اسی محبت کا واسطہ ہے مجھے زہر لا کر دے دو' میں لکھ دوں گی کہ میں نے خود......''

''ایسا سوچنا بھی مت' تم یہ کام کر کے مجھے بے موت مارنا چاہتی ہو' ابھی تم اللہ سے بخشش مانگ رہی تھیں اور اب اس گناہ کا ارادہ کر کے اسے ناراض کرنا چاہتی ہو؟'' اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''وہ اب بھی کہاں راضی ہے مجھ سے۔ مجھے بے یار و مددگار چھوڑ کر دوسروں کا محتاج کر دیا ہے''۔ وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''میری ساری دعائیں ساری التجائیں ایسے ہی واپس لوٹ کر آ رہی ہیں''۔

''اللہ نے ہرگز تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا' مایوسی سے الگ ہو کر ذرا سوچو' کیا وہ تمہیں دن رات تمہارے حصے کا رزق تم تک نہیں پہنچا رہا؟'' اس کے چہرے کے گرد ہاتھ رکھے وہ نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

''جس تکلیف میں تم ہو کیا اسے دور کرنے کے لیے اللہ نے کوئی انتظام نہیں کیا؟ کل تک تم اپنی مرضی سے اپنے ہاتھوں کو حرکت نہیں دے سکتی تھیں مگر آج اس نے ہی تمہیں اس قابل کیا کہ تم اپنے ہاتھوں سے کھاتی پیتی ہو اور تم جانتی ہو آنے والے کل میں کیا ہوگا؟'' اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتا وہ بول رہا تھا۔

''کل تم خود اپنے پیروں پر چلنے پھرنے لگو گی' ایکدم سے تو سب کچھ ٹھیک نہیں ہو سکتا' آہستہ آہستہ ترتیب کے ساتھ ہوگا اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا' اس نے تمہیں کسی کا محتاج نہیں بنایا' میں تمہارے ساتھ ہوں مگر کیا میں تمہارے لیے یہ سب کچھ کر سکتا ہوں؟ میں تو خود اس کا محتاج جس کی محتاج تم ہو' ہر انسان ہر مخلوق ہے...... وہ اپنے کسی بندے سے لاتعلق نہیں ہے' وہ ابھی تمہارا اتنا خیال رکھ رہا ہے تو جب تم مکمل صحت یاب ہو جاؤ گی پھر کتنے راستے کامیابی کے تم پر کھول دے گا' تمہیں اپنا گزرا کل یاد آ رہا ہے تو بھروسہ رکھو اس کی ذات پر' آنے والا کل گزرے کل سے زیادہ بہتر ہوگا' جس جاب کے کھو جانے کا تمہیں غم ہے اس سے زیادہ بہتر جاب تمہیں مل جائے گی۔ مایوسی سے خود کو بچا کر کوشش کرو گی تو یہ مشکل وقت گزرنے میں وقت نہیں لگے گا' تمہیں آرام کرنے کا کافی وقت اللہ نے دے دیا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم آرام طلب بن جاؤ اور تمہارا وزن کسی پہاڑ کے برابر ہو جائے''۔ وہ سنجیدہ انداز میں ہی بولا تھا۔

''میں کوشش کرتی ہوں''۔ وہ کمزور آواز میں بولی تھی۔

''کہاں کوشش کرتی ہو' تمہاری ساری توانائی تو رونے اور غصے میں ہی خرچ ہو جاتی ہے''۔ مسکراتے لہجے میں بولتا وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا مگر اگلے پل خاموش ہوا تھا بغیر پلک جھپکے وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی' چند لمحے ایسے ہی خاموشی میں گزر گئے تھے اس سے پہلے کہ وہ ان گہری سیاہ آنکھوں کے سحر میں جکڑ جاتا کال بیل کی گونج نے حواس بیدار کر دیئے تھے۔

''میرا خیال ہے زینت آ چکی ہے' کچھ دیر کے لیے اپنے گھر گئی تھی' میں اسے تمہارے پاس بھیجتا

ہوں"۔ اس سے نظر چرائے بولتا وہ اس کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔

☆

صوفے پر دراز وہ سامنے ہی قد آدم سائز کی کھڑکیوں سے نظر آتے آسمان کو تک رہی تھی۔ ننھے ننھے ٹمٹماتے ستاروں کے جھرمٹ میں چمکتا پورا چاند اسے انتہائی قریب محسوس ہو رہا تھا' چہرے سے ٹکراتے نرم ہوا کے جھونکوں نے اس پر پرسکون سی غنودگی طاری کردی تھی' ہر سمت گہری خاموشی پھیلی تھی' تب ہی قدموں کی مخصوص چاپ اسے سنائی دی تھی اور اس کی بوجھل پلکیں مکمل بند ہوتی چلی گئی تھیں۔ اس کی ملازمہ کچھ دیر پہلے اجازت لے کر جا چکی تھی' کسی وجہ سے وہ آج رات سحابہ کے پاس نہیں رک سکتی تھی' اس نے اب صبح ہی موحد کے گھر سے جانے سے پہلے آنا تھا۔ کچھ فاصلے پر رک کر موحد نے اسے دیکھا تھا' صرف چاند کی دودھیا روشنی میں نہایا اس کا وجود دھڑکنوں کو روکنے کے لیے کافی تھا۔ بند پلکوں کے تھرکتے سائے اور چہرے پر پھیلا خمار--- ساکت نظروں سے اسے دیکھتا وہ کسی طلسم کے حصار میں تھا۔ ٹھنڈی چاندنی میں بھیگے اس کے خوابناک چہرے کو چھو کر محسوس کرنا' صحرا کی تپتی ریت پر برس کر پیاس بجھانے والی نرم پھوار جیسا پُرکیف ہوسکتا تھا مگر سورج کی جھلساتی شعاعوں جیسا اذیت ناک بھی تو ہوسکتا تھا۔ بمشکل اس کے دلکش نقوش سے نگاہ ہٹاتا وہ گہری سانس لیتا کھڑکیوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔ کھلے آسمان پر بکھری قدرت کی رعنائیوں کو دیکھتے ہوئے وہ ایک پل کو چونکا تھا اور پھر پلٹ کر اسے دیکھا تھا جس کی کھلی آنکھیں اس پر ہی مرکوز تھیں۔

"مجھے لگا تم گہری نیند میں ہو' سوچ رہا تھا تمہیں ڈسٹرب کروں یا نہیں کیونکہ یہ جگہ تمہارے لیے ٹھیک نہیں' تمہیں بیڈ پر سونا چاہیے"۔ کچھ گڑبڑا کر وہ بولا تھا۔

"سنو--- تمہیں کیا حاصل ہوا مجھے اپنے گھر میں رکھ کر؟ ایک نہ ایک دن تو مجھے یہاں سے چلے ہی جانا ہے"۔ اس کے سپاٹ لہجے پر وہ چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا تھا۔

"تم نے میرے لیے جو کچھ کیا ہے اس کے بعد بھی میرے قدم نہیں رکیں گے اور یہ تم جانتے ہو"۔ وہ مزید بولی تھی۔

"کیا حاصل ہوا اور کیا کھویا' یہ سب میں کبھی اس دن سوچوں گا اور تمہارے قدموں کو روکوں گا بھی نہیں"۔ وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔

"میرے جانے کے بعد تم کسی دوسری عورت کو اس گھر میں لے آنا"۔ اس کے مشورے پر موحد نے اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ تمہارے بعد میں کسی دوسری عورت کی جانب دیکھنے کے قابل بھی رہا ہوں؟" اس کے سنجیدہ سوالیہ لہجے پر وہ ایک پل کو رکی تھی۔

"میں نے تم جیسا کوئی دوسرا انسان اپنی زندگی میں نہیں دیکھا"۔ اس پر نظر جمائے وہ بولی تھی جو لائٹ آن کرنے کے بعد واپس کھڑکی کی سمت آ رہا تھا۔

"تم نے اپنے ماں باپ کے بارے میں جاننے کی انہیں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"ایک عرصہ اس کوشش میں گزرا ہے' اپنی شناخت اپنی پہچان ایک مرد کے لیے کیا اہمیت رکھتی ہے یہ میرے جیسا انسان زیادہ بہتر جانتا ہے' مگر باپ کی موجودگی میں اس کی شفقت سے محروم رہ جانے کا درد جو تمہارے دل میں ہے اسے بھی میں محسوس کر سکتا ہوں"۔ اس کے گہرے سنجیدہ لہجے پر سحابہ کے چہرے پر ایک سایہ لہرا گیا تھا۔

"میں اپنے باپ کے بارے میں تم سے کچھ نہیں سننا چاہتی"۔ وہ سرد لہجے میں بولی تھی۔

"بس ایک سوال پوچھوں گا اگر انہوں نے کبھی تم سے معافی مانگی تو کیا تم انہیں معاف کر دو گی؟" ... جانے کیوں یہ سوال کر رہا تھا۔

"انہیں معاف کر دینے سے میرا مسخ شدہ بچپن لوٹ کر نہیں آئے گا' نہ زخم بھریں گے' نہ میری ماں قبر سے نکل آئے گی"۔ اس کے تلخ لہجے پر وہ خاموش رہا تھا۔

"کیا تم اپنے ماں باپ کو معاف کر سکتے ہو جو تمہیں نہ نام دے سکے نہ مقام؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"نہیں ----- میں نے انہیں معاف نہیں کیا ہے' لیکن مجھے معلوم ہے کہ قیامت کے دن جب میں انہیں دیکھوں گا اور جب مجھے ان سے سوال کرنے کا اختیار دیا جائے گا تو میں ان سے کوئی شکایت' کوئی سوال نہیں کر سکوں گا"۔ فرش پر نظر جمائے وہ بولا تھا اور پتہ نہیں کس سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ خاموشی کے ساتھ وہ اسے دیکھے گئی تھی' سیاہ رنگ کی شرٹ کی آستین کہنیوں تک چڑھائے سینے پر ہاتھ لپیٹے وہ کھڑکی کے کھلے پٹ سے پشت ٹکائے جانے کہاں گم تھا۔ اس کے چہرے کے عقب میں پھیلا آسمان اس کے چہرے سے زیادہ تاریک نہیں تھا مگر یہ ایک عجیب سی بات تھی کہ اس کے چہرے کے بالکل قریب نمایاں ہوتا چاند اس کے چہرے سے زیادہ پرکشش نہیں لگ رہا تھا۔ پہلے سحابہ کو شک تھا کہ اتنا صبر' اتنا ضبط اس دنیا کے کسی انسان میں نہیں ہوسکتا تھا مگر اس وقت سحابہ کو یقین ہو رہا تھا کہ وہ واقعی کوئی ماورائی مخلوق تھا۔ یکدم اس نے موحد کو چونکتے دیکھا تھا سو وہ اپنی آنکھیں بند کر گئی تھی' کچھ دیر بعد سحابہ نے دیکھا تو وہ کھڑکیاں بند کرتا اس کی طرف آ رہا تھا' بہت احتیاط کے ساتھ اس کے ہلکے نیلے لبادے میں قید وجود کو بازوؤں میں اٹھائے وہ کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

"تم نے طلاق کے پیپرز بنوائے؟" وہ اس کا سر تکیے پر رکھ رہا تھا جب یکدم اس نے پوچھا تھا جواباً ایک پل کو رک کر موحد نے اس کی بے رحم آنکھوں میں دیکھا تھا اور پھر خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"تم جب تک مجھے جواب نہیں دو گے میں دن رات یہ سوال دہراتی رہوں گی"۔ اس کی خاموشی پر وہ بولی تھی۔

دوسری جانب وہ ان سنی کیے اس پر کمبل پھیلا رہا تھا تب ہی کال بیل کے ساتھ باہر دروازہ دھڑ دھڑانے کی آواز بھی گونجی تھی۔ سحابہ کی نظریں وال کلاک کی سمت گئی تھیں جبکہ موحد خود بھی حیران ہوتا کمرے سے نکلا تھا۔ رات کے اس وقت کس کی آمد ہو سکتی تھی؟ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ کچھ عجیب سا شور باہر ابھرا تھا۔ سحابہ کی نظریں دروازے کی سمت ہی تھیں اگلے ہی پل اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا' دندناتے ہوئے کچھ اجنبی چہرے کمرے میں گھسے تھے' اندر آتے ہی ایک شخص نے بیڈ پر زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے بیڈ سمیت سحابہ کو ہلا ڈالا تھا اور اگلے ہی لمحے وہ سحابہ کو بری طرح کھینچتا ایک ہی جھٹکے میں زمین پر پٹخ چکا تھا۔ اس کے حلق سے چیخیں بلند ہو گئی تھیں جب وہ تینوں مرد موحد کی مزاحمت پر اسے قابو کرتے زمین پر گرا چکے تھے۔

"آواز بند کرواؤ اِس کی"۔ موحد کو چھوڑ کر ایک شخص دھاڑتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا جو کمبل سمیت منہ کے بل گری ہوئی تھی۔

"اس کے قریب مت جانا"۔ بری طرح بپھر کر خود کو آزاد کرواتا وہ اٹھا ہی تھا جب ایک شخص نے ریوالور کی ضرب اس کے سر پر مار کر اسے گرا دیا تھا' دوسری جانب اس شخص کی پے در پے ٹھوکروں نے سحابہ کی آواز واقعی بند کر دی تھی' شدید اذیت نے اسے ادھ موا کر ڈالا تھا۔

"ہم یہاں کسی کی جان لینے نہیں آئے ہیں' پولیس ہمارے تعاقب میں ہے اور وہ جب تک باہر موجود ہے حلق سے آواز مت نکالنا"۔ موحد کی خون میں تربتر پیشانی پر ریوالور رکھے وہ شخص غرایا تھا اور پھر اسے کھینچ کر دیوار کے ساتھ لگا دیا تھا۔ اس دوران ایک شخص نے ہر کھڑکی دروازہ اور لائٹیں بند کر دی تھیں۔ اب کمرے میں صرف نائٹ بلب کی مدھم روشنی پھیلی تھی۔ مسلسل

سحابہ کی گھٹی گھٹی ابھرتی کراہیں اسے شدید اضطراب میں مبتلا کر رہی تھیں مگر وہ کچھ نہیں کر پا رہا تھا' اس پر ریوالور تانے ایک شخص سر پر کھڑا اسے جنبش بھی نہیں کرنے دے رہا تھا' جبکہ باقی دونوں مرد وقتاً فوقتاً پردے کی آڑ سے کھڑکی کے باہر کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔

''میں نے تم دونوں سے کہا بھی تھا کہ ایک رات میں دو وارداتیں کافی ہیں مگر تم دونوں نے میری ایک نہیں سنی' اب بھگتو...... پولیس کی گاڑی اسی علاقے میں گھوم رہی ہے''۔ ان میں سے ایک اپنے ساتھیوں پر غرایا تھا۔

''فکر مت کرو' پولیس باہر کب تک ہمارا انتظار کرے گی' ساری رات بھی یہاں رکنا پڑا تو یہ ہے ناں ہماری میزبانی کرنے کیلئے''۔ جواباً ایک شخص نے بولتے ہوئے استہزائیہ نگاہوں سے موحد کو دیکھا تھا۔

''تم لوگوں کو جو کرنا ہے کرو مگر مجھے میری بیوی کے پاس جانے دو' وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتی اسے میری ضرورت ہے''۔ غصے کو ضبط کرنے کے باوجود اس کی آواز بلند ہوگئی تھی۔

''اپنی زندگی عزیز ہے تو خاموش بیٹھو ورنہ''۔ سر پر کھڑے شخص نے دھمکایا تھا۔

''مجھے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں ہے تم شوق سے مجھ پر فائر کر کے پولیس کو یہاں آنے کی دعوت دو مگر مجھے اب ہر حال میں اُس کے پاس جانا ہے''۔ بھنچے لہجے میں وہ بولا تھا اور اگلے ہی پل اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔

''رک جاؤ''۔ ریوالور تانے کھڑا شخص غرایا تھا۔

''جانے دو اسے''۔ کھڑکی کے پاس کھڑے شخص نے اپنے ساتھی کو روکا تھا۔

''کوئی ہوشیاری مت دکھانا' تمہیں اپنی بیوی کی زندگی تو پیاری ہوگی''۔ وہی شخص بولا تھا جبکہ وہ سرعت سے سحابہ کی طرف بڑھا تھا' اس کے بازوؤں میں سمٹتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر چکی تھی۔

''اس کی آواز بند کرواؤ ورنہ گلا گھونٹ دوں گا اس کا''۔ ایک شخص دھاڑا تھا۔

''اس سے پہلے میں تمہارا ریوالور تم پر خالی کر دوں گا''۔ موحد نے خونخوار نظروں سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

''خطرہ ٹلنے دو اس کے بعد دیکھتا ہوں تمہیں''۔ اس شخص کا اشارہ یقیناً پولیس کی طرف تھا تب ہی کچھ دیر پہلے وہ شخص جو کمرے سے باہر گیا تھا پانی کی بوتل پکڑے واپس آ گیا تھا۔

''میں اچھی طرح دیکھ چکا ہوں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے گھر میں''۔ اس شخص نے اطلاع دی تھی۔ خاموشی کے ساتھ موحد اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا جو اس کے شانے میں چہرہ چھپائے بری طرح کانپتی ہچکیاں بھر رہی تھی۔

''ان سے مت ڈرو' یہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتے''۔ سرگوشی کرتے ہوئے موحد نے اسے تسلی دی تھی اور سامنے پہرے داری کے لیے ٹہلتے شخص پر ایک نگاہ ڈالی تھی۔

''غور سے سنو میری بات''۔ موحد کی مدھم سرگوشی نے اسے چونکایا تھا۔

''میرے پیچھے ٹیبل کی آخری دراز میں ریوالور ہے''۔ ایک پل کو رک کر اس نے دوبارہ سرگوشی کی تھی جبکہ سحابہ کی سانس رک گئی تھی۔

''ابھی لائٹ آف ہے احتیاط کے ساتھ ریوالور نکال کے میری پاکٹ میں ڈال دو' میری ہر حرکت ان کی نظر میں آ رہی ہے مگر تم یہ کام کر سکتی ہو''۔ موحد کی ہدایت نے اس کی جان نکال دی تھی' اس کے شانے میں منہ چھپائے وہ نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

''یہ لوگ کسی بھی وقت لائٹ آن کر دیں گے' تمہارے پاس وقت کم ہے''۔ وہ بولا تھا۔

''میں کم از کم اس شخص کو اپنے پیروں پر یہاں سے نہیں جانے دوں گا جس نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے''۔

''نہیں...... ان لوگوں کو پتہ چل گیا تو وہ تمہیں مار دیں گے''۔ اس بار وہ مدھم لرزتی آواز میں بولی تھی۔

''تو کیا فرق پڑتا ہے' میں زندہ رہوں یا مر جاؤں' تم نے تو ہر صورت میں مجھے چھوڑ کر میری زندگی سے نکل جانا ہے''۔ اس کے سرگوشیانہ لہجے میں کچھ تھا جس نے سحابہ کو ساکت کر دیا تھا۔

''دراز کھولو''۔ موحد نے پھر سرگوشی کی تھی' خوف سے لرزتی وہ پسینے میں بھیگ چکی تھی جب ریوالور سے اس کا ہاتھ ٹکرایا تھا۔ کمرے میں مدھم روشنی تھی' سائیڈ ٹیبل بالکل موحد کی پشت پر تھی سو اس کی یہ جرات ان تینوں اشخاص کی نظروں میں نہیں آ سکی تھی۔ ان تینوں کا دھیان باہر پولیس کی گاڑی کی طرف زیادہ تھا یا پھر وہ ان دونوں کو بے ضرر ہی سمجھ رہے تھے۔ خوف سے اس کی انتہائی تیز ہوتی دھڑکن موحد نے اپنے سینے پر باآسانی محسوس کی تھی جب وہ ریوالور اس کی پاکٹ میں چھپا رہی تھی۔

''تم نے بہت اچھی طرح یہ کام کیا ہے''۔ سحابہ کو ایک بار پھر اپنے وجود میں سنسنی سی دوڑتی محسوس ہوئی تھی جب سرگوشی کے ساتھ پُر حدت سانسیں اس کے رخسار سے ٹکرائی تھیں' انتہائی قربت کا یہ احساس اچانک شدید ہوا تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ ان مضبوط بازوؤں کے حصار میں پناہ کا مکمل یقین انوکھا اور طمانیت بخش تھا ورنہ آدھی رات میں ان تین جرائم پیشہ کریہہ چہروں والے آدمیوں کی یلغار پر وہ ہوش ہی گنوا بیٹھتی۔

خاموشی کے ساتھ وہ ان کی کارروائی دیکھ رہا تھا جو وارڈروب کا ایک ایک کونا کھنگالنے میں مشغول تھے اپنے کام میں۔

''جو رقم تمہیں ملی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اس وقت گھر میں''۔ موحد نے اطلاع دے کر ان کی مشکل آسان کی تھی۔

''کون کہتا ہے تمہارے پاس اور کچھ نہیں ہے''۔ چہرے پر خباثت سجائے ایک شخص قریب آیا تھا۔ اس کی نظریں موحد کے گریبان پر اٹکے سحابہ کے ہاتھ پر دوڑ رہی تھی۔ اگلے ہی پل اس نے ایک رومال موحد کی طرف پھینکا تھا۔

''اس عورت کے سارے زیورات اتار کر اس رومال میں باندھو''۔

''میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا' اس گھر سے تمہیں جو چیز لینی ہے لے جاؤ میں نہیں روک رہا''۔ وہ مشتعل ہوتا انکار کر گیا تھا' وہ جانتا تھا کہ سحابہ کے یہ چند زیور اس کے پاس اُس کی ماں کی آخری نشانی ہیں' وہ ہرگز بھی ان زیورات کو سحابہ سے چھین لیے جانے جیسی زیادتی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ابھی موحد کی اس شخص سے تکرار جاری تھی کہ عقب سے دوسرا شخص دھاڑ اٹھا تھا۔

''یہ دوبارہ انکار کرے تو ان دونوں کو گولیوں سے داغ کر زیور چھین لو' جلدی کرو''۔ زرد پتے کی طرح کانپتے ہوئے سحابہ نے اپنے زیور اتارنے شروع کر دیئے تھے جو سونے کی چار چوڑیوں' انگوٹھیوں اور کان کی بھاری بالیوں وغیرہ پر مشتمل تھے' ایک نظر موحد نے اس کے بھیگتے چہرے پر ڈالی تھی اور پھر اس کے زیور رومال میں رکھ دیئے تھے۔

''فوراً آؤ' ہمیں نکلنا ہے''۔ وہ دونوں شخص اپنے ساتھی کو آواز لگاتے دروازے کی سمت بڑھے تھے جو زیورات قبضے میں لیتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تمہارے اس تعاون کی بدولت میں تمہارے کام آ سکتا ہوں''۔ یکدم وہ شخص موحد سے مخاطب ہوا تھا۔

''تم اگر چاہو گے تو میں ایک ہی گولی سے تمہاری بیوی کا کام تمام کر سکتا ہوں جاتے جاتے' کب تک ایک اپاہج عورت کے ساتھ زندگی گزارو گے''۔ سحابہ کے حلق سے چیخیں بلند ہوئی تھیں جب موحد اسے پرے

ہٹاتا اس شخص پر جھپٹ پڑا تھا۔

"اپاہج تم ہو' بوجھ ہو اس دنیا پر"۔ اس شخص کا ریوالور اسی کے منہ پر مارنے کے بعد وہ اب اسے کھینچتا ہوا باہر لے جا رہا تھا۔ سحابہ دہشت سے چیختی اسے پکارتی رہ گئی تھی' وہ ایک تھا باہر وہ سب تین تھے اُن کے لیے کسی کو بھی جان سے مار دینا مشکل نہیں تھا۔

باہر سے آتی بلند آوازیں اسے بدحواس کر رہی تھیں۔ ٹیبل کا سہارا لیتے ہوئے اس نے اپنے وجود کو اوپر کھینچنے کی کوشش کی تھی۔

تین ماہ میں تو اس انسان سے بھی مانوسیت ہو جاتی ہے جس کی جانب نظر بھر کر دیکھنا بھی گوارا نہ ہو...... ریڑھ کی ہڈی میں درد کی تیز لہریں دوڑی تھیں جب وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش میں نڈھال ہونے لگی تھی تب ہی فائر کی گونج نے اسے سر سے پیر تک ہلا ڈالا تھا' آنکھوں کے سامنے بس ایک ہی چہرہ تھا۔ چیخ چیخ کر روتے ہوئے وہ بالکل بھی حواسوں میں نہیں تھی مگر اس کے لڑکھڑاتے قدم دروازے کی سمت بڑھ رہے تھے' باہر آوازوں کا شور بلند ہو رہا تھا' دروازے کا سہارا لیتی وہ گرتے گرتے اس وقت سنبھلی تھی جب کسی نے اس کا بازو دبوچ لیا تھا۔

"رک جاؤ ورنہ میں اسے گولی مار دوں گا"۔ بلند للکار نے موحد کو ساکت کر دیا تھا جبکہ اس کے شکنجے سے آزاد ہوتا شخص سرعت سے اپنے اس ساتھی کی طرف بھاگا تھا جو زمین پر پڑا بری طرح کراہ رہا تھا۔ گولی اس کے پیر پر لگی تھی' یہ وہی شخص تھا جس نے سحابہ کو ٹھوکریں ماری تھیں اور جاتے جاتے موحد کو آفر دے کر اپنی موت کو دعوت دے گیا تھا۔

"اسے اٹھا کر باہر لے جاؤ"۔ سحابہ کی گردن سے ریوالور لگائے کھڑے شخص نے اپنے ساتھی کو ہدایت دی تھی جبکہ سانس روکے کھڑی سحابہ کی وحشت سے پھٹی آنکھیں موحد پر جمی تھیں جس کے چہرے سے بہتا سرخ سیال اس کے گریبان کو بھگوتا جا رہا تھا۔

"ریوالور پھینکو"۔ سحابہ کو قبضے میں لیے وہ شخص آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھتا موحد کو حکم دے رہا تھا جس پر اس نے فوراً عمل کیا تھا۔

"اس کے ساتھ کچھ مت کرنا' اسے میرے حوالے کر دو"۔ نامحسوس انداز میں موحد نے دو قدم آگے بڑھائے تھے۔

"پہلے وہ زیور میری طرف پھینکو"۔ وہ شخص غرایا تھا۔

"میں یہ زیور تمہیں دینے کے لیے تیار ہوں مگر تم پہلے اس سے دور ہو جاؤ"۔ موحد نے ایک آخری کوشش کی تھی۔

"جو کہا ہے اس پر عمل کرو' زیور میرے حوالے کرو"۔ وہ شخص پھر غرایا تھا۔ موحد نے ایک نگاہ سحابہ کے سفید پڑتے چہرے پر ڈالی تھی اور پھر رومال میں لپٹے زیورات اس شخص کی سمت اچھال دیئے تھے۔ رکی ہوئی سانس کے ساتھ وہ اس کی جانب قدم دھیرے دھیرے بڑھاتا جا رہا تھا جو اس شخص کی گرفت میں کھنچتی دور ہوتی جا رہی تھی۔ دروازے تک پہنچ کر وہ شخص چند لمحوں کے لیے رکا تھا' اگلے ہی پل سحابہ کے حلق سے اندوہناک چیخ بلند ہوئی تھی جب اس شخص نے اسے ایک جھٹکے سے آگے کی جانب دھکیلا تھا' بری طرح لڑکھڑاتی وہ اس کی جانب آئی تھی جو بجلی کی سی تیزی سے اس تک پہنچا اسے سینے میں جیسے جذب کر گیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اسے خود سے دور کرتے ہوئے موحد کے دل کی حالت ماہیٔ بے آب جیسی ہوئی تھی۔

"کیا ضرورت تھی تمہیں ان لوگوں سے الجھنے کی؟ تمہاری زندگی خطرے میں آ سکتی تھی' تم نے میرے بارے میں بھی نہیں سوچا تھا؟" اس کا خون آلودہ گریبان ہاتھوں میں جکڑے وہ چیخی تھی۔

"تمہارے بارے میں ہی سوچا تھا' میری زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں جو میں اس کی پرواہ کرتا"۔ اس

کے لہجے کی تھکن نے سحابہ کے آنسوؤں کی روانی میں اضافہ کیا تھا۔

"تمہاری نظر میں نہ ہو مگر میری نظر میں ہے تمہاری زندگی کی قدر و قیمت"۔ وہ لرزتی آواز میں بولی تھی۔

"کتنا خون بہہ گیا ہے......"

"نہیں"۔ موحد نے اپنے چہرے کی طرف بڑھتے اس کے ہاتھ کو روکا تھا۔

"میرا یہ غلیظ لہو پہلے ہی تمہارے چہرے اور لباس کو داغدار کر چکا ہے"۔

"ایسا مت کہو اپنے لیے' مجھے اور میری نظروں میں مت گراؤ"۔ بے اختیار سحابہ نے اس کے سینے سے چہرہ ٹکا دیا تھا۔

"مجھے معاف کر دو...... میں تمہارے زیور نہ بچا سکا"۔

"وہ تمہاری میری جان سے بڑھ کر نہیں تھے"۔ وہ سسکتی آواز میں بولی تھی۔

"تمہیں اس طرح کھڑے رہنے سے تکلیف ہو رہی ہو گی' آؤ میں تمہیں کمرے تک لے چلوں"۔ وہ بولا تھا اور پھر اسے سہارا دیتا کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

"میں بہت خوش ہوں تمہیں اپنے پیروں پر چلتا دیکھ کر' میری دعائیں قبول ہو گئی ہیں"۔ اس کے مدھم لہجے پر سحابہ نے نظر اٹھا کر اس کے سرخ سیال سے تر بتر چہرے کو دیکھا تھا۔ تکیے سے پشت لگا کر بیٹھی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو کمرے میں داخل ہوا تھا۔ خون آلودہ نہ اب اس کا چہرہ تھا نہ لباس' لائٹ براؤن لباس میں ملبوس وہ اس کے سامنے آ بیٹھا تھا جبکہ وہ دنگ نظروں سے اس کے ستے ہوئے چہرے اور سرخ آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ سحابہ سے نظر ملائے بغیر وہ اب بھیگے تاول سے اس کے چہرے پر لگا خون صاف کر رہا تھا۔

"تم نے پولیس اسٹیشن میں فون کر دیا"۔ سحابہ نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"ہاں' میں پوری کوشش کروں گا کم از کم تمہارے زیور تمہیں واپس مل جائیں"۔ وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔ سحابہ بغور اس کے تاثرات کو دیکھ رہی تھی جو اَب اس کا ہاتھ تھامے انگلیوں پر جما خون صاف کر رہا تھا۔ کچھ عجیب سا محسوس کرتے ہوئے سحابہ نے اسے مخاطب کرنا چاہا تھا مگر اگلے ہی پل وہ دھک سے رہ گئی تھی۔ موحد کی گرفت میں موجود اپنے ہاتھ پر چند گرم قطرے ٹپکتے اس نے دیکھے تھے۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" سحابہ کے دل میں کوئی چیز چبھی تھی' سرعت سے اس نے موحد کا ہاتھ پکڑا تھا جو سامنے سے ہٹ رہا تھا۔

"میں نے بہت پستی سے اپنا سفر شروع کیا تھا' بالکل تن تنہا...... پہلی نظر تمہیں دیکھنے کے بعد اپنی تنہائی کا شدید احساس ہوا' کسی بہت اپنے کی چاہت دل میں جاگی' مجھے نہیں معلوم تھا کہ محبت کیا ہوتی ہے اور جب معلوم ہوا تب تک تم میری روح میں سرائیت کر چکی تھیں' اسی محبت نے مجھے خودغرض بنا دیا' اپنی حقیقت جاننے کے باوجود' تمہاری نفرت کے باوجود' میں نے اپنے آپ کو تم پر مسلط کر دیا' چاہتے ہوئے بھی میں یہ بھول گیا تھا کہ مجھ جیسے انسان کو محبت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔ مدھم لہجے میں بول کر اس نے نظر اٹھائی تھی جبکہ ساکت نظروں سے وہ اس کی نم آنکھیں دیکھ رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دو' میں نہ تمہیں پابند کروں گا نہ اصرار مگر میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں جو واحد رشتہ ہے' جو بغیر کسی شراکت داری کے صرف میرا ہے' اسے مجھ سے مت چھینو' مجھے خود سے جدا مت کرو' مت چھوڑ کر جانا مجھے اور اس گھر کو"۔ شدتِ ضبط سے لرزتی آواز اور سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ بولا تھا۔

"اتنی سی بات کہنے میں تم نے اتنا وقت لگا دیا'

ٹھیک ہے میں کہیں نہیں جاؤں گی تمہیں چھوڑ کر"۔ سحابہ کے مطمئن انداز پر وہ دنگ نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"ہر بار میرے مطالبے پر تم نے خاموشی اختیار کیے رکھی، کبھی یہ نہیں بتایا کہ تم کیا چاہتے ہو اگر تم پہلے مجھ سے یہ سب کہتے تو میں پہلے ہی تمہاری بات مان لیتی"۔ سنجیدہ نظروں سے سحابہ نے اسے دیکھا تھا جو اَب بھی بے یقین تھا۔

"اب تمہاری ہر خواہش پر سر جھکانا مجھ پر فرض ہو چکا ہے، پہلی وجہ تو یہ کہ تم پہلے انسان ہو جس نے مجھ سے محبت کا دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھایا ہے، دوسری وجہ یہ کہ تم ہی ہو جو پیشانی پر بل لائے بغیر مجھے ہاتھوں میں اٹھائے گھر سے ہاسپٹل اور ہاسپٹل سے گھر تک کے چکر کاٹتے رہے ہو، تیسری وجہ یہ کہ تم بڑی خندہ پیشانی سے تین ماہ تک میری ہر غلط بات برداشت کرتے رہے ہو، چوتھی وجہ یہ کہ تم میرے لیے کسی کو بھی گولی مار سکتے ہو اور......"

"کیا صرف ان وجوہات کی بنا پر تم مجھ سے تعلق قائم رکھنا چاہتی ہو"۔ اس کی بات کاٹتے ہوئے موحد نے سوال کیا تھا جواباً وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

"میرے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے تمہیں کچھ دشواریاں پیش آئیں گی سحابہ! میرے لیے خود پر جبر پر جبر نہ کرو، میں کہہ چکا ہوں کہ میں تمہیں پابند نہیں کرنا چاہتا"۔ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولا تھا۔

"مگر میں پابند ہونا چاہتی ہوں، میری زندگی پہلے بھی سہل نہیں رہی ہے، باپ کے نام اور اس کے خاندان نے مجھے اس دنیا میں بے آسرا چھوڑ کر میری دشواریوں میں اضافہ ہی کیا ہے، تمہارے ساتھ یہ دشواریاں کم تو ہوں گی"۔ اپنے ہاتھوں پر نظر جمائے وہ بولی تھی اور پھر اسے دیکھا تھا۔

"میرا سوال اب تک وہی ہے، کیا تم صرف اسی لیے مجھ سے تعلق قائم رکھنا چاہتی ہو؟" موحد نے بغور اسے دیکھا تھا جو ایک بار پھر اس کے سوال کو نظر انداز کرنا چاہ رہی تھی۔

"تم نے بینڈیج ٹھیک سے نہیں کی"۔ بولتے ہوئے سحابہ نے اس کی ابرو کے اوپر لگی بینڈیج کو ٹھیک کرنا ہی چاہا تھا کہ وہ اس کا ہاتھ روک گیا تھا۔ رُکی ہوئی سانس کے ساتھ وہ زیادہ دیر تک اسے نہیں دیکھ سکی تھی جو اس کے ہاتھ کی نرمی کو اپنے چہرے سے مس کرتا ہونٹوں سے لگا رہا تھا۔

"جب تک مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملے گا میں تمہارا ہاتھ نہیں چھوڑوں گا"۔ ایک پل کو رک کر موحد نے گہری نظروں سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا اور پھر دوبارہ اس کے ہاتھ پر جھک گیا تھا۔

"اب میں تمہاری طرح محبت کے راگ نہیں الاپ سکتی"۔ اس کے جھینپے ہوئے کچھ ناراض لہجے پر موحد نے مسکراتی نظروں سے اس کے دہکتے رخساروں اور لرزتی پلکوں کو دیکھا تھا۔

"کیا حرج ہے جب تم مجھے گالیاں دے سکتی ہو تو محبت کے راگ میرے لیے کیوں نہیں الاپ سکتی ہو؟ یہ تو زیادتی ہے"۔ موحد کے سنجیدہ لہجے پر سحابہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل بے ساختہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی، جبکہ موحد کے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا اس کے زندگی سے بھرپور جھلملاتے چہرے اور چمکتی آنکھوں سے نگاہیں ہٹانا۔ سحابہ کی جلترنگ کرتی ہنسی پرسکون مسکراہٹ میں بدل گئی تھی۔ وہ بہت نرمی اور جذب کے عالم میں اس کی آنکھیں چوم رہا تھا سوائے مہلت نہیں ملی موحد کو یہ سچ بتانے کی کہ اسے سیاہ رنگ پہلے بہت پسند تھا مگر اب سیاہ رنگ سے عشق ہو گیا ہے پھر وہ کیسے اس انسان سے تعلق توڑ کر زندہ رہ سکے گی جسے اللہ نے اس کے پسندیدہ رنگ کے مطابق چن کر اس کا محافظ مقرر کر دیا ہے۔

☆

سلمیٰ غزل

افسانہ

آئینہ میں خود کو دیکھا

"نالائق، گدھی......" علیزہ نے امامہ کو تقریباً اپنے کمرے کی طرف گھسیٹتے ہوئے غصے میں کہا اور امامہ ہنسنے لگی۔

"تمہاری جلدی گھبراہٹ اور اضطرابی کیفیت آج



تک ختم نہ ہوئی"۔

"ہاں تو اس جنجال پورے کے پاس رکھنے کی کیا ضرورت تھی میں نے تمہیں بلایا تھا یا انہوں نے"۔ وہ بگڑ کر بولی۔

"علیزہ! تم آج بھی ویسی کی ویسی ہی ہو اپنی ہی کہو گی یا دوسرے کی بھی سنو گی' مجھے آنا تو تمہارے پاس ہی تھا لیکن اخلاقی طور پر تمہارے سسرال سے ملنا بھی تو میرا فرض تھا تم آخر اس قدر ناراض کیوں ہو رہی ہو"۔

"بس یار! کیا بتاؤں میرے دل و دماغ پر اتنا بوجھ ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کیا بتاؤں اور کہاں سے شروع کروں"۔ علیزہ مایوسی سے بولی علیزہ کے لہجے سے اضطراب اور بے چینی مترشح تھی اور امامہ نے مسہری کے کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"ہاں بولو مسئلہ کیا ہے......؟"

"بس یار عجیب سی الجھنوں کا شکار ہوں یہی وجہ ہے کہ اپنی پریشانیوں کو تم سے شیئر کرنا چاہتی ہوں' تم جانتی ہو میری شادی کو 6 ماہ سے اوپر ہو گئے ہیں لیکن اتنے تلخ و شیریں حالات سے گزری ہوں کہ لگتا ہے کہ ایک طویل عمر گزار چکی ہوں"۔ امامہ نے حیرت سے علیزہ کی طرف دیکھا خوبصورت ترو تازہ اور جدید تراش خراش کے لباس میں ملبوس۔ کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ اسے کوئی پریشانی چھو کر بھی گزری ہو۔ کتنا ہوا دار کمرہ حریری لہراتے پردے' دبیز قالین' پلازمہ ٹی وی اور کونے میں دھرا روم فریج' آرائش اور زیبائش کی ہر چیز کمرے میں موجود تھی۔

"شادی سے پہلے ہر لڑکی کے دل میں حسین خیالات ہوتے ہیں میں نے بھی اپنی ازدواجی زندگی کے سنہری سپنے دیکھے تھے اور تصورات کے حسین تاج محل بنائے تھے' سوچا تھا اپنا ایک گھر ہو گا بے شک چھوٹا لیکن خوبصورت سا جس کی میں بے تاج ملکہ ہوں گی لیکن شادی کے بعد سارے خواب ریزہ ریزہ ہو گئے اور میں نے ایک دن بھی اس گھر کو اپنا گھر نہیں سمجھا"۔

"کیونکہ تم ایک علیحدہ گھر کا تصور لے کر اس گھر میں آئی تھیں"۔ امامہ نے لقمہ دیا۔

"ہاں تو کیا غلط تھا تم سوچو چھوٹی چھوٹی چیزوں پر میرا حق نہیں ہوتا اس طرح میری ساری امیدیں' آرزوئیں اور تمنائیں مشترکہ خاندان کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو چکی ہیں۔ تمہیں پتہ ہے عورت کی زندگی کولہو کے بیل کی طرح مجھے بھی اچھی نہیں لگی"۔

"یہی تو زندگی کا حصہ ہے"۔ امامہ نے آہستہ سے تبصرہ کیا جس کو علیزہ نے سنی ان سنی کر دیا اور گویا ہوئی۔

"تم جانتی ہو قدیم رسم و رواج کے خلاف ہمیشہ میرے دل میں ایک جذبہ رہا تھا میرا مطلب یہ نہیں کہ میں مشترکہ خاندانی نظام کے خلاف ہوں یا گھریلو زندگی سے نفرت کرتی ہوں مگر اس نظام کی دلکشی اور جاذبیت یہاں آکر بری طرح مجروح ہوئی ہے اور اس کا حسین تصور بری طرح بکھرا اور ٹوٹا ہے"۔

"مگر علیزہ! یہ تو تمہارا اپنا فیصلہ تھا تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں کتنا سمجھایا تھا اور تمہارے ابو اور بھائیوں کی بھی مرضی نہیں تھی بلکہ تمہاری چھوٹی بہن تو باقاعدہ مذاق اڑایا کرتی تھی مگر تم پر تو عشق کا بھوت سوار تھا دماغ پر محبت کی چربی چڑھ گئی تھی اور آنکھوں پر دانش بھائی کی خوبصورتی کی پٹی بندھ گئی تھی' تم نے کبھی کسی کی نہیں سنی اور آنٹی نے تمہاری محبت سے مجبور ہو کر تمہارا ساتھ دیا"۔ امامہ نے اسے یاد دلایا۔

"میں مانتی ہوں وہ میری غلطی تھی دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ عملی طور پر ان حسین خوابوں کے سہارے زندگی گزارنا کتنا مشکل ہو گا"۔ علیزہ کا لہجہ دکھی ہو گیا۔

"تو بھگتو اپنا کیا"۔ امامہ نے رسان سے سمجھایا اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"تو بھگت تو رہی ہوں"۔ علیزہ بگڑ کر بولی۔

"کم از کم تم تو طعنے نہ مارو۔ تمہیں اسی لئے تو بلایا ہے کہ بتاؤں ان حالات میں میں کیا کروں؟"

"دیکھو امامہ اس خاندان میں چھوٹے بڑے ملا کر بیس افراد ہیں 5 بھائی جن میں دیور ابھی کنوارہ ہے اور نندیں شادی شدہ ہیں' میرے ابھی بچے نہیں لیکن تینوں جیٹھوں کے آٹھ بچے ہیں پھر ساس' سسر' نندیں بیاہی ہونے کے بعد ہر چھٹی والے دن بمعہ بچوں کے آموجود ہوتی ہیں' گھر میں نوکر چاکر کی ریل پیل ہے' ڈرائیور چوکیدار الگ ہیں پھر بھی چوبیس گھنٹے چیخ پکار مچی رہتی ہے پورا جنجال پورا بلکہ چڑیا گھر۔ بزنس کی وجہ سے آمدنی بھی سب کی ٹھیک ٹھاک ہے لیکن بدنظمی اور بدانتظامی' مرد کیا عورت سب اس قدر آرام طلب ہیں اور کاہل الوجود کہ پانی پینا بھی گوارہ نہیں کرتے بچے بھی ماں باپ کا پرتو اسکول سے آکر یا تو کھیلتے ہیں یا لڑتے ہیں اگر کوئی ماسی چھٹی کر لے تو قیامت آجاتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ بھابیاں اپنے اپنے کمرے تو نوکروں سے صاف کرا لیتی ہیں لیکن ان کو گھر کے دوسرے حصوں سے سروکار نہیں لاؤنج' گیسٹ روم' ساس سسر کا کمرہ اور ڈرائنگ روم ہمہ وقت موہن جو ڈارو کا نقشہ پیش کر رہا ہوتا ہے کیونکہ صفائی سے نہ گھر والوں کو دلچسپی ہے نہ نوکروں کو۔ شروع میں تو میں نے بھی کوشش کی پھر چھوڑ دیا کہ میں ہی کیوں......؟ حالانکہ گھر دو منزلہ بہت بڑا ہے مگر پھیلانے کی وجہ سے مختصر ہو کر رہ گیا ہے تم حیران ہو گی کہ چونکہ بڑا ٹی وی ڈرائنگ روم میں ہے اس لئے بچے وہیں کارٹون دیکھتے ہیں سو کھانا بھی وہیں کھاتے ہیں اور خوب گند پھیلاتے ہیں لیکن روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں اور میں کچھ بولوں تو بری بنوں اس لئے "تنک تنک دیدم دم نہ کشیدم"۔ میں صرف تماشا دیکھتی ہوں۔ سلیقہ اور تمیز تو ان کو چھو کر نہیں گزری۔ بچھی ہوئی چادر کو اوڑھ کر سو جاتے ہیں اور پھر بچھائے بغیر ملنگوں کی طرح اٹھ کر چلے جاتے ہیں جیسے دوبارہ تو اسے استعمال کرنا ہی نہیں حد تو یہ ہے کہ آفس کے آنے کے بعد دانش کے تینوں بھائی کپڑے یوں ہی بغیر ہینگ کئے بستر پر ڈال دیتے ہیں یعنی بستر پر سجا دیتے ہیں اور جب چاہیں انہیں سائیڈ میں کر کے بستر استعمال کر لیتے ہیں حد تو یہ ہے کہ گیلا تولیہ بھی گول کر کے کونے میں پھینک دیتے ہیں یا کرسی پر رول کر کے ڈال دیتے ہیں۔ پھیلانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ شرم تو یہ لوگ جانتے ہی نہیں کہ کیا ہوتی ہے بستر پر گندے میلے موزے پڑے ہوتے ہیں اور یہ خود بھی بیٹھ جاتے ہیں اور آئے گئے کو بھی بٹھا لیتے ہیں"۔ علیزہ نے دکھی سی ٹھنڈی آہ بھری۔

"تو تمہارے میاں بھی کیا ایسے ہی ہیں ملنگ سے؟" امامہ نے سوال کیا۔

"ظاہر ہے وہ اس ماحول سے الگ تو نہیں گھر میں اپنے کمرے کو پھیلنے ہی نہیں دیتی دانش کو سختی سے ہدایت کر رکھی ہے کہ چیزیں جگہ پر رکھیں مجھے برا لگتا ہے مگر پتہ نہیں یہ لوگ کس گوشت پوست کے بنے ہیں ساس تقریباً ستر سال کی ہیں مگر مجال ہے جو ٹک کر بیٹھ جائیں لور لور پھرتی رہتی ہیں نماز بھی پتہ نہیں کیسے پڑھ لیتی ہیں اور ٹی وی کی اتنی شوقین کہ انڈین ہو یا پاکستانی کوئی ڈرامہ ان سے نہیں بچتا دن میں نہ دیکھ سکیں تو رات دیکھتی ہیں جٹھانیاں اگرچہ عمر میں مجھ سے کوئی زیادہ بڑی نہیں لیکن خیالات ان کے بھی 1857ء کے ہیں دقیانوسی اور پرانے۔

"کیا پڑھی لکھی نہیں ہیں......؟" امامہ نے پوچھا۔

"پڑھی لکھی اس حد تک کہ ڈگریوں نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا۔ دو بی ایس سی اور ایک اردو میں ماسٹرز لیکن ساس کی رنگ میں رنگی ہوئی بوڑھی روحیں۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنا بھی میرے لئے مسئلہ ہے کیونکہ ان کو نہ فیشن کا پتہ ہے نہ دنیا کے حالات سے باخبر ہیں سیاست سے ان کو دلچسپی نہیں۔ ان کی دنیا تو بس گھر اور بچے ہیں' مگر مشکل یہ ہے کہ ان کے پاس نہ بیٹھوں تو برا مانتی ہیں مجھے مغرور اور افلاطون سمجھتی ہیں کہتی تو کچھ نہیں لیکن انداز بتاتے ہیں"۔

"اور تمہارے سسر......؟"

’’اللہ میاں کی گائے بے ضرر نہ کسی لینے میں نہ دینے میں ان کا تو وجود عدم وجود برابر ہے مجھے ان کی صرف اسی بات پر غصہ آتا ہے کہ کسی معاملے میں بولتے ہی نہیں۔ گھر میں کچھ بھی ہو ان کی بلا سے۔ سمجھو پتھر کی مورتی یا مٹی کا مادھو تم یہ دیکھو کہ کھانے کے بعد کوئی نہیں سوتا کیونکہ صبح بچوں اور شوہروں کو روانہ کر کے خواتین ایک دو گھنٹے کے لئے آرام فرماتی ہیں پھر بھلا دوپہر نیند کیسے آئے اور کھانے کے بعد سب بڑی بھابی کے کمرے میں جمع ہو کر گپیں مارتے ہیں بمعہ ساس کے۔ اور کبھی یہ چوکڑی ساس کے کمرے میں جمتی ہے۔ مجھے اس طرح بیٹھ کر وقت برباد کرنا بہت برا لگتا ہے اور میں اپنے کمرے میں آ کر آرام کرتی ہوں یا کوئی میگزین دیکھتی ہوں کیونکہ شروع شروع میں تو میری بھی عادت نہیں تھی نماز کے بعد لیٹنے کی مگر میں بھی کبھی کبھار لیٹ جاتی ہوں اور سب یہ سمجھتے ہیں کہ میں مغرور ہوں اسی لئے کسی سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتی اور مجھے لگتا ہے گھر میں مجھ سے کوئی خوش نہیں گھر کے ان بے ڈھنگے طور طریقوں کو دیکھ کر میں نے سوچا اپنی پڑھائی کام میں لاؤں تو میں نے ایک انگلش میڈیم اسکول میں جاب کر لی وہ بھی کسی کو اچھا نہیں لگا۔ گھر سے آدھا دن باہر رہنے کی وجہ سے سب کا خیال ہے کہ میرا گھر میں دل نہیں لگتا میں گھر سے بیزار ہوں اور گھومنے پھرنے باہر جاتی ہوں حالانکہ میں ایک طرح سے میاں کی مالی غلامی سے آزاد ہو گئی ہوں‘‘۔

’’کیا دانش بھائی خوش ہیں......؟‘‘

’’ہاں ظاہر ہے انہی کی اجازت سے کر رہی ہوں گو وہ منع کر رہے تھے کیونکہ کوئی مالی پریشانی تو ہے نہیں مگر میری خوشی کے لئے مان گئے بلکہ مجھے ایک چھوٹی سی گاڑی بھی دلا دی ہے تاکہ اسکول جانے میں آسانی رہے گاڑی تو مجھے شادی سے پہلے ہی چلانا آتی تھی۔ اب مصیبت یہ ہے کہ گھر میں کسی کو گاڑی چلانی نہیں آتی اس لئے میری مصیبت رہتی ہے جہاں گھر سے باہر نکلنے کا سوچو کسی نے کسی بھابی کو کوئی نہ کوئی کام یاد آ جاتا ہے کوئی کہتی ہے۔

’’علیزہ آتے ہوئے ذرا درزی سے کپڑے تو لیتی آنا‘‘۔ دوسری کو یاد آتا ہے کہ سفید دھاگے کی ریل ختم ہو گئی ہے اور کچھ نہیں تو ساس صاحبہ فرماتی ہیں۔

’’بیٹا ایک چھٹانک پان لیتی آنا کب سے کہہ رہی ہوں کوئی سنتا ہی نہیں‘ ڈرائیور کمبخت کو ’’ساچی پان‘‘ کہو وہ ’’بنگلہ‘‘ اٹھا کر لے آتا ہے جو مجھے پسند نہیں‘‘۔ بھلا بتاؤ میں کیا اس کام کے لئے رہ گئی ہوں کہ دھاگے‘ ریلیں اور پان لاتی پھروں اس لئے گھر سے چوری چوری نکلتی ہوں بعد میں سب کو شکایت ہوتی ہے کہ بتا کر نہیں جاتی‘‘۔

’’تم کبھی ان لوگوں کے لئے نوکری کے بعد کوئی تحفہ وغیرہ بھی لائیں؟‘‘ امامہ نے پھر سوال کیا۔

’’میں کوئی پاگل ہوں کیا۔ اپنے لئے کماتی ہوں ان کے لئے تھوڑی اور پھر تم جانو میں ایک مشہور پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتی ہوں اس لحاظ سے اپنی ذات پر کافی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ کپڑے‘ جوتے‘ پرفیومز اور جیولری وغیرہ۔ اس پر سب کو اعتراض ہوتا ہے کہ میں بہت فضول خرچ ہوں بھلا بتاؤ خود کما رہی ہوں تو اس پر حق بھی تو میرا ہی ہے‘‘۔ علیزہ نے تنک مزاجی سے کہا۔

’’گھر میں تم کچھ کام بھی کرتی ہو؟‘‘

’’ارے کیا بتاؤں اسکول سے اس قدر تھک کر آتی ہوں کہ کچھ کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تم جانو یہ پرائیویٹ اسکول والے نچوڑ لیتے ہیں ساری توانائی‘ پھر بھی شام کو کچن میں ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی ہوں تو کوئی کرنے ہی نہیں دیتا البتہ ہفتہ اور اتوار کو میں کوئی نا کوئی ڈش ضرور بناتی ہوں مگر وہی بات ’’بندر کیا جانے ادرک کا مزہ‘‘ ایک ہفتہ میں نے ’’پاستا‘‘ بنایا وِد کریم دوسرے دن ’’لزانیہ‘‘ اور ’’نوڈلز‘‘ اور سوائے میرے سسر بچوں اور شوہر کے سب نے ایسے منہ بنا بنا کر کھایا جیسے کوئی مکروہ چیز کھا رہے ہوں اور ساس نے تو چکھا

’’بس علیزہ! برا نہ ماننا یہی غرور و تکبر تمہیں لے ڈوبا اور گھن کی طرح تمہیں کھا رہا ہے‘ میں تو صاف بات کرنے کی عادی ہوں‘ تمہاری سب سے بڑی خامی یا کمزوری کہہ لو خود پسندی ہے اپنے سوا تمہیں کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آتا کسی مفکر کا قول ہے کہ انسان کو ہمیشہ دوسروں کی خوبیوں اور اپنی خامیوں پر نظر رکھنی چاہئے اور اسی میں زندگی کی کامیابی کا راز پنہاں ہے۔ دیکھو علیزہ!‘‘ امامہ نے محبت سے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

’’میں نہ کوئی مبلغ ہوں نہ ناصح مگر زندگی برتنے کا سلیقہ ضرور جانتی ہوں یہاں مجھے کسی مغربی مفکر کا ایک قول یاد آ رہا ہے کہ۔

’’شادی کی انگوٹھی خلوص محبت اور خوشی و مسرت کا ایک خوبصورت اظہار ہے اس کو ہاتھ میں پہن لینا بہت آسان ہے لیکن جو ذمہ داریاں اس انگوٹھی سے تعلق رکھتی ہیں ان کو پورا کرنا بہت مشکل اور صبر آزما مرحلہ ہے‘‘۔ اس قول میں جو سبق اور نصیحت چھپی ہے وہ واضح ہے اور صاف بھی اور اسے سمجھنے کے لئے کسی ذہنی دوڑ دھوپ کی ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ شروع کے دن تو ایک دوسرے کی ہمراہی میں خوشی کے ہنڈولے میں جھومتے ہوئے گزر جاتے ہیں لیکن اگلا مرحلہ بڑا کٹھن اور دشوار ہوتا ہے جس کے لئے شعور و فکر اور اعتدال کی روشنی درکار ہوتی ہے ازدواجی زندگی میں دونوں فریقین کو ایک دوسرے کی خوبیوں اور خامیوں پر نظر رکھنے کے بجائے اسے دل سے قبول کرنا چاہئے کیونکہ دونوں اگر ایک دوسرے کے مزاج شناس نہ ہوں تو اختلافات کے پتھر کی دل میں بنیاد پڑ جاتی ہے تمہیں اس پتھر کو عمارت بننے سے روکنا ہے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا......؟‘‘ امامہ نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے جو سنجیدگی سے امامہ کی باتیں سن رہی تھی۔

’’تم اس کی مثال اس طرح سمجھو کہ کہتے ہیں میاں بیوی زندگی کی گاڑی کے دو پہیئے ہیں لیکن گاڑی اس وقت چلتی ہے جب دونوں پہیئے ایک سمت رواں ہوں اگر ٹائی راڈ ٹوٹ جائے تو بیلنس خراب ہو جاتا ہے اور حادثے کا ڈر ہوتا ہے محبت‘ ایثار و قربانی یہ میاں بیوی کے درمیان ’’ٹائی راڈ‘‘ ہے۔ تم ایمانداری سے بتاؤ کیا گھر میں کوئی روک ٹوک کرتا ہے تمہیں طعنے دیتا ہے......؟‘‘

’’نہیں خیر ایسا کچھ نہیں ہے ہر شخص اپنی ذات میں مگن ہے کوئی کسی کے معاملے میں نہیں بولتا‘‘۔ علیزہ جلدی سے بولی۔

’’تمہارے گھر سے کوئی آ جائے تو سب کے منہ بن جاتے ہیں......؟‘‘ امامہ نے پھر سوال کیا۔

’’نہیں بھئی یہاں کی بدنظمی دیکھ کر میں خود نہیں چاہتی کہ کوئی آئے ورنہ یہ لوگ تو بہت خوش ہوتے ہیں آؤ بھگت خاطر مدارات‘ کسی چیز میں پیچھے نہیں رہتے اسی لئے تو دنیزہ جب چاہے منہ اٹھائے آ جاتی ہے‘‘۔ علیزہ نے برا سا منہ بنایا۔

’’اچھا یہ بتاؤ آس پاس ملنے والوں سے ان لوگوں کا رویہ کیسا ہے......؟‘‘

’’ارے چھوڑو کیا فضول سوال کر رہی ہو سب کے سب حاتم طائی بنے رہتے ہیں کسی چیز کی قدر ہی نہیں لگتا ہے جیسے گھر میں لنگر جاری ہے کھانے سے لے کر دوائیاں ہر ماسی ... لے کر جاتی ہے اور ساس صاحبہ اتنی دیالو ہیں کہ ان کی بیشتر ... کسی نہ کسی ماسی کی بیٹی یا بیٹے کی شادی پر خرچ ہو جاتی ہے خود تو انہیں کچھ خرچ کرنے کا شوق نہیں جو اولادیں انہیں دیتی ہیں سب ایرے غیروں پر خرچ کر دیتی ہیں اور گھر میں ایسے رہتی ہیں جیسے کسی کے گھر کی ماسی۔ میرا دل جلتا ہے اور کسی کو فکر ہی نہیں ہوتی‘‘۔

’’اچھا یہ بتاؤ گھر میں اتنی بدنظمی اور افراتفری ہے تو کوئی رشتہ دار تو جھانکتا بھی نہ ہوگا......؟‘‘

’’کیا بات کر رہی ہو آئے دن کوئی نا کوئی رشتہ دار آ دھمکتا ہے اور گھر والے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے

بھی نہیں البتہ سسر نے انعام کے طور پر 500 روپے دیئے"۔ علیزہ نے فخر سے بتایا۔

"اس کے بعد تم نے پکانا چھوڑ دیا ہوگا' ہیں نا"۔ امامہ نے تجزیہ لگایا۔

"ہاں تو کیا کرتی اپنا مذاق تھوڑی بنوانا تھا"۔ علیزہ نے براسامنہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"دانش الگ ناراض ہوئے کہ اپنی قابلیت جھاڑنے کی کیا ضرورت تھی جیسا پکتا ہے ویسے ہی پکنے دیتا تھا' اب بھلا بتاؤ میں نے شادی سے پہلے اتنے مہنگے مہنگے کوکنگ کورسز کئے تھے اٹالین فوڈ' انٹر کونٹی نینٹل' چائنیز' رشین اور سنگاپوری' بھلا سوچو میں اپنی صلاحیتوں کو زنگ لگادوں.....؟ اور پھر بھی یہ سننے کو ملتا ہے کہ کوئی کرنے والا نہیں۔ مجھ سے یہ طعنے نہیں سنے جاتے۔ لگتا ہے اس گھر سے میرا کوئی تعلق نہیں کسی سرائے میں رہ رہی ہوں"۔ امامہ اس کی داستان سن رہی تھی۔

"اور کبھی کبھی تو دانش بھی کھنچ جاتے ہیں حالانکہ وہ ایسے ہیں کہ چاہے کوئی کتنا ہی برا کیوں نہ ہو ان کے ساتھ کتنا بھی برا کرے وہ کسی کو کچھ نہیں کہتے سب گھر ان کا دیوانہ ہے البتہ میری ذرہ سی کوتاہی اور غفلت پر بلاوجہ برس پڑتے ہیں اور میری کوئی دلیل ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ یقین مانو مجھے ایسا لگتا ہے یہ گھر نہیں قید خانہ ہے جہاں میں پر ہونے باوجود پھڑ پھڑا کر رہ جاتی ہوں کیونکہ اس گھٹے ہوئے اور گندے ماحول میں رہنا کتنا مشکل ہے کوئی میرے دل سے پوچھے۔ یقین کرو عورت کی کمزوری اور معاشرے کی اٹھتی ہوئی انگلیوں اور نگاہوں کا ڈر نہ ہوتا تو میں کب کی اس قید خانے سے آزادی حاصل کر لیتی"۔

"تم الگ ہوجاؤ"۔ امامہ نے دل پر جبر کر کے مشورہ دیا جو اس کی فطرت کے خلاف تھا۔

"نہیں ہو سکتی جب تک ساس سسر حیات ہیں ان کی زندگی میں دانش کبھی الگ نہیں ہوں گے اگر میں نے ایسی کوشش بھی کی تو اپنے شوہر کا پیار اور اعتماد کھودوں گی کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں میری ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتے ہیں میرے منہ سے نکلی ہوئی بات ان کے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے میں بیمار پڑ جاؤں تو ساری ساری رات جاگ کر میری تیمارداری کرتے ہیں مجھے بستر سے ہلنے نہیں دیتے آفس سے بار بار فون کرتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کو ناخوش کر کے میں بھی خوش نہیں رہ سکتی کیونکہ ان کا پیار ہی میرے پاؤں کی زنجیر ہے اور محبت کرنے کے معاملے میں سارے بھائی یکساں ہیں۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ان حالات میں میں کیا کروں"۔ علیزہ بے بسی اور بے چارگی سے بولی پھر ایکدم چونکتے ہوئے کہنے لگی۔

"ارے ہاں تم جو میری چھوٹی بہن "ونیزہ" کی بات کر رہی تھیں تو اس کا تو حال پوچھو ہی مت۔ دو چار مرتبہ یہاں رہنے کیا آئی کہ وہ تو فدا ہوگئی میرے سسرال والوں پر اور سب نے ذرا کیا آؤ بھگت کر لی کہ بھول گئی سب سے زیادہ اسی نے اس شادی کی مخالفت کی تھی۔ اور اب دیور صاحب مر مٹے ہیں ونیزہ پر۔ دانش اور سارے گھر والوں کا اصرار ہے رشتے کے لئے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن میں عجیب کشمکش میں پڑ گئی ہوں نہ سسرال والوں کو جواب دے سکتی ہوں نہ اپنی چھوٹی بہن کو اس آگ میں جھونک سکتی ہوں جس میں میں خود جل رہی ہوں اور نہ اپنی بہن کو سمجھا سکتی ہوں جو خود بھی دیور کے لئے پاگل ہو رہی ہے"۔

"علیزہ! مجھے تم پر حیرت ہے اس سے تو ثابت ہوا کہ تمہارے سسرال والے تم سے خوش ہیں ورنہ ہر گز دوسری بیٹی تمہارے گھر سے نہ لیتے"۔ امامہ کو حیرت تھی۔

"ظاہر ہے اتنی خوبصورت پڑھی لکھی اور سلیقہ مند بہو کوئی ایک بہو بھی نہیں ان کی مجھ جیسی"۔ علیزہ کے لہجے میں غرور تھا۔

ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو بچھے جاتے ہیں اور کچھ نہیں تو بھابیوں کے گھر والے ہی آتے رہتے ہیں"۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہارے سسرال والے بے انتہا خوش مزاج اور خوش اخلاق ہیں"۔ امامہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ارے بس! میں بھر پائی ایسی خوش اخلاقی سے جس سے گھر کا سکون برباد ہوجائے اور گھر۔ گھر نہیں چڑیا گھر لگنے لگے"۔ علیزہ جھنجھلا کر بولی۔

"میں تو تنگ آگئی ہوں"۔ علیزہ سر پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

"ادھر امی الگ دباؤ ڈال رہی ہیں' ونیزہ کے لئے میری پریشانی انہیں نظر ہی نہیں آتی"۔ امامہ کو ہنسی آگئی۔

"کیونکہ یہ تمہاری خودساختہ پریشانی ہے برا نہ ماننا علیزہ مجھے تو تمہاری قسمت پر رشک آرہا ہے کیا نصیب پایا ہے"۔ امامہ کے لہجے میں حسرت تھی۔

"اچھا بس رہنے دو"۔ علیزہ نے برا سامنہ بنایا۔

"رشک تو مجھے تمہاری قسمت پر آتا ہے ایک ہی مرتبہ شادی سے پہلے تمہارے گھر حیدرآباد گئی تھی۔ کس قدر نفیس سسرال والے ہیں صاف ستھرا گھر' محبت کرنے والی ساس اور دولہا بھائی کا تو کیا کہنا کس قدر اصرار سے مجھے روک رہے تھے کہ دو تین دن رہ کر جاؤ' پورا حیدرآباد گھماؤں گا شاہی بازار چلیں گے۔ حیدرآباد کی پلہ مچھلی کا ذائقہ تو میں اب تک نہیں بھولی۔ یہاں تو جیسے ہوٹل جانے کا رواج ہی نہیں میرا دل کرتا ہے ہم دونوں میاں بیوی اکیلے جائیں مگر پوری فوج کو لے جانا پڑتا ہے کیونکہ گھر کے لوگ تو جانے سے انکاری ہوتے ہیں مگر میاں صاحب کو جنجال پورہ ساتھ لے جانا پڑتا ہے غصے میں میں خود بھی نہیں جاتی' تمہارے مزے ہیں میاں کے ساتھ اکیلے گھومتی رہتی ہوگی سسر تو ہیں نہیں ایک جیٹھ دو نندیں اور ایک دیور"۔

"علیزہ میری بہن" ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ"۔ کبھی کبھی آنکھوں دیکھا بھی جھوٹ ہوتا ہے آج تمہیں میں بتاؤں کہ جو کچھ تم نے دیکھا وہ ایک سراب تھا۔ آنکھوں کا دھوکہ تھا۔ دکھاوا تھا بناوٹ تھی' میرے سسرال میں ایسا کچھ نہیں ہوتا اول تو کراچی سے حیدرآباد کم ہی کوئی آتا ہے لیکن آجائے تو سب کے منہ بن جاتے ہیں تیوریوں پر بل پڑ جاتے ہیں بظاہر کوئی منہ سے کچھ نہیں کہتا لیکن جانے کے بعد جو مجھ پر گزرتی ہے وہ میں ہی جانتی ہوں شوہر صاحب ایک ایک چیز کا حساب لیتے ہیں اس قدر اہتمام کی کیا ضرورت تھی حرام کا آتا ہے کیا جس کو دیکھو منہ اٹھائے چلا آتا ہے ہمارے یہاں لڑکی کے گھر والے اس طرح دندناتے ہوئے نہیں آتے"۔ شوہر صاحب کو صفائی کا خبط ہے گھر میں گھستے ہی ایک ایک چیز پر انگلی پھیر کر جتاتے ہیں۔

"تم نے آج صفائی نہیں کی"۔ ٹیلی فون پر اگر بات کر لوں تو ساس پھٹنے لگتی ہیں کہ اتنی لمبی بات کیوں کی میرے بیٹے کی کمائی بے دردی سے لٹا رہی ہو"۔ امامہ کی کہتے کہتے آواز بھرا گئی اور علیزہ ششدر رہ گئی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا"۔ علیزہ کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"تم یقین کرو' پیسہ پیسے کی کوئی کمی نہیں لیکن دل بند اور ہاتھ تنگ ہے' ماپ تول کر پکتا ہے اور اس پر کڑی نظر رہتی ہے کہ کہیں بس کچھ ماسی کو تو نہیں دے رہی لمحے لمحے کا حساب دینا پڑتا ہے لگتا ہے میں ہر وقت عدالت کے کٹہرے میں کھڑی ہوں سارا دن میاں اور ساس کے آگے صفائیاں پیش کرتے گزر جاتا ہے اور پھر ان کا حکم ہے۔

"میں غلط کہوں یا صحیح تمہیں صرف ہاں میں ہاں ملانی ہے کیونکہ شوہر کبھی غلط نہیں ہوتا"۔

"بڑی بھابی بھی کم وبیش انہی حالات کا شکار ہیں تم جانو یہ سارا شہر.... روایات کا ہے جنہیں عورتوں کے حقوق نظر ہی نہیں آتے۔ نندیں آتی ہیں تو ساس کا حکم ہوتا ہے۔

میکے آرام کرنے آتی ہیں ان سے کوئی کام نہ لیا جائے۔ میں اور بھابی کبھی ساتھ بیٹھ کر باتیں کرلیں تو ساس کو غصہ آجاتا ہے۔ میری چغلیاں کررہی ہوگی ساتھ نہ بیٹھا کرو‘۔ ایک ماسی جھاڑو پونچھے کے لئے آتی ہے مگر ہر وقت طعنے سننے کو ملتے ہیں۔

”ارے ہم نے بھی سسرال کا ٹبر سنبھالا تھا مگر مجال ہے جو کسی نوکر کی شکل دیکھی ہو آج کل کی لڑکیاں ”نچھولارانیاں“ ہیں جو خود سے کچھ بھی کرلیں“۔ صبح بچوں اور شوہر کو اسکول بھیجنے کے بعد اگر ہم دونوں بھی لیٹ جائیں تو ساس ہنگامہ مچادیتی ہیں۔

”نماز کے بعد لیٹنا نحوست کی نشانی ہے کام کیا کرو“۔

”میری ساس قائداعظم“ کی جانشین ہیں۔

”کام کام کام اور بس کام“۔ امامہ نے ساس کی نقل اتاری اور علیزہ کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

”یااللہ امامہ! میں تو حیران ہورہی ہوں اس لحاظ سے دیکھا جائے تو میں تو جنت میں رہ رہی ہوں سوائے بدنظمی اور بداخلاقی کے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے“۔ علیزہ نے حیرت سے کہا۔

”اس لئے تو کہتی ہوں میری بہن کہ خدا کا شکر ادا کرو اتنا اچھا سسرال اور اس قدر چاہنے والے شوہر کی بیوی ہو مجھے دیکھو تو شوہر صاحب طبیعت تک نہیں پوچھتے جاگنا تو دور کی بات بلکہ کہہ دیتے ہیں۔ میرے پاس ٹائم نہیں ڈاکٹر کے پاس چلی جاؤ“۔ اور سیلف میڈیسن پر ساس کا پورا پورا زور ہوتا ہے۔

”ارے ڈاکٹر کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے بلاوجہ پیسہ ضائع کرنا۔ کوئی بھی دوا کھالو لوٹ پوٹ کے ٹھیک ہوجاؤ گی“۔ میری پریگنینسی میں انہوں نے صاف کہہ دیا۔

”آرام کی قطعی ضرورت نہیں ہر روز 18 کروڑ کی آبادی میں بے شمار عورتیں بچے پیدا کرتی ہیں تم کونسا انوکھا کام کررہی ہو جو بستر پکڑلیا“۔ یہ میرے شوہر صاحب کا فرمان ہے یقین کرو انعام دینا تو دور کی بات مجھے تو حسرت ہی رہی کہ کبھی کوئی میری پکائی ہوئی چیز کی تعریف کردے بس میں اور بھابی ایک دوسرے کی تعریف کرکے خوش ہولیتے ہیں۔ میں صبر کے علاوہ کچھ کر بھی نہیں سکتی کہ میرے میکے میں کون بیٹھا ہے بوڑھے ماں باپ اور دو کنواری بہنیں۔ بھائی تو کوئی ہے نہیں اور امی نے بھی حالات سے پردہ پوشی کررکھی ہے اور جب بھی کبھی کبھار میکے جاتی ہوں سننے کو یہی ملتا ہے۔

”کنواری توڑے روٹی اور بیاہی..... توڑے بوٹی“۔ بھلا بتاؤ میں کیا کروں اور کس سے کہوں۔ اس لئے تو کہتی ہوں لوگوں کو نہ بدلو تم اپنے اندر بدلاؤ لاؤ‘ میں یہ نہیں کہتی کہ تم ان کی طرح پھوہڑ اور بدسلیقہ بن جاؤ لیکن یہ ذہن میں رکھو وہ دریا ہیں تم قطرہ۔ تم دریا کو کوزے میں بند نہیں کرسکتیں اور نہ ہی لہروں کے خلاف تیر کر خود کو ڈوبنے سے بچاسکتی ہو۔ تم نے جس گھر میں پرورش پائی وہ ایک فوجی کا گھر تھا ڈسپلن اور منظم مگر تمہاری امی بھی کبھی کبھی تمہارے ابا کے اصولوں سے تنگ آجاتی تھیں بلکہ کہتی بھی تھیں کہ۔

”اصول انسان اپنی سہولت کے لئے بناتا ہے اصول قرآن و حدیث نہیں جن کو بدلا نہ جاسکے سارا دن ایک روبوٹ کی طرح مشینی زندگی نہیں گزاری جاسکتی“۔ بلکہ مجھے یاد ہے جب ہم تم حیدرآباد میں ایک ہی محلے میں رہتے تھے اور جب تمہارے ابو چھٹی پر گھر آتے تھے تو سب گھر والے ان کے پابندی وقت اور اصولوں سے تنگ آجاتے تھے وقت پر سونا‘ وقت پر اٹھنا وقت پر کھانا۔ تم لوگ انتظار کرتے تھے کہ کب انکل واپس اپنی ڈیوٹی پر جائیں تو آزادی سے سب رہ سکیں بغیر ٹائم ٹیبل کے“۔ اب یہ آزادی تمہیں اچھی نہیں لگ رہی‘ دراصل میری بہن انسان ہے ہی ناشکرا۔ شکر اور صبر کا لفظ تو انسان کی سرشت میں داخل ہی نہیں یہاں بے شمار لوگ ہیں مگر وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ محبت کی زنجیروں سے بندھے ہیں تسبیح کے دانوں کی طرح سیدھے سادھے معصوم اور دنیا کے جھمیلوں سے ناآشنا۔ ماڈرن زمانے کی ابھی انہیں ہوا نہیں لگی۔ چالاکیاں اور عیاریاں انہیں آتی نہیں۔ تم شکر ادا کرو کہ تمہاری دوسری بہن کو بھی اچھا بر مل رہا ہے ورنہ یہاں تو ماں باپ بیٹیاں رخصت کرنے کو ترس رہے ہیں اور پھر سوچو“۔ امامہ نے پیار سے اس کی کمر سہلاتے ہوئے کہا۔

”ایک اور ایک گیارہ تم دونوں بہنوں کا پلڑا بھاری ہوجائے گا ویسے بھی یہاں سب تمہارا دم بھرتے ہیں پھر تمہارے اس گھر میں چار ووٹ ہوجائیں گے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم غلط ہو لیکن سوچو آنٹی کی پریشانیاں ونیزہ کی شادی سے کتنی کم ہوجائیں گی انکل بھی اب ریٹائرڈ ہوگئے ہیں اور ان لوگوں نے نہ پہلے جہیز کا مطالبہ کیا تھا نہ اب لیں گے۔ ہلدی لگی نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے“۔

”دیکھو علیزہ“۔ وہ ایک مرتبہ پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی جو بڑے دھیان سے امامہ کی باتیں سن رہی تھی۔

”تمہارے سسرال والے محبت کے خمیر سے گندھے ہوئے سیدھے سادھے لوگ ہیں تھوڑی سی قربانی‘ تھوڑا سا ایثار اور تھوڑی سی محبت ان کو تمہارا گرویدہ بناسکتی ہے دانش بھائی کو اپنی فیملی بے حد عزیز ہے ان کی محبت کا تقاضہ ہے کہ تم ان کو عزیز تر بنالو پھر دیکھو محبت کی بانہیں‘ کس طرح تمہارے لئے وا ہوں گی‘ تعریف‘ انسان کے لئے ٹانک کا کام دیتی ہے تم اٹھتے بیٹھتے ان کی تعریف کرو۔ ان کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے‘ غیر محسوس طریقے سے ان کو احساس دلاؤ‘ تحفہ دینے سے محبت بڑھتی ہے اور یہ سنت رسولﷺ بھی ہے ان کو بہانے بہانے سے تحفے دو اور ان کا دل بڑھاؤ‘ ان کا ہاتھ ہر کام میں بٹاؤ۔ سوچو آج تمہارے بچے نہیں۔ کل ہوں گے تو ہاتھوں ہاتھ پل جائیں گے اور تم مزے سے اپنے پڑھانے کا شوق پورا کرسکو گی اور پھر یہ تو بڑی زیادتی ہے کہ ہم اپنی روشنی سے دوسروں کے گھروں میں اجالا بکھیریں اور ہمارا گھر اندھیروں میں ڈوبا رہے۔ تم اپنے علم کی شمع سے اپنے گھر کو بھی منور کرو‘ گھر کے بچوں کو پڑھنے میں مدد دو۔ دیکھو کس طرح سب تمہارے گرویدہ ہوتے ہیں اور دانش بھائی کی نظروں میں تمہاری قدرو منزلت کتنی بڑھ جاتی ہے“۔ علیزہ میں ایک خوبی یہ تو تھی کہ وہ بات کو سمجھ لیتی تھی‘ امامہ نے اسے آئینہ دکھایا تو وہ اپنا ہی عکس دیکھ کر ڈر گئی جس میں ہر چیز بہت واضح اور صاف تھی۔ ہمیں دوسروں کی آنکھ کا بال نظر آجاتا ہے مگر اپنا شہتیر ہم دیکھ نہیں پاتے‘ اتنی دیر میں بڑی بھابی نے ناشتے کا سامان کمرے میں بھجوایا پھر تینوں بھابیاں اور ساس کھانے پر رکنے کے لئے اصرار کرنے لگیں۔ منع کرنے کے باوجود ساس نے ایک خوبصورت جوڑا امامہ کو دیا اور تینوں بھابیوں نے چوڑیوں کے خوبصورت سیٹ۔ امامہ نے معنی خیز نظروں سے علیزہ کی طرف دیکھا اور اس نے شرمندگی سے سر جھکالیا۔

☆

اور گاڑی میں بیٹھتے ہوئے امامہ سوچ رہی تھی۔

”آج کا دن آنٹی کے پاس گزار کر صبح ہی صبح حیدرآباد کے لئے نکل جاؤں گی آخر علیزہ کی امی کو بھی مطمئن کرنا تھا جن کے بلانے پر وہ بطور خاص علیزہ کو سمجھانے حیدرآباد سے آئی تھی اور پھر اسے وہاں پہنچ کر اپنی ساس اور شوہر سے بھی معذرت کرنی تھی جن کی غیر موجودگی میں اس نے ایک گھر کو بکھرنے سے بچانے کے لئے بے شمار جھوٹ بولے تھے کہ۔

”مصلحت آمیز جھوٹ اس سچ سے بہتر ہے جو فساد پھیلانے کا باعث ہو“۔ ورنہ اس کی ساس تو ہیروں میں تولنے کے قابل تھیں اور شوہر سر پر بٹھانے کے۔

☆

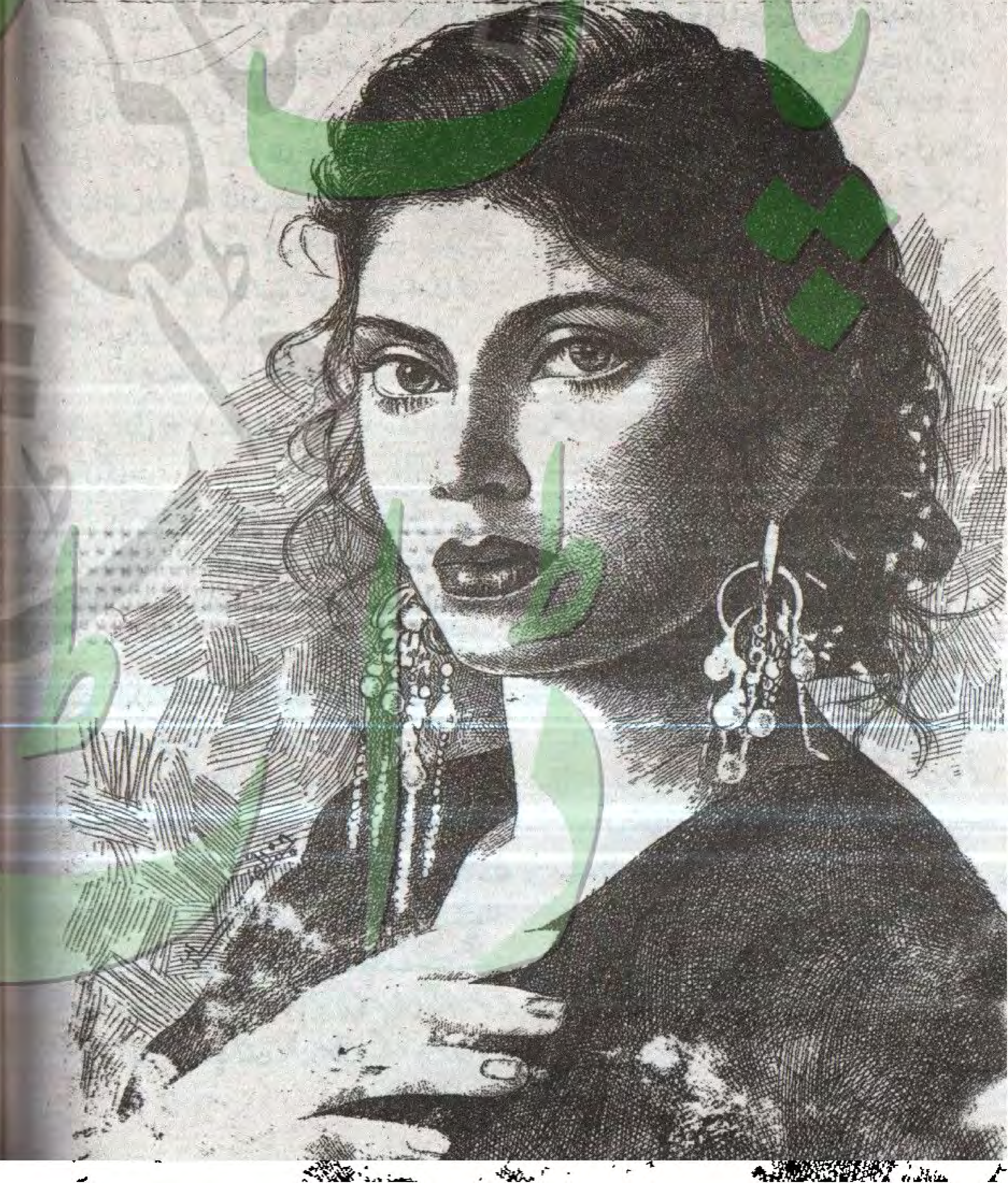
شازیہ مصطفیٰ عمران

قسط نمبر 12

سلسلے وار ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے





"بھابی! یہ ناممکن ہے شہران بھائی تو طوفان مچا دیں گے"۔ شیبا تو ڈرنے لگی۔

"دیکھتی ہوں میں بھی کیسا طوفان مچاتا ہے یہ لڑکا"۔ حرما کو شیبا کو کالج میں ایڈمیشن دلوانا تھا' وہ میٹرک کر کے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی یہ بھی شہران کی وجہ سے' میٹرک سے آگے اس نے پڑھنے ہی نہیں دیا تھا۔

"بھابی! آپ نہیں جانتی ہیں وہ آپ سے بھی پھر بدتمیزی کریں گے' یہ مجھے اچھا نہیں لگے گا"۔

"کرتا ہے کرنے دو' میں بھی اسی کی بھابی ہوں دیکھوں گی کیا کرتا ہے' تم اپنے سارے ڈاکومنٹس نکالو کیونکہ ایڈمیشن فارم آ گئے ہوں گے' ہم کالج جا کر پتہ کر لیتے ہیں' کالج کون سا دور ہے' سرسید کالج اور گورنمنٹ کالج کوئی مسئلہ بھی نہیں ہے دونوں گھر کے قریب ہیں"۔ حرما اسے سمجھانے لگی تاکہ وہ ریلیکس ہو جائے۔

حرما اپنے روم میں چلی گئی۔ ذیشان سے تو اس نے ذکر کر ہی دیا تھا اسے شیبا کی پڑھائی پر کوئی اعتراض نہیں تھا' شہران کا ہی کہا تھا وہ ایڈمیشن لینے نہیں دے گا۔

"ارے بیٹا! کیا تم جھمیلوں میں پڑ رہی ہو' پڑھائی وڑھائی کر کے یہ کیا کرے گی' سال دو سال میں اس کی شادی ہی کر دینی ہے کوئی اچھا رشتہ مل جائے تو"۔ حمیرا نے بھی اسے منع کیا کیونکہ شہران کا غصہ وہ جانتی تھیں کتنا بدلحاظ اور بدتمیز ہو جاتا تھا اور حرما سے بدتمیزی کرے یہ انہیں بالکل گوارا نہیں تھا۔

"امی! آپ شہران کی فکر نہیں کریں اسے فیس میں کر لوں گی اور ہماری شیبا ابھی اتنی بڑی نہیں ہے کہ اس کی آپ اتنی جلدی شادی کر دیں' اسے پڑھائی کرنے دیں پھر ہی اس کی شادی کا ہم سوچیں گے"۔ حرما نے انہیں بھی تسلی دی۔

"حرما! میری بچی وہ شہران غصہ کرے گا"۔

"آپ اس کی فکر نہیں کریں اس کا غصہ میں جانتی ہوں سب ٹھیک کر دوں گی اس کا غصہ وغیرہ' میں ہوں ناں آپ کیوں ڈرتی ہیں"۔ اس نے حمیرا بیگم کے ہاتھوں کو دبایا۔ وہ کتنی فکرمند اور رنجور سی بیٹھی تھیں' سب سے زیادہ انہیں شہران کی ہی فکر تھی جو گھر میں آئے دن ہنگامے کرتا رہتا تھا۔

"اچھا دیکھ لو تم"۔ وہ خاموش ہو گئیں۔

"یہ بسمہ ابھی تک ٹیوشن سے نہیں آئی"۔ حرما نے کلاک پر نگاہ ڈالی سات بج رہے تھے' پانچ بجے وہ ٹیوشن جاتی تھی۔

"لگ گئی ہو گی حنا کے ساتھ کیونکہ وہ بہت لگاتی ہے بسمہ کو"۔ حمیرا بیگم نے بتایا۔

"ہوں"۔ حرما سر ہلا کے کچن میں چلی گئی۔ اب تو کچن کی ذمہ داری بھی اس نے اٹھالی تھی' شیبا کو آج کل پڑھائی کی طرف لگایا ہوا تھا۔ لیل ماہ کو کئی دن سے وہ بلوا رہی تھی وہ بھی نہیں آ رہی تھی' اسے اپنے گھر کی بھی فکر تھی' ذیشان سے کئی دفعہ ذکر کر چکی تھی۔ ذیشان یونیورسٹی ختم ہونے کے بعد کہیں لیکچرار کے لئے درخواستیں دے چکا تھا' اسی کی بھاگ دوڑ میں صبح سے نکل جاتا تھا' اس کا بھی لیل ماہ سے ملنا نہیں ہو رہا تھا' شہران سے بھی کہا تھا اگر اسے وہ نظر آئے تو کہہ دینا بلایا ہے۔

رات کا کھانا وغیرہ وہ خود بنانے لگی تھی۔ محمد احمد کو وہ سب سے پہلے کھانے وغیرہ کا پوچھتی تھی' وہ چاہے جیسے بھی تھے اس گھر کے سربراہ تھے اور وہ انہیں وہی عزت دیتی تھی۔

ذیشان رات دس بجے تھکا ہارا گھر پہنچا تھا' حرما نے اس کے چہرے سے اندازہ لگا لیا تھا وہ بہت تھکا ہوا ہے۔

"کیا بات ہے آج آپ پورا دن گھر نہیں آئے"۔ حرما کا لہجہ تشویش بھرا اور شاکی تھا۔

ذیشان نے چونک کر اس کے لہجے پر غور کیا' انداز بالکل بیویوں والا تھا فکرمند اور پریشان۔

"ہاں...... وہ بس کچھ دوستوں کی طرف نکل گیا تھا"۔ رسٹ واچ اتار کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی' شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولے' پینٹ سے شرٹ باہر کی اور بیڈ پر دراز ہو گیا۔

"امی بہت فکرمند ہو رہی تھیں"۔ حرما کی نگاہ نیچی تھی۔

"اور تم کتنی ہو رہی تھیں؟" شوخی اور معنی خیزی انداز میں چھلک رہی تھی۔

"جی میں بھی ہو رہی تھی فکرمند"۔ گڑبڑائی۔

"کیوں؟" برجستہ سوال کر بیٹھا۔

"اس لئے کہ میں آپ کی بیوی ہوں اور مجھے ہونا بھی چاہیے فکرمند"۔ اسے ذیشان کے سوال پر کچھ ناگواری بھی ہوئی۔ وہ سیدھا لیٹا ہوا پنکھے کو دیکھ رہا تھا۔

"بیوی ہو تو اس لئے فکرمند تھیں ورنہ نہیں ہوتیں"۔

"پلیز آپ کو اگر لڑائی کرنی ہے تو ایسے ہی کہہ دیں' طنز کیوں کر رہے ہیں"۔ حرما کو کھسیاہٹ ہوئی۔

"ابھی ہماری دوستی ہوئی کب ہے جو نوبت لڑائی کی آئے"۔ وہ بڑے لاپرواہ انداز میں گویا تھا۔

حرما کو ذیشان کا ایسا رویہ اور باتیں کوفت میں مبتلا کرنے لگیں حالانکہ وہ کبھی بھی اس سے طنزیہ لہجے میں بات نہیں کرتا تھا۔

"آپ کی ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟"

"مطلب واضح ہے تم اس گھر میں بہو بن کے آئی ہو' اپنے فرائض نبھا رہی ہو' چاہے دل سے نہیں مگر تمہیں یہ سب قبول کرنا پڑ گیا ہے"۔ کتنا تلخ اور روکھا ہو رہا تھا جبکہ اس کی شخصیت میں ترشی تک نہیں تھی۔

"لگتا ہے باہر کسی سے جھگڑا ہوا ہے"۔ حرما نے اس کے چہرے کے تاثرات جانچنے کی کوشش کی۔ وہ سمجھ تو گئی تھی کب سے وہ جاب کے چکر میں مارا مارا پھر رہا ہے ابھی تک کہیں سے رسپانس نہیں ملا تھا۔

"میں جھگڑے نہیں کرتا کسی سے"۔ جھٹ گویا ہوا۔

"آپ فریش ہو جائیں میں آپ کے لئے کھانا لے کر آتی ہوں"۔ وہ اٹھنے لگی۔

اس کے کپڑے نکال کے بیڈ پر ڈالے اور نکل گئی۔ ذیشان جب باتھ لے کر فریش ہوا وہ ٹرے اٹھائے اندر آ گئی۔

"میں باہر ہی آ کر کھانا کھاؤں گا کمرے میں نہیں"۔ اس نے اشارے سے روکا۔ حرما خفیف ہو کر رک گئی۔ ایزی سے اسکائی بلیو قمیض شلوار میں ملبوس سوبر سا ذیشان حرما کو بہت اچھا لگا۔

"کیا ہوا' اتنے غور سے کیا دیکھ رہی ہو؟"

"جی کچھ نہیں"۔ وہ جھینپ گئی۔ ٹرے لے کر روم سے نکل گئی۔ حرما کو شرمندگی بھی ہوئی وہ کیوں اتنی غور سے اسے دیکھ رہی تھی' وہ کیا سوچے گا۔ ٹرے تخت پر رکھ کر وہ شیبا اور بسمہ کے روم میں چلی گئی تھی' بسمہ تو سو گئی تھی شیبا لیٹی ہوئی تھی۔

حرما کو وہ ایکدم سے اور زیادہ پیارا لگنے لگا تھا آج اس کی اتنی تلخ اور طنزیہ باتیں بھی بری نہیں لگی تھیں۔

"حرما! ذیشان کے لئے چائے بنا دینا' میں لیٹنے جا رہی ہوں میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے"۔

"جی اچھا"۔ حمیرا بیگم کی آواز پر فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔

کچن میں آ کر اس کے لئے چائے بنانے لگی' شہران بھی آ گیا۔ دیگچی کا ڈھکن ہٹا کے دیکھنے لگا وہ بھی ابھی

گھر لوٹا تھا۔

"کھانا کھاؤ گے میں گرم کر دیتی ہوں"۔ حرما کو اس پر کبھی کبھی بہت غصہ آتا تھا۔

"میں خود نکال لوں گا"۔ اکھڑ پن سے جواب دیا۔

"سیدھی طرح باہر نکل جاؤ' ہر وقت تمہارا رعب مجھ پر نہیں چل سکتا' نکلو باہر"۔ اس نے کڑے تیوروں کے ساتھ شہران کو جھڑک ہی دیا۔ وہ دانت پیس کے نکل گیا' اس نے کھانا بھی گرم کیا اور چائے بھی بنائی۔

"پانچ ہزار روپے کی مجھے ضرورت ہے صبح جانے سے پہلے مجھے دے جانا"۔ ٹرے اس کے سامنے ٹیبل پر رکھی جو ٹی وی آن کر کے بیٹھا تھا۔ شہران نے ناسمجھی کی کیفیت میں حیرانگی سے حرما کو دیکھا' اس کی سماعتوں نے کیا سنا تھا۔

"حیران نہیں ہو مجھے ضرورت ہے' تمہارے بھائی جان کی جاب لگ جائے گی تو واپس کر دوں گی"۔ یہ کہہ کر وہ رکی نہیں چلی گئی۔

شہران تو بھنا کے رہ گیا۔ آخر اسے اتنے پیسوں کی ضرورت کیوں پڑی اور کتنے رعب اور تحکم زدہ لہجے میں اس سے مخاطب ہوتی ہے۔ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کے رہ گیا' بھوک بہت لگی تھی اس لئے کھانے سے منہ نہیں موڑا۔

☆

دو دن تو وہ آفس نہیں آئی تھی۔ حمدان موبائل پر روز اس کی خیریت پوچھتا رہا۔ آج بھی آفس نہیں آسکی کیونکہ زویا نے خوبصورت سے گول مٹول بیٹے کو جنم دیا تھا۔ وہ اسے دیکھنے گھر چلی گئی تھی جبکہ شہر کے حالات بھی ٹھیک نہیں تھے۔ پورا ٹریفک بلاک تھا گاڑی ایک جگہ آ کر رک گئی تھی۔ اریشماء کے گھبراہٹ کی وجہ سے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

حمدان کو کال کی' شکر ہے اس نے فوراً ہی ریسیو کر لی تھی۔

"میں آفس آ رہی تھی پورا روڈ بلاک ہے' میں درمیان میں پھنسی ہوئی ہوں"۔ دل تو اس کا بہت چھوٹا تھا جبکہ بنتی بہت نڈر تھی مگر آج دوسری دفعہ وہ ایسے حالات میں پھنس گئی تھی۔

"آپ اس وقت کون سی جگہ پر ہیں؟" حمدان بھی فکر مند ہو گیا۔

"شارع فیصل کے پاس جو برج ہے وہاں سے پورا روڈ بلاک ہے اور میں بینک کے پاس ہوں"۔ اس نے اطراف میں نگاہ دوڑا کے ساری تفصیل بتائی۔

"آپ ایسا کریں گاڑی سائیڈ پر ہی کہیں پارک کریں' میں آتا ہوں"۔ حمدان نے گویا اس کی مشکل آسان کی۔ اریشماء پر تو شادی مرگ طاری ہو گیا' حمدان اور اتنا نرم اور خیال کب سے کرنے لگا؟ موبائل آف کر کے وہ گاڑی کو نکالنے کے لئے جگہ تلاش کرنے لگی' مگر گاڑیوں کا ایک اژدھام تھا جو چیونٹی کی رفتار سے آگے سرک رہی تھیں۔ شہر کے حالات سدھرنے میں ہی نہیں آ رہے تھے۔ ممی تو اسے باہر نکلنے ہی نہیں دیتی تھیں۔ آج بھی ضد کر کے نکلی تھی۔ زویا کا بیٹا بھی ایک ہفتے کا ہو گیا وہ ناراض ہونے لگی تھی اسی لئے ملنے اور دیکھنے چلی گئی تھی' واپسی میں وہ پھنس گئی تھی۔

موبائل پھر اس کا بیپ دینے لگا' اتنی کوفت ہو رہی تھی۔

"آپ کہاں ہیں؟" حمدان کی جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔

"میں سائیڈ پر بینک کی طرف"۔ اریشماء نے بھی کان سے موبائل لگائے حمدان کو ڈھونڈنے کے لئے نگاہ دوڑائی۔

کال کٹ ہو گئی' اریشماء پریشان ہو گئی' اسی وقت حمدان سامنے نظر آیا۔ اریشماء نے ہارن دیا اس کی نگاہ پڑ گئی' گاڑیوں کے ہجوم کے درمیان سے وہ چلتا ہوا اس تک پہنچا تھا' بمشکل ڈرائیونگ ڈور کھلا وہ لاک کر کے نکلی تھی۔

"ادھر گاڑی ایسے ہی چھوڑنا پڑے گی کیونکہ آگے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے"۔ حمدان نے اسے بتایا۔

اریشماء اس کی ہمراہی میں فٹ پاتھ عبور کر کے اس کی بائیک تک آ گئی۔

"آپ کے ڈیڈی بہت پریشان ہو رہے تھے جب ہی میں نے آپ کو کال کی تھی"۔ وہ بائیک اسٹارٹ کر چکا تھا' اریشماء ہچکچانے لگی آج دوسری دفعہ اسے بیٹھنا تھا۔

"پلیز بیٹھ جایئے آفس کے باہر ہی آپ کو اتار دوں گا"۔ وہ سمجھ گیا وہ بائیک پر بیٹھنے سے جھجک رہی ہے۔

"دیکھئے مجبوری میں تو بیٹھنا پڑے گا کیونکہ بائیک واحد سواری ہے جو چھوٹی جگہوں سے بھی نکل جائے گی"۔ وہ آگے ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

اپنے لائٹ پرپل کاٹن کے کپڑوں کو سمیٹ کر دوپٹہ اچھی طرح اوڑھ کے بیٹھ گئی۔ حمدان کا شانہ پکڑے بغیر بیٹھنا مشکل تھا' حمدان بڑی سنبھل کے بائیک چلا رہا تھا' آگے تک گاڑیوں کی قطار تھی' وہ چھوٹی چھوٹی جگہوں سے بائیک نکال رہا تھا۔ حمدان کو ڈر بھی لگ رہا تھا وہ کہیں گر نہ جائے' ایک تو اسے عادت بھی نہیں تھی بائیک پر بیٹھنے کی۔

آج وہ پھر اس کے اتنے قریب تھی دل کی دھک دھک حمدان بھی بخوبی محسوس کر رہا تھا' اگر وہ اس کے باس کی بیٹی نہیں ہوتی تو شاید وہ اس کے متعلق سوچنے بھی لگتا مگر وہ اسے اگنور ہی کر رہا تھا۔

"کہاں گئے تھے تم لوگ؟" تیمور نے ان دونوں کو دیکھ لیا تھا۔ اریشماء تو جھینپ گئی جبکہ حمدان کچھ گڑبڑا گیا۔ تیمور کی تنقیدی اور فہمائشی نگاہوں نے دونوں کا جائزہ لیا۔

"تم سے مطلب"۔ اریشماء نے سارا اعتماد بحال کر کے اسے ترخ کے جواب دیا۔

حمدان بائیک پارک کر کے اندر چلا گیا۔ وہ تیمور کے منہ لگ کے کوئی ہنگامہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تم اس دو کوڑی کے ملازم کے ساتھ بائیک پر تھیں' تمہیں شرم نہیں آئی"۔ لہجے میں حقارت اور نفرت تھی۔

"جسٹ شٹ اپ"۔

"اگر کہیں تم دونوں گھومنے گئے تھے اس میں اتنا غصہ ہونے کی کیا بات ہے"۔ تیمور جتنی بری گفتگو کر سکتا تھا وہ کر رہا تھا۔ اریشماء نے مٹھیاں بھینچ لیں' دل کر رہا تھا تیمور کے رخسار پر طمانچہ جڑ دے۔

وہ اس کے منہ لگے بغیر اندر لفٹ کی سمت بڑھ گئی' آفس میں روحیل سکندر اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

"بیٹا! آپ بتا کر تو جایا کرو کتنا میں پریشان تھا"۔ روحیل سکندر نے اسے دیکھ کر تشکر بھرا سانس لیا۔

"ڈیڈی! میں جب زویا کے گھر گئی تھی سب کچھ صاف تھا' یہ تو واپسی میں اتنا ٹریفک ہو گیا"۔ چیئر پر بیٹھی۔

"حمدان نے ہی تمہیں کال کی' بھلا ہو اس لڑکے کا وہ تمہیں جا کرلے بھی آیا ورنہ تم تو وہاں پھنسی ہی رہتیں"۔

"ڈیڈی! گاڑی کہیں پھر غائب نہ ہو جائے"۔ اسے گاڑی کی فکر ہوئی' پہلے ہی ایک گاڑی چوری ہو چکی تھی جو آج تک نہیں ملی تھی۔

"گاڑی سے زیادہ مجھے تمہاری فکر تھی' گاڑی کو چھوڑو قسمت میں ہو گی تو مل جائے گی"۔ انہوں نے اریشماء کو تسلی دی۔

حمدان بڑی عجلت میں تھا' مصروف تو وہ ہر وقت ہی رہتا تھا۔

''سر! میں اب چلتا ہوں''۔ وہ اجازت لینے آیا۔

''تایا ابو! اریشماء سے پوچھا یہ کہاں گھومنے گئی تھی''۔ تیمور دونوں کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ہاں وہ حمدان' اریشماء کو لینے گیا تھا روڈ بلاک تھا''۔ روحیل سکندر نے اتنے اطمینان سے جواب دیا کہ وہ لاجواب ہی ہو گیا۔

حمدان اور اریشماء کے لب مسکرانے لگے' تیمور زچ ہو گیا۔ جواب میں وہ کرارا سا جواب دینا چاہتا تھا حمدان سر ہلاتا ہوا نکل گیا۔

''ڈیڈی! میں بھی گھر جا رہی ہوں حمدان کے ساتھ''۔ وہ رکی نہیں' تیمور کو جلاتی ہوئی گئی تھی' تیمور حیران تھا روحیل سکندر' حمدان کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔

☆

لائبہ نے اسے بتایا تھا حرما اسے بلا رہی ہے مگر اس کی شہران کی اُس حرکت کی وجہ سے جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی' اگر گھر میں ابو اور ایاز بھائی کو ذرا بھی پتہ چل گیا کتنی سبکی ہو گی اور اسے ابو سے یہی امید تھی کہ حرما کی طرح اس کا بھی نکاح پڑھوا کے شہران کے ساتھ چلتا کر دیں گے' وہ تو منہ دکھانے کی نہیں رہے گی' پہلے ہی وہ حرما کی وجہ سے فکرمند رہتی تھی' شادی کو بھی اس کی تین ماہ ہو گئے تھے۔ حرما نے خود کو کافی حد تک وہاں ایڈجسٹ کر لیا تھا' اسے یہی خوشی تھی مگر جب اسے شہران کی اُس حرکت کی خبر ہو گی تو کیا کرے گی۔

آج اس نے ہمت کر ہی لی۔ ایاز بھائی تو آفس گئے تھے' بھابی اپنی امی کے گھر دو دن کے لئے گئی ہوئی تھیں' ابو بھی کہیں ملنے والوں کی طرف گئے ہوئے تھے۔

''جلدی آ جانا اور ہاں یہ کپڑے اور چیزیں اس کے ہاتھ میں ہی دینا''۔ امی نے ایک بڑا سا شاپر اس کے حوالے کیا۔

''امی! اس کی ضرورت کیا ہے' آپی بالکل بھی نہیں لیں گی''۔ وہ شاپر رکھنے لگی۔

''میری بیٹی خالی ہاتھ رخصت ہوئی ہے کچھ تو اپنی خوشی سے مجھے بھیجنے دو''۔ ان کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

''اچھا اچھا لائیے آپ تو اداس ہونے لگتی ہیں''۔ لیل ماہ نے جھٹ شاپر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

وہ گیٹ سے باہر نکلی تو شکر تھا گلی میں کوئی نہیں تھا۔ تیز تیز قدم بڑھا کے جب وہ ان کے گیٹ تک آئی تو شہران کو اپنی ٹیکسی دھوتے ہوئے دیکھا' اسے دیکھ کر وہ جھجک گئی۔ گھر کے بالکل آگے ہی وہ پائپ لگائے ٹیکسی کی دھلائی کر رہا تھا' بلیک ٹراؤزر پر ڈھیلی سی پنک شرٹ میں وہ اسے گھورنے لگا۔

''یہ جنگلی گھر میں ہے ہائے کیا کروں؟ لوٹ جاؤں یا اندر چلی جاؤں؟'' وہ تذبذب کا شکار ہو گئی۔

''اگر واپس چلی گئی تو یہ سمجھے گا میں ڈر گئی ہوں''۔ نگاہ کو اٹھایا' شہران کی چمکتی بے باک نگاہوں سے وہ پزل ہو گئی۔

''مجھے اندر جانا ہے''۔ آواز کو مضبوط بنایا۔ چہرے پر درشتی اور سختی رکھے ہوئے تھی۔

شہران نے اسی وقت پانی کا پائپ اوپر کیا' پانی کی بوچھاڑ سے لیل ماہ کے چہرے پر چھینٹیں پڑنے لگیں' وہ برہم ہونے لگی۔

''آپ کو سنائی نہیں دیا مجھے اندر جانا ہے راستہ دیں''۔ شاپر دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔ مگر وہ تو ایسے بن گیا جیسے سنائی نہیں دے رہا ہو۔ وہ اس کے اجڈ پن پر دل ہی دل میں برا بھلا کہنے لگی۔ گیٹ پورا گھیر کے کھڑا تھا' پوری گلی میں

پانی پانی ہو رہا تھا۔ یلو کیب چمک سی گئی تھی۔

''مسٹر! آپ کو لگتا ہے واقعی سنائی نہیں دیتا''۔ وہ سیڑھی پر چڑھ گئی۔ شہران چبوترے پر ہی کھڑا تھا۔ دونوں کے شانے مس ہو گئے' لیل ماہ جھٹکے سے پیچھے ہوئی جیسے کوئی موذی چیز چھو گئی ہو۔

''بدتمیزی کی حد ہے''۔ منہ میں بڑبڑائی۔

شہران نے ابھی تک بھی لب نہیں کھولے تھے مگر اس کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں' ان میں اتنا کچھ تھا وہ سہم سی گئی تھی۔ اس نے گیٹ کھولا اسی وقت وہ اندر چلی گئی۔ وہ موٹر بند کرنے اندر گیا تھا' پورا صحن پانی پانی ہو رہا تھا' وہ تو پھسلتے پھسلتے بچی۔

''ارے لیل ماہ! بیٹی آؤ سنبھل کے''۔ حمیرا بیگم کی اس پر نگاہ پڑی انہوں نے مسکرا کے اس کا استقبال کیا۔

''شہران! تو نے پورے صحن میں پانی پانی کر دیا ہے''۔ انہیں شرمندگی بھی ہوئی۔

حرما بھی آواز پر نکل آئی مگر صحن کا حشر دیکھ کر اسے تو بہت غصہ آیا' کتنی محنت سے شیبا نے صفائی کی تھی اور اس نے پورا صحن پانی اور مٹی سے گندا کیا ہوا تھا۔

لیل ماہ پانی سے بچ کے برآمدے میں چیئر پر بیٹھ گئی۔ حرما وائپر لے آئی۔

''پانی صاف بھی کر دینا سمجھے''۔ اس نے تحکم سے کہا۔ شہران نے نگاہ ترچھی کی' لیل ماہ کے سامنے وہ اس پر رعب سے مخاطب ہو وہ کیسے برداشت کر لے۔

''ابھی میں جلدی میں ہوں''۔ پائپ لپیٹ کے گیٹ کے ساتھ ہی رکھ دیا۔ حرما کی تنقیدی نگاہیں اس پر تھیں جو اس وقت تنے ہوئے چہرے کے ساتھ تھا۔

''یہ سب صاف کر کے جانا سمجھے''۔ وہ بھی ڈٹی ہوئی تھی۔ لیل ماہ کا حیرانگی سے منہ کھل گیا' حرما کا اتنا رعب وہ بھی شہران پر' بصارت اور سماعت یقین نہیں کر رہی تھی۔

''حرما! بیٹی رہنے دو شیبا صاف کر دے گی''۔ حمیرا بیگم کو ڈر ہوا وہ لیل ماہ کے سامنے اس سے بدتمیزی نہیں کرے۔

''امی! یہ صاف کر دے گا آپ شیبا کو کیوں کہیں گی''۔

شہران وائپر لے کر صحن کا پانی صاف کرنے لگا۔ لیل ماہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس جنگلی وحشی کو اس کی بہن نے اپنے رعب میں کیسے لے لیا۔

''آپی! یہ تم ہی ہو نا؟'' لیل ماہ کو وہ اپنے روم میں لے آئی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' اس نے پنکھا آن کیا۔

''شہران اجڈ کو تم نے اتنے رعب سے کہا' واؤ......'' وہ تو خوش ہونے لگی۔

''اچھا اچھا بس وہ میرا دیور ہے میں اس کی بھابی ہوں' جو غلط ہے اسے بتاؤں گی اور جو صحیح ہے وہ کرواؤں گی''۔

حرما اس کے اتنے خوش ہونے پر حیران تھی۔

''میں تو ایسے ہی کہہ رہی ہوں''۔ وہ خفیف سی ہو گئی۔

''یہ کپڑے ہیں آپ کے لئے امی نے بھیجے ہیں اور یہ کچھ پھل وغیرہ''۔ لیل ماہ نے شاپر اسے دیا۔

''کیا ضرورت تھی اس کی' میرے پاس سب کچھ ہے' یہ سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں''۔ حرما کے لہجے میں افسردگی در آئی۔ تین ماہ سے اپنے ماں باپ کی صورت نہیں دیکھی تھی کیسے اس کا دل بے چین ہوتا تھا' مگر اس نے

ناچاہتے ہوئے بھی اپنا دل یہاں لگا لیا تھا جب یہیں اس کی زندگی گزرنی تھی۔

"پتہ ہے سب ہے تمہارے پاس"۔ وہ دونوں پاؤں اوپر کرکے بیٹھ گئی مگر اس کی کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی' کیسے پوچھے ڈانٹ بھی سکتی تھی۔

"امی ابو کیسے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں"۔

"آپی! ایک بات پوچھوں ڈانٹو گی تو نہیں؟" ڈرتے جھجکتے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"ہوں"۔ اس نے سر ہلایا۔

"کوئی خوش خبری تو نہیں ہے؟"

"زیادہ دادی اماں نہیں بنو"۔ وہ جھینپ گئی۔

"چلو آؤ میں تمہیں چائے کے ساتھ رول کھلاتی ہوں' میں نے بنا کے رکھے تھے"۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے باہر لے آئی۔

صحن بالکل صاف ستھرا پڑا تھا مگر وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ حرا کچن میں جانے لگی لیل ماہ نے تقلید کی مگر پیچھے سے گزرتا شہران اسے چھو گیا تھا' وہ تو سہم کے رہ گئی' ناگواری سے اسے گھورا مگر شہران کی نگاہوں میں ذرا بھی شرمندگی نہیں تھی' وہ تیزی سے کچن میں گھس گئی مگر وہ بھی بہانے سے اندر آ گیا' دوبارہ اس کا بازو لیل ماہ کی پشت سے مس ہو گیا۔ وہ تو زرد ہو گئی مگر اپنی زبان کو قابو میں رکھا۔

"چائے بنا کے بھیج رہی ہوں تم اندر جاؤ"۔ حرا سمجھ گئی تھی وہ چائے کے لئے اندر آیا ہے۔

حرا کی تو پشت تھی وہ نہ تو لیل ماہ کا برہم چہرہ دیکھ رہی تھی اور نہ ہی شہران کی حرکت دیکھ رہی تھی۔ وہ جاتے جاتے بھی اس کی پشت سے ہاتھ نکال کے اسے خود سے قریب کر گیا تھا۔

"آپی......" وہ تو چیخ پڑی مگر شہران اسے ڈرا کے کچن سے نکل گیا۔ حرا نے چونک کر دیکھا لیل ماہ کا چہرہ حواس باختہ تھا' ماتھے پر پسینہ بھی تھا۔

"کیا ہوا؟"

"وہ کچھ نہیں مجھے یاد آیا دیر ہو گئی ہے' ابو نہیں آ گئے ہوں کہیں"۔ وہ مزید یہاں رکنا نہیں چاہتی تھی' حرا نے' حمیرا بیگم نے بہت روکا مگر وہ نہیں رکی۔ شہران کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی' وہ لیل ماہ کو خوفزدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا' وہ خود حیران تھا لیل ماہ کے ساتھ ایسی حرکت کیوں کی' اس دن بھی راستے میں روک لیا تھا اور آج اپنے گھر میں ہی اس نے اتنے نڈر انداز میں چھو لیا تھا۔

☆

"تم نے شہران سے 5 ہزار روپے کیوں مانگے ہیں؟" ذیشان نے اس سے استفسار کیا' وہ اس کے لئے ناشتہ لگا رہی تھی۔

"میں نے آپ کو بتایا تو ہے شیبا کا کالج میں ایڈمیشن کروا رہی ہوں"۔ حرا کو اس کے بھولنے پر حیرانگی ہوئی۔

"اس سال رک جاؤ اگلے سال کروا دینا' میری جاب کا دیکھو کہیں سے بھی آج کل میں لیٹر آنے والا ہے"۔ وہ چیئر گھسیٹ کے بیٹھا۔

"یہ سال پھر اس کا ضائع ہو گا اور پھر شہران اس کا بھائی ہے اگر وہ پیسے دے دے گا تو کوئی غلط بات تو نہیں

ہے"۔ اس کا ذیشان کی بات پر منہ بن گیا۔

"تمہیں نہیں پتہ شہران بالکل شیبا کی آگے پڑھائی کے لئے راضی نہیں ہو گا"۔

"کیوں نہیں راضی ہو گا' کیا برائی ہے؟" وہ اس سے دوبدو ہو گئی۔

"میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا"۔ ذیشان نے اچٹتی نگاہ لائٹ سی گرین پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس حرا پر ڈالی جو اس وقت اس سے بحث کرتی بالکل عام بیویوں کی طرح لگ رہی تھی۔

"ایسی کیا بات ہے جو نہیں سمجھا سکتے"۔ اس کی آواز تیز ہو گئی۔ محمد احمد لاؤنج میں لیٹے ہوئے تھے' ان کی استفہامیہ نگاہ اٹھی' وہ جز بز سی ہو گئی ورنہ وہ ابھی تک اتنی آواز میں کسی سے بھی مخاطب نہیں ہوئی تھی۔

"آہستہ تو بولو ابو ہیں لاؤنج میں"۔ ذیشان آہستگی سے گویا ہوا کیونکہ محمد احمد اب لاؤنج سے باہر آ گئے تھے' حرا سنبھل کے بیٹھ گئی آنچل سر پر ٹھیک سے اوڑھا۔

"ابھی آپ کہاں جا رہے ہیں؟" وہ خجل سی ہو گئی۔

"یونیورسٹی میں کچھ کام ہے ضروری جانا ہے دوپہر تک آ جاؤں گا"۔ ناشتے سے فارغ ہوا اور روم میں چلا گیا۔

"روزانہ ہی آپ کو کہیں نہ کہیں جانا ہوتا ہے"۔ حرا نے منمنا کے شکوہ کیا' وہ چونک گیا کیونکہ آج پہلی دفعہ وہ ایسے گویا ہوئی تھی۔

"رک کر کروں گا بھی کیا"۔ وارڈروب بند کی' والٹ اٹھا کر پاکٹ میں رکھا۔ حرا کی نگاہ جھک گئی' وہ جو مسکرا رہا تھا۔

"ماں باپ کا گھر تو چھوٹ ہی گیا ہے' میں تو کہیں بھی آ جا نہیں سکتی"۔ اس پر اداسی سی سوار ہونے لگی۔ ذیشان نے رک کر اس کی مغموم صورت دیکھی وہ خود اس کی اداسی سمجھتا تھا مگر اس نے اس پر بھی شکر ادا کیا کہ حرا نے خود کو گھر میں ایڈجسٹ کر لیا تھا مگر آج پھر وہ اتنی افسردہ ہوئی' ذیشان کا دل پریشان ہو گیا۔

"حرا آئی ایم سوری! میں جانتا ہوں تمہیں ناکردہ گناہ کی سزا ملی ہے جبکہ اس میں قصور نہ تمہارا تھا نہ میرا"۔ اس نے حرا کا ہاتھ پکڑا اور بیڈ پر بٹھا دیا۔ حرا کی آنکھوں میں نمکین پانی تیرنے لگا تھا۔

"امی بہت یاد آتی ہیں"۔

"ہاں میں سمجھتا ہوں' تم اپنی امی سے ملنے جانا چاہو تو چلی جاؤ"۔

"نہیں نہیں بالکل نہیں' جب میرے باپ نے ہی رخصت کر کے رشتہ ختم کر دیا تو میں کیسے جا سکتی ہوں"۔ وہ بھٹ گویا ہوئی۔

"میری امی تو ختم نہیں کر کے آئیں' وہ تو یہی کہہ کر آئی ہیں حرا کی طرف سے پابندی نہیں ہے مگر میرے ابو تو کبھی بھی میری صورت نہیں دیکھنا چاہیں گے"۔ یہ غم اسے اندر سے کھلا رہا تھا حالانکہ اس نے خود کو یہاں مصروف کر لیا تھا مگر ماں باپ' بہن بھائی تو اسے کسی لمحے نہیں بھولتے تھے۔

"اچھا ان سب باتوں کو چھوڑو' تم اپنا دل اداس نہیں کرو"۔ اس نے حرا کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھے۔

"مجھے اس ٹائم جلدی ہے"۔ عجلت میں اٹھا۔

"میں شیبا کا کالج میں ایڈمیشن کروا رہی ہوں آپ کا اعتراض میں بالکل نہیں مانوں گی"۔

"اچھا بھئی جو کرو مگر شہران کو تم ہی ہینڈل کرنا"۔ وہ مسکرایا۔

"اسے میں ہی ہینڈل کر رہی ہوں' سب کو اس نے پریشان کر رکھا ہے"۔ ذیشان اللہ حافظ کہہ کر نکل گیا تھا۔ حرا

گو بھی اب شہران سے ضد تھی اس نے سوچ لیا تھا شیبا کا ایڈمیشن وہ ضرور کروائے گی چاہے وہ کتنا ہنگامہ کرے۔

☆

چچی جان کب سے جواب مانگ رہی تھیں مگر فوزیہ روحیل مسلسل انہیں ٹالے جارہی تھیں' مگر روحیل سکندر کو بھتیجے سے کچھ زیادہ ہی محبت تھی وہ رضامندی دینا چاہتے تھے مگر اریشماء کی چپ انہیں کوئی بھی قدم اٹھانے نہیں دے رہی تھی۔

''دیکھو تیمور گھر کا بچہ ہے دیکھا بھالا ہے' پھر ہماری اریشماء ہماری نظروں کے سامنے رہے گی' ہمیں یہ تو فکر نہیں رہے گی ہماری بیٹی غیروں میں گئی ہے''۔

''ایسا تو آپ سوچ رہے ہیں' جب تک اریشماء راضی نہیں ہوگی ہم آپ کچھ نہیں کہہ سکتے''۔ فوزیہ روحیل چڑنے لگیں۔

''اریشماء سے میں خود بات کرلوں گا' میری بیٹی بہت سمجھدار ہے انکار نہیں کرے گی''۔ روحیل سکندر نے سگار کو سلگا کے ہونٹوں میں لگایا۔ فوزیہ روحیل لب کچل رہی تھیں۔ وہ تو تیمور اور اپنے دیور دیورانی کی سوچ کو اچھی طرح سمجھتی تھیں۔

''تم پریشان نہیں ہو سب ٹھیک ہوجائے گا''۔ انہوں نے فوزیہ کو تسلی دی۔

''اریشماء مجھے منع کررہی تھی وہ کہہ رہی تھی تیمور سے اس کی انڈراسٹینڈنگ نہیں ہے''۔

''انڈراسٹینڈنگ پیدا کی جاتی ہے منگنی کے بعد دونوں ساتھ گھومیں پھریں گے سب ہوجائے گی''۔ روحیل سکندر جیسے ان کی کسی بات کو اہمیت نہیں دینا چاہتے تھے۔

''وہ کہتی ہے جس سے میرا ذہن ملے گا میں اس سے شادی کروں گی''۔ وہ تو بےزار ہو کر زچ ہوگئیں۔

''تیمور سے بھی اس کا ذہن مل جائے گا روز ہی وہ آفس آتا ہے''۔

''آپ یہ نہیں دیکھتے دونوں میں بنتی نہیں ہے اریشماء ذرا بھی اسے پسند نہیں کرتی ہے''۔

''فوزیہ! مجھے تو لگتا ہے تم تیمور کو پسند نہیں کرتیں کیونکہ تم ہی مسلسل کوشش میں ہو کہ میں یہ رشتہ ختم کردوں''۔ انہوں نے سگار بجھایا اور اپنی ایزی چیئر پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے پہلو بدل کر حسرت بھری نگاہوں سے روحیل سکندر کو دیکھا۔

''میں ایسا کچھ نہیں چاہ رہی' آپ اپنی بیٹی سے تو پوچھ لیں وہ کیا چاہتی ہے''۔ وہ بھی غصیلے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''پوچھ لوں گا''۔ وہ اپنا نائٹ گاؤن پہن کے روم سے نکل گئے۔

اریشماء نیٹ پر لگی ہوئی تھی انہیں دیکھ کر چونک گئی' رات میں اس ٹائم وہ بھی اس کے روم میں' اسے اچنبھا بھی ہوا۔

''خیریت تو ہے ڈیڈی؟'' وہ اٹھ کر آگئی۔

''ہاں کچھ ضروری بات کرنی تھی تم اگر بزی ہو تو کل کرلیں گے''۔ اس نے کمپیوٹر آف کیا۔ روحیل سکندر نے قدرے توقف کیا اور پرسوچ اور گہری سوچ میں سر اٹھایا۔ اریشماء کو بھی پریشانی ہوئی ایسی کون سی بات ہے جو ڈیڈی اتنے سنجیدہ بھی تھے۔

''بیٹا! میں تیمور کا پرپوزل تمہارے لئے قبول کررہا ہوں''۔

اریشماء نے لب بھینچ لئے' وہ خاموش رہی ان سے نفی میں ایک لفظ بھی نہیں کہا کیونکہ وہ جانتی تھی ڈیڈی اس سے

ہاں کروا کے ہی رہیں گے۔

''تیمور پڑھا لکھا لائق لڑکا ہے پھر سب سے زیادہ تم ہم سے دور نہیں رہو گی' ہمارے پاس آتی جاتی رہو گی' کامران اور عفت دونوں تم سے محبت بھی تو بہت کرتے ہیں' تمہیں اپنی پلکوں پر بٹھا کے رکھیں گے اور پھر میں تو ان سے بہتر کسی کو سمجھ ہی نہیں سکتا''۔ وہ اریشماء کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کے تھپکی دے کر سمجھا رہے تھے۔

''ڈیڈی! کچھ دن مجھے سوچنے کا ٹائم دیں''۔

''کم آن بیٹا! دو ماہ سے زیادہ ہی ہوگئے ہیں انہیں پرپوزل دیئے ہوئے پھر اپنے لوگوں کو اتنا سوچ بچار کر کے جواب دینا ٹھیک تو نہیں ہے''۔

''ڈیڈی! آپ سے ایک بات کہوں؟'' اریشماء کے لہجے میں افسردگی در آئی۔

''ہوں...... کہو''۔ وہ سر ہلانے لگے۔

''ڈیڈی! تیمور سے میرا مائنڈ نہیں ملتا ہے''۔ سر جھکایا ہوا تھا۔

''بیٹا! مائنڈ تو آگے جا کر سب کا مل جاتا ہے' پہلے کسی کا نہیں ملتا''۔ انہوں نے اس کی بات کاٹی۔

''مگر میں پھر بھی یہی کہوں گی شادی کے لئے لائف پارٹنر کا مائنڈ ملنا بہت ضروری ہے''۔ اریشماء کو ڈیڈی کی رکھائی پر دکھ ہونے لگا۔

''تیمور خوش شکل پڑھا لکھا لڑکا ہے اور ہر لڑکی کا آئیڈیل ایسا ہی لڑکا ہوتا ہے' تم دونوں کی جوڑی بہت اچھی لگے گی''۔

''ڈیڈی! اگر میں یہ کہنا چاہوں کہ میں شادی اپنی پسند سے کرنا چاہوں تو آپ کو اعتراض ہوگا؟'' ڈرتے جھجکتے ہوئے گویا ہوئی۔ روحیل سکندر ایک لمحے کو چپ ہوگئے کیونکہ ان کی مرضی تو تیمور سے ہی کرنے کی تھی جبکہ وہ زبردستی کے قائل نہیں تھے' اریشماء ان کی اکلوتی اولاد تھی اور اس کے معاملے میں وہ کچھ خودغرض بھی ہورہے تھے کہ اگر وہ غیر انجانے لوگوں میں چلی گئی تو وہ اپنی بیٹی پر سارے اختیارات کھودیں گے اور وہ اریشماء کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتے تھے۔

''تمہاری کوئی پسند ہے تو مجھے آگاہ کرو' اس سے بولو مجھ سے آکر ملے''۔ ان کا لہجہ سرد پڑ گیا جیسے انہیں اریشماء کی بات اچھی نہیں لگی ہو۔

''دو دن میں تم مجھے اس سے ملا دو جو بھی تمہاری پسند ہے ورنہ دوسری صورت میں تیمور کا پرپوزل میں قبول کررہا ہوں''۔

''ڈیڈی! کچھ تو ٹائم دیں''۔ وہ روہانسی ہوگئی۔

''کیوں ٹائم کیوں؟'' وہ چونکے۔

''اس کے گھر میں پرابلمز ہیں اتنی جلدی تو پرپوزل وہ بھی نہیں بھیجے گا''۔ اریشماء تو گھبرا گئی۔

''اگر تم نے کسی مڈل کلاس کے لڑکے کو پسند کیا ہے تو میں بیٹا یہی کہوں گا آپ آسائشوں میں پلی بڑھی ہو' آپ نہیں رہ سکتی آسائشوں کے بغیر''۔ وہ اس کا ذہن ہر طرح سے ہٹانا چاہ رہے تھے۔

''ڈیڈی! میں بھی آپ ہی کی بیٹی ہوں' آپ نے کبھی میری ایسی تربیت کی ہی نہیں ہے کہ میں مادی چیزوں کو اہمیت دوں' صرف جذبات کی قدر کرتی ہوں''۔ ان کی نفی کی۔

''خیر جو بھی ہے دیکھ لو مگر تم میری خوشی سے شادی کرو تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی''۔ وہ کھڑے ہوگئے۔ اریشماء کو

ڈیڈی اتنے اجنبی اور رُوڈ لگ رہے تھے' وہ حسرت بھری نگاہ ڈال کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے پھر جو آپ کی خوشی' آپ چاچو کو ہاں کہہ دیں"۔ لمحوں میں اس نے فیصلہ کر لیا۔

"نہیں پہلے تم مجھے اپنی پسند سے ملواؤ' میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ آخر وہ کیسی ہستی ہے' جس کو میری بیٹی نے پسند کیا ہے"۔ وہ اپنی بات پر قائم رہے۔

"تم کل پرسوں بلواؤ اسے"۔

"ڈیڈی! آپ اس کے متعلق پوچھیں گے بھی نہیں کون ہے؟" اس نے حسرت بھری آواز میں کہا۔

"نہیں"۔

"کیوں ڈیڈی؟" وہ تڑپ گئی۔

"اس لئے کہ مجھے اپنی بیٹی پر اعتماد ہے اس نے کسی اچھے انسان کو ہی پسند کیا ہوگا"۔ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے مطمئن کرنے لگے۔ وہ ان کی بیٹی تھی اسے یوں اگنور بھی نہیں کر سکتے تھے' وہ جانتے تھے اریشماء کی پسند کون ہے اور اسی لئے مطمئن تھے' وہ کسی صورت بھی راضی نہیں ہوگا چاہے اریشماء اسے کتنا ہی مجبور کر دے۔

"اوکے...... میں آپ کو ملوا دوں گی"۔

"مگر دو دن کے اندر"۔ وہ اس کا سر تھپتھپا کے چلے گئے۔

اریشماء تو پریشانی اور بے قراری سے ناخن کترنے لگی۔ دو دن کے اندر تو حمدان کبھی بھی راضی نہیں ہوگا جبکہ کتنے مہینے گزر گئے تھے وہ اول روز کی طرح تھا اسے اگنور کرتا ہوا' مگر جب سے اریشماء کی ناک سے خون نکلا تھا اس دوران روز کال کر کے اس کی خیریت دریافت کرتا تھا مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا وہ اریشماء کو اہمیت دے رہا ہے۔

"حمدان احمد! تم سب سے مشکل ترین آدمی ہو' کیسے میں تم سے کہوں؟ مگر مجھے تیمور سے تم ہی بچا سکتے ہو"۔ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اتنی رات کو تو حمدان کبھی بھی اس موضوع پر بات نہیں کرے گا' کل ہی وہ کسی طرح باہر لے جا کر بات کرے گی' آفس میں بھی کرنا مناسب نہیں تھا' تیمور روز ہی آ جاتا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی تیمور الٹی سیدھی بکواس حمدان کے سامنے کرے۔

☆

عدین ناشتہ کر رہا تھا اور مسلسل میسج پر بھی وہ بات کر رہا تھا۔ حمدان کی خشمگیں اور ناگوار نگاہوں نے گھورا۔ عدین نے سیل ٹیبل پر رکھ دیا۔

"ناشتہ تو سکون سے کیا کرو ہر وقت سیل پر لگے رہتے ہو"۔

"وہ میں ضروری میسج کر رہا تھا"۔ وہ گڑبڑایا۔

"مجھے پتہ ہے یہ ضروری میسج کسے کرتے ہو"۔ حمدان ناشتے سے فارغ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ کا مطلب ہے میرا افیئر چل رہا ہے"۔ عدین کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

شٹ اپ"۔ وہ تیز لہجے میں ڈپٹنے لگا۔

"اریشماء سے اپنی بات چیت ختم کرو' کیا ہر وقت اسی سے میسج پر لگے رہتے ہو"۔ اس نے سختی سے کہا۔

"اول تو اس ٹائم میں اریشماء باجی سے بات ہی نہیں کر رہا' عدیل ہے اسی سے بات کر رہا تھا' رہا اریشماء باجی سے بات چیت ختم کرنے کا سوال' یہ ناممکن بات ہے' وہ مجھ سے بہت بڑی ہیں ان سے تو میرا افیئر چل ہی نہیں سکتا"۔ عدین نے مضحکہ خیز انداز میں کیا۔ ای اور مصباح کی دبی دبی ہنسی نکلی۔

"فضول بکواس کروالو تم سے تو"۔ وہ لاجواب ہو گیا۔

وہ آفس کے لئے نکلنے ہی لگا تھا کہ سیل نے بیپ دی' پاکٹ سے سیل نکالا اریشماء کی کال تھی۔ حمدان نے جان کے ریسیو نہیں کی کیونکہ عدین کے سامنے وہ کوئی بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سب کو اللہ حافظ کہہ کر وہ نکل گیا۔

وہ حیران رہ گیا اریشماء آفس میں پہلے سے موجود تھی۔ وہ اپنے کیبن میں ہی رہا۔ وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا مگر ذہن الجھ رہا تھا کہ اریشماء نے اتنی صبح کال کیوں کی ضرور کوئی بات ہی ہوگی۔

کچھ ہی دیر میں وہ سنجیدہ سی پریشان چہرے کے ساتھ کاٹن کے پرنٹڈ پنک کپڑوں میں نمودار ہوئی' حمدان کی تشویش بھری نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا۔

"حمدان! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے"۔ اتنی مضطرب اور پریشان تو وہ پہلے کبھی نہیں نظر آئی۔ حمدان نے پہلو بدلا اور متوجہ ہو گیا۔ اریشماء اس سے نگاہ نہیں ملا رہی تھی۔

خیریت تو ہے؟" وہ بھی فکرمند ہوا۔

"آپ مجھے آدھا گھنٹہ دے سکتے ہیں؟" مضمحل لگی۔

"جی بولئے کیا بات کرنی ہے"۔ وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

"یہاں نہیں کہیں باہر چل کر بات کرتے ہیں"۔

"دیکھئے اریشماء میم! ابھی میں آفس آیا ہوں اور فوراً ہی آپ کے ساتھ باہر تو نہیں چل سکتا' آپ کو جو بات کرنی ہے کیجیے میں سن رہا ہوں"۔ حمدان نرم اور دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

"میں آفس میں بیٹھ کے بات نہیں کر سکتی"۔

"بات کیا بہت سنگین ہے؟" اس کے لہجے میں طنز در آیا۔

"میرے لئے تو ہے مگر آپ کے نزدیک شاید نہ ہو"۔ افسردگی اور غم سے گویا ہوئی۔ وہ حمدان کی نیچر جانتی تھی وہ اپنی بات پر قائم رہنے والا بندہ تھا' وہ اول روز سے اسے مایوس اور اگنور کر رہا تھا' اگر وہ بات بھی کرے گی تو وہ حمدان کا جواب جانتی تھی مگر آخری کوشش کر لینے میں ہرج نہیں تھا۔

"آپ اتنے ضدی کیوں ہیں؟" اریشماء کو غصہ آ گیا۔

"جی......" حمدان ناسمجھی کی کیفیت میں آ گیا۔

"جب میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ مجھے آفس میں بات نہیں کرنی تو کیوں ضد کر رہے ہیں"۔ وہ بے زاری سے زچ ہو گئی۔ حمدان کو اس کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی' وہ اس کی وہ ضروری بات خوب جانتا تھا کیا کرنی ہوگی۔

"اوکے...... میں لنچ کے بعد آپ کے ساتھ کسی ایسی جگہ پر چلوں گا جہاں آپ کی طبیعت بھی فریش ہو جائے"۔ اس نے اطمینان دلایا۔

"میری طبیعت فریش تو پتہ نہیں ہوگی بھی یا نہیں"۔ وہ حمدان پر حسرت بھری نگاہ ڈال کے سوچ کے رہ گئی۔

حمدان اپنا کام بڑی ذمہ داری اور خوش اسلوبی سے کر رہا تھا۔ روحیل سکندر اور اسٹاف کے لوگوں کو اس سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں تھی۔ روحیل سکندر بھی آفس آ گئے تھے۔ اریشماء بہت پریشان تھی کیونکہ وہ اسے ہی نوٹ کر رہے تھے' کل رات سے اس کا چہرہ بھی کچھ اتر گیا تھا۔

"ڈیڈی! میں گھر جا رہی ہوں"۔ اس نے روحیل سکندر سے جانے کی اجازت لی اور اپنا بیگ اٹھا کر روم سے نکل

گئی اور حمدان کے روم میں جھانکا۔
''میں فارغ ہو گیا ہوں' آپ بتا دیں کہاں آنا ہے''۔ وہ کمپیوٹر آف کر رہا تھا۔
''آپ کول کارنر پر آ جائیں میں وہیں گاڑی میں بیٹھی ہوں گی''۔ وہ دھیمی آواز میں گویا ہوئی۔
''او کے''۔
اریشماء نے تشکر بھرا سانس بھرا وہ راضی تو ہوا ورنہ حمدان کو کسی بات پر منوانا ناممکن ہی تھا۔
کول کارنر پر وہ پہنچ گئی تھی' شام کے پانچ بج رہے تھے' عموماً حمدان آفس سے چھٹی اسی ٹائم کرتا تھا۔ نگاہ اس کی ٹریفک پر تھی' گاڑیوں کا ایک ہجوم تھا' وہ اتنی محو تھی کہ حمدان نے ناک کیا تو وہ اچھل گئی' وہ بائیک سائیڈ پر پارک کر چکا تھا۔
''اندر چلیں گی یا یہیں بات کرنی ہے''۔ اس نے پوچھا۔
''آپ فرنٹ سیٹ پر آ جائیں''۔ وہ سنبھل کے بیٹھ گئی۔
حمدان فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گیا۔ اریشماء کی دھڑکنوں میں شور مچ گیا۔ مخصوص کلون کی خوشبو اس کے ناک کے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔ اب وہ اس کے اتنے قریب آ کر بیٹھ گیا تھا تو اس سے الفاظ بھی ترتیب نہیں دیئے جا رہے تھے کہاں سے بات شروع کی جائے۔
''غالباً آپ کو بہت ضروری بات مجھ سے کرنی تھی''۔ حمدان کو اس کی خاموشی سے کوفت ہوئی۔
''ڈیڈی میرے لئے تیمور کا پرپوزل قبول کر رہے ہیں''۔ دل کی دھڑکن اس کی رک گئی تھی۔ حمدان نے لمبی سانس بھری' ناگواری اور سپاٹ سے انداز میں باہر دیکھا۔
''یہ آپ مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟ آپ کی مرضی ہے آپ تیمور سے کریں یا نہیں''۔
''پلیز حمدان! اتنا بھی مجھے اگنور نہیں کریں' آپ سب جانتے ہیں میں تیمور کو کسی طور قبول نہیں کر سکتی''۔ وہ تیز لہجے میں آ گئی۔
''یہ آپ کا مسئلہ ہے اور پھر آپ کے ڈیڈی جو کہتے ہیں پلیز اس پر عمل کریں اسی میں بہتری ہے''۔ حمدان کے دل کو بھی کچھ ہونے لگا تھا۔ تیمور' اریشماء کے قابل تو بالکل بھی نہیں تھا' جتنی بری اس کی فطرت تھی اور پھر وہ اسے دو تین دفعہ لڑکیوں کے ساتھ دیکھ بھی چکا تھا' یہ تو اس نے اریشماء سے بھی مخفی رکھا تھا۔
''حمدان! میں آپ کے علاوہ کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی''۔ وہ روہانسی ہونے لگی۔ حمدان اس سے فاصلوں پر رہ کر بات کرتا تھا۔
''شٹ اپ''۔ وہ تو بھنا گیا۔
''کیوں گرا رہی ہیں خود کو میری نگاہوں میں' مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا ہے''۔
''میں آپ کے آگے خود کو گرا نہیں رہی مگر آپ سے بس اتنا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے تیمور سے بچا لیں' میں نے ڈیڈی سے کہا ہے میں کسی کو پسند کرتی ہوں' انہوں نے کہا کہ مجھ سے ملواؤ''۔
''سوری اریشماء! میں آپ کو بالکل بھی پسند نہیں کرتا''۔ حمدان نے قطعیت بھرے لہجے میں صاف انکار کیا۔
''آپ چاہے مجھے ناپسند کریں مگر میں چاہتی ہوں آپ ڈیڈی سے مل لیں' آپ وقتی طور پر رشتہ جوڑ لیں تا کہ تیمور سے میری جان چھوٹ جائے''۔ جلدی سے اس نے اپنا مدعا بیان کر دیا۔
''جی..... آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں''۔ وہ تو گنگ رہ گیا۔ اریشماء کا سر جھکا ہوا تھا' نگاہ ملاتے ہوئے بھی شاید اسے

ل اور حیا محسوس ہو رہی تھی' مگر وہ تو اتنی بولڈ تھی حمدان جیسے اتنے سنجیدہ شخص تک سے نہیں جھجکتی تھی' پھر آج وہ اتنی ر ور کیوں ہو رہی تھی۔
''پلیز حمدان! میری مجبوری سمجھئے''۔ لہجہ ملتجی اور حسرت بھرا ہو گیا۔
''اریشماء! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے''۔ وہ جان کے بھی انجان بننے لگا۔
''حمدان! آپ میرے تمام حالات سے واقف ہیں' تیمور کو میں ذرا پسند نہیں کرتی' میں کیسے زندگی بھر اسے اشت کروں گی''۔ وہ روہانسی ہو گئی' آنکھوں میں نمی آ گئی۔
''اگر آپ کو کچھ بھی کہنا ہے آپ اپنے ڈیڈی سے کہیئے' مجھے کیوں درمیان میں لاتی ہیں' میں آپ کے ڈیڈی ی بہت عزت اور قدر کرتا ہوں' انہیں دھوکا دینے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا''۔ وہ تفکر زدہ لہجے میں اپنی پیشانی ہلانے لگا۔ اریشماء کی اس فضول سی ضد کی وجہ سے اپنا امیج روحیل سکندر کی نظروں میں گرا نہیں سکتا تھا' وہ گاڑی ے اترنے لگا۔
''حمدان پلیز......'' اس کے مضبوط ہاتھ پر اپنا نازک ہاتھ رکھ دیا۔
''آپ کی یہ بچوں والی فضول سی ضد ہے' میں آپ کو پہلے بھی کہہ چکا ہوں مجھے الٹی سیدھی خرافات میں الجھانے ی کوشش نہیں کیجیے گا' مجھ پر ذمہ داریوں کا بوجھ ہے' میں آپ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا''۔ اتنا سخت کھردرا نخوت زدہ لہجہ ا۔ اریشماء کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ وہ بولتے ہوئے یہ تک نہیں سوچتا تھا اس کے اتنے سخت الفاظ کسی کے دل کو ے کے رکھ سکتے ہیں جانے کیوں وہ اتنا بے زار تھا اس پر نگاہ تک ڈالنا عبث سمجھتا تھا۔
گاڑی کا ڈور دھڑ سے بند کیا اور ونڈو پر جھک کر کھڑا ہو گیا۔ اریشماء کی آنکھوں میں نمی جھلملا رہی تھی' ہونٹ اس ے بھینچے ہوئے تھے' غازوں کی چمک ماند تھی۔
''کسی کی مجبوری کا اتنا فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے کہ وہ آپ کو اتنے سخت الفاظ بولے''۔ شاید اسے اپنے لہجے کا احساس ہو گیا تھا۔
''آپ بھی یاد رکھئے گا میں تیمور سے ہرگز ہرگز شادی نہیں کروں گی' کیونکہ میں نے آپ کو سوچا ہے اور آپ کو ہی ہیشہ سوچتی رہوں گی''۔ وہ جانے کیوں اتنی ضدی ہو گئی تھی ورنہ ضد اس کی سرشت میں شامل تو نہیں تھی' وہ اتنی کول اور سمجھدار تھی مگر جب سے حمدان کو چاہنے لگی تھی اس پر ضد سوار ہو گئی تھی۔
''آپ سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہیں''۔ حمدان کا دل بھی عجیب پریشان سا ہونے لگا۔ اریشماء کا ستا ہوا چہرہ مردگی سب نظر آ رہی تھی۔
''یہ آپ کی سوچ ہے میری نہیں' میں کم عمر نادان لڑکی نہیں ہوں جو سوچ سمجھ نہیں رکھتی' میں ایک سوبر اور سنجیدہ ڑکی ہوں جو آپ جیسے سوبر شخص کو پسند کرنے لگی ہوں''۔
''شٹ اپ''۔ وہ ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اریشماء کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا جیسے کچھ نہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
''گھر جائیے اور جو آپ کے ڈیڈی کہتے ہیں اس پر عمل کریں' کیونکہ بڑوں کے فیصلے کبھی غلط نہیں ہوا کرتے''۔ سمجھانے کی آخری کوشش کرنے لگا۔
''کچھ بڑوں کے فیصلے چھوٹوں کے لئے بہتر ثابت نہیں ہوتے ہیں''۔ افسردگی' دکھ' حسرت' محرومی لہجے کی گہرائیوں میں تھی۔
''ایسا آپ سوچ رہی ہیں جبکہ ایسا ہوتا نہیں ہے''۔ حمدان نے اس کی سوچ کی نفی کی۔

''تیمور کا کریکٹر آپ سے چھپا ہوا تو نہیں ہے''۔ الٹا سوال کیا۔

''تیمور آپ کا کزن ہے' میں ان کے متعلق کچھ بھی کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتا''۔ حمدان فرنٹ ڈور کھول کے بیٹھ گیا۔

''دیکھیے آپ تیمور کو سمجھنے کی کوشش کیجیے' وہ اتنا برا شخص بھی نہیں ہے''۔

''اتنا برا نہیں ہے تو اور کتنا برا ہو سکتا ہے''۔ تر کی بہ تر کی طنزیہ کہنے لگی۔

''کہتے ہیں اگر برے شخص کو پیار و محبت اور توجہ دی جائے تو وہ ٹھیک ہو جاتے ہیں' تیمور میں صرف جلن اور ہے آپ یہ بھی دور کر سکتی ہیں''۔ حمدان نے اسے نرم اور مدھم لہجے میں سمجھایا۔

''Enough پلیز''۔ وہ بے زار اور اکتائے انداز میں ہاتھ اٹھا کے گویا ہوئی۔ وہ لب بھینچ کے رہ گیا۔ ار مغموم اور افسردہ ہو گئی تھی۔ حمدان کے دل کے ایوانوں میں اسی طرح چھپی بیٹھی تھی وہ چاہ کر بھی دل سے نکالنے کامیاب نہیں ہوا تھا' وہ سب سے الگ اور اتنی معصوم بھی تھی ہر بات بالکل سیدھے اور سادہ انداز میں کرتی تھی' ا یہ خوبی اور اسے منفرد بناتی تھی۔ وہ کئی لمحے اسی کو سوچنے لگا' اسے سوچنا ناگوار بھی نہیں لگتا تھا۔ ضروری نہیں جس محبت کی جائے وہ مل بھی جائے۔ اس نے سوچ لیا تھا اریشماء کو کبھی بھی احساس نہیں ہونے دے گا وہ بھی اسے لگا ہے ورنہ پھر شاید اریشماء سے آگے کی زندگی گزارنا مشکل ہو جائے۔

''اریشماء! ضروری نہیں جنہیں ہم پسند کریں وہ مل بھی جائیں''۔ وہ یہ کہہ کر رکا نہیں گاڑی سے اتر گیا۔ ار نے اس کی چوڑی پشت کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔

☆

''کمینہ لفنگا...... تمہیں تو اللہ پوچھے' پتہ نہیں آپی سے کس طرح بی ہیو کرتا ہو گا''۔ لیل ماہ کو سوچ سوچ پسینے آ رہے تھے۔ شہران کی یہ دوسری حرکت تھی جو اس کے تن بدن میں آگ لگا گئی' اگر وہ حرما کو بتاتی تو شک نہیں شہران سے ہی لڑ پڑے اور پھر نیا ہنگامہ تیار ہو جائے' محلے میں پہلے ہی لوگ اتنی باتیں بنانے لگے اب اگر دوبارہ ایسا کوئی موقع مل گیا تو ابو تو یہ محلہ ہی چھوڑ دیں گے اور پھر وہ اور امی' حرما کی خیریت سے بھی رہ جائیں گی۔

''کمینے' ذلیل' آوارہ انسان' تمہیں چپ رہ کر ہی برداشت کرنا ہو گا''۔ غصہ اور غم کے مارے نیند بھی نہیں آ تھی۔ امی کو تو اس نے حرما کی خیر خیریت بتا کر مطمئن کر دیا تھا' مگر اسے جانے کیوں تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

''ذیشان بھائی کتنے اچھے ہیں مگر یہ آخر کس پر چلا گیا ہے' ظاہر ہے باپ کا اثر تو آنا ہی ہے''۔ اس کا بھی شہران کی طرف سے خاصا بدگمان ہو گیا تھا' پہلے ہی وہ محبت جانے کیسے ہو گئی تھی وہ بھی حیران تھی بلکہ خود کو کئی دفعہ لو ملامت کر چکی تھی' وہ بھی کس شخص کو سوچنے لگی تھی۔

''پھپھو! لائٹ تو آف کر دیں''۔ دعا کی آنکھ کھلی تو اسے یوں جاگے ہوئے دیکھا۔

وہ فوراً اٹھی اور لائٹ آف کر کے لیٹ گئی' مگر آج اس کا اپنے کمرے میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا' حرما اس سے باتیں ہی کر لیتی تھی' یونیورسٹی سے آ کر وہ ایسی تھک کر سوتی شام میں ہی اٹھتی تھی' اب تو رات کے کھا بنانے کی ذمہ داری حرما کے بعد امی نے اس کے ذمہ لگا دی تھی اور بھابی دن کا کرتی تھیں' مگر وہ بھی اٹے چڑھے کام شروع کرتی تھیں لیل ماہ کی جان جل جاتی تھی۔ امی نے تو اسے ڈپٹ کے چپ کرایا ہوا تھا ورنہ بھابی کو بھی سنا دیتی۔

کروٹیں بدل بدل کے اس کی آنکھ جانے کس پہر لگی تھی۔ صبح یونیورسٹی نہیں گئی کچھ طبیعت بھی جاگنے سے سل ہو گئی تھی۔

''اتنی رات کو جاگ کر پڑھتی کیوں ہو؟'' امی اس کا ستا ہوا چہرہ فکرمندی سے دیکھنے لگیں۔ کل سے وہ چپ بھی تھی۔

''امی! رات کو پتہ نہیں کیوں نیند نہیں آ رہی تھی' پڑھتی تو نہیں رہی تھی بس لیٹی رہی تھی''۔ اس نے بتایا۔

''لائبہ پوچھنے آئی تھی میں نے ہی خود کہہ دیا طبیعت ٹھیک نہیں ہے''۔ انہوں نے کہا۔

''ابو ہیں یا گئے؟'' اس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''ابھی نکلے ہیں' بینک گئے ہیں''۔

''ہوں' وہ میں لائبہ کے پاس چلی جاؤں؟ پوچھ لوں گی آج لیکچر کیا تھا''۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''آج نہیں جاؤ تمہاری بھاوج پھر بولے گی تم صبح سے بیمار پڑی ہے اور اب لائبہ سے ملنے چلی گئی''۔ انہیں ہر وقت اپنی بہو سے ڈر ہی لگا رہتا تھا۔

''امی! یہ کیا بات ہوئی' میری طبیعت اب ٹھیک ہے میں کام سے جا رہی ہوں''۔ اسے فوراً غصہ آ گیا۔

''کچھ بھی ہے آج نہیں جاؤ''۔ وہ اس کے روم سے نکل گئیں۔

لیل ماہ زچ ہو گئی۔ عجیب اس کی قیدیوں والی زندگی تھی ہر بات پر پابندی' روک ٹوک' وہ جھنجھلائی ہوئی سی رہنے لگی تھی۔ سیل رکھنے تک پر بھابی کو اعتراض تھا' وہ بھی اس نے آف کر کے رکھ دیا تھا' پھر ابو کا مزاج بھی ٹھیک نہیں تھا۔ جب بھی وہ فون کرتی بھابی کے کان اس کی گفتگو پر لگے رہتے تھے۔ روم سے نکل گئی ٹیلی فون سیٹ اٹھایا ہی تھا بھابی نہ جانے کہاں سے آ گئیں۔

''کیوں طبیعت ٹھیک ہو گئی؟'' نگاہ اور لہجے میں طنز تھا۔

''جی اب بہتر ہے''۔ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''کیوں اچانک سے طبیعت کیسے خراب ہو گئی؟''

''طبیعت جان کے ہر کوئی خراب نہیں کرتا ہے اور مجھے بیمار ہونے کا شوق بھی نہیں ہے''۔ فون پٹخ کر وہ اٹھ گئی' ان کے سامنے بات کرنا تو ناممکن ہی تھا' ہر وقت وہ شکی نگاہوں سے دیکھتی جو رہتی تھیں۔

☆

کل سے وہ بہت مغموم اور بے چین تھا' اریشماء کے بارے میں سوچ سوچ کے دل کے اندر ایک توڑ پھوڑ مچی ہوئی تھی' جبکہ وہ چاہتا بھی ایسا ہی تھا وہ اس کا خیال چھوڑ دے مگر اب جبکہ اس کا رشتہ تیمور کے ساتھ ہونے والا تھا وہ اتنا بے کل کیوں ہو رہا تھا؟

آج آفس میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ اریشماء آفس نہیں آئی تھی۔ روحیل سکندر ہی صبح سے آفس میں موجود تھے ان کا انداز بھی نارمل ہی تھا۔

''سر! میں آج جلدی جانا چاہتا ہوں''۔ حمدان نے قدرے جھجک کے انہیں مخاطب کیا۔

''ہوں''۔ روحیل سکندر کی جانچتی اور گہری نگاہوں نے اس کے الجھے بکھرے انداز کا جائزہ لیا۔

''بیٹا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' انہیں فکر بھی ہوئی۔

''سر! وہ کچھ تھکن سی فیل ہو رہی ہے شاید آرام کروں گا تو بہتر ہو جاؤں''۔ بلیک ڈریس پینٹ پر آف وائٹ

شرٹ میں ڈیسنٹ سا حمدان واقعی تھکا تھکا لگ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے آپ چلے جایئے مگر بیٹا! آپ کو ہی اب زیادہ تر آفس سنبھالنا ہوگا' اریشماء تو نہیں آرہی ہے"۔

"کیوں سر؟" اس نے انجان بن کے پوچھا۔

"میں اس کا رشتہ تیمور سے پکا کررہا ہوں' وہ کہتی ہے کہ میں پھر بعد میں آفس نہیں آؤں گی"۔

"سر! رشتہ پکا ہونے سے آفس نہ آنے کا تعلق کیا بنتا ہے؟" وہ سن کے کچھ گھبرایا بھی' سمجھ گیا اریشماء کو اس کے رویے سے مایوسی ہوئی ہے۔

"کہتی ہے ابھی شادی نہیں کروں گی"۔ روحیل سکندر اسے سب کچھ اتنے آرام سے بتارہے تھے وہ حیران تھا۔

"اچھا"۔ وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

"پتہ نہیں کسے پسند کرتی ہے' میں نے کہا بھی مجھ سے ملواؤ مگر ملوایا بھی نہیں"۔ روحیل سکندر نے اسے بغور دیکھا۔ حمدان پراعتماد انداز میں نارمل ہی تھا۔ ایسا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ اس کی اریشماء سے بات ہوئی ہے۔

"سر! میں چلوں"۔ وہ بات کاٹ کے اٹھا۔

"نہیں بیٹھو' میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔ روحیل سکندر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حمدان مودب انداز میں چیئر پر بیٹھ گیا۔ اسے یقین تھا وہ اریشماء کی ہی کوئی بات کریں گے۔

"حمدان! آپ کیا سمجھتے ہیں بچوں کے فیصلے ماں باپ کو کرنا چاہئیں یا بچوں کو اس کا اختیار دینا چاہیے؟" ایکدم ہی غیر متوقع سوال اسے چونکا گیا۔

"جی سر! میں سمجھا نہیں"۔ وہ بوکھلایا۔

"آپ نے اپنی زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے' کب تک شادی کریں گے؟" وہ پھر ایسا سوال کرنے لگے وہ پریشان ہوگیا۔

"سر! میں ابھی شادی کے بارے میں بالکل نہیں سوچتا"۔ سر جھکالیا۔

"کیوں اب تو آپ ماشاءاللہ برسر روزگار ہیں"۔

"سر! ابھی مجھ پر گھر کی ذمہ داریاں ہیں' بہن کی شادی کرنی ہے' بھائی ابھی پڑھ رہا ہے اور کچھ ایسے کام ہیں جنہیں مجھے ہی کرنا ہے"۔ تساہل پسندی سے اس نے سب واضح کردیا۔

"ہوں"۔ انہوں نے ہوں کو لمبا کیا۔ وجہ اب سمجھ آئی تھی' اریشماء نے اتنی آسانی سے رضامندی کیسے دے دی اور صرف اس نے جواب میں یہی بتایا تھا جسے وہ پسند کرتی ہے اس پر ذمہ داریاں ہیں۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے"۔ وہ مطمئن سے ہوگئے۔

"سر! ماں باپ جو فیصلہ کرتے ہیں وہ بہترین اور اچھا فیصلہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتے ہیں۔ میں نے بھی اپنا ہر فیصلہ اپنی امی پر چھوڑا ہوا ہے' وہ جس کسی بھی لڑکی سے میری شادی کریں گی میں ان کی خوشی کے لئے سر جھکا دوں گا"۔ وہ اپنی سوچ سے انہیں آگاہ کرنے لگا۔

روحیل سکندر کو حمدان کی یہی سعادت مندی اچھی لگتی تھی' وہ کبھی کسی بات کی نفی نہیں کرتا تھا' مگر تیموران کا بھتیجا تھا ان کی پہلی پسند وہی تھا اور حمدان اس کے بعد تھا۔

(جاری ہے)

☆

سیدہ طوبیٰ

افسانہ

رواج جہیز

"بھائی! آج آپ بتا ہی دیں کہ آپ کو دلہن کیسی چاہیے؟" دوہا نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم...... کیا کہا کس کی دلہن کیسی ہے؟" فرحان پوری طرح پاکستان انڈیا کے میچ میں الجھا ہوا تھا۔

"اوفو...... میں آپ کی بات کررہی ہوں"۔ اس نے جھنجھلا کر ریموٹ اس کے ہاتھ سے چھینا۔

"میری...... لیکن میری تو ابھی تک منگنی بھی نہیں ہوئی' دلہن کہاں سے آگئی؟" چوں کے اب ٹی وی بند ہوچکا تھا اس لیے وہ دوہا کی طرف گھوم گیا۔

"وہی تو کہہ رہی ہوں منگنی کب کریں گے؟" اس نے شکر کا کلمہ پڑھا کہ چلو کام کی بات پر تو آئے۔

"بھئی جب تم لوگ کروگے' لیکن دوہا یار منگنی کے لیے ایک عدد لڑکی کی ضرورت ہوتی ہے وہ تو تم لوگوں نے ابھی تک دیکھی ہی نہیں"۔ بہت پتے کی بات بتائی گئی تھی۔

"خیر وہ تو رہنے دیں' اماں روز تو جاتی ہیں' اچھا چھوڑیں آپ بتائیں کہ آپ کو کیسی لڑکی چاہیے؟"

"کیا......؟" جان بوجھ کر شرارتاً پوچھا گیا۔

"بھائی......" دوہا بری طرح چڑ گئی تھی۔

"اچھا سوری گڑیا!" اس نے غصے سے واک آؤٹ کرتی دوہا کو ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔

"ہم' لڑکی......" دماغ پر انگلی رکھ کر سوچنے کی اداکاری کی گئی تھی۔

"تعلیم یافتہ' ہنرمند' خوبصورت اور خوب سیرت بس"۔

"آپ کتنی شادیاں کریں گے بھائی؟" معصومیت سے پوچھا گیا۔

"کیا مطلب......؟" فرحان چونکا تھا اس کے بے تکے سوال پر۔

"مطلب صاف ہے اتنے گنوں کی ایک لڑکی تو آپ کو ملنے سے رہی۔ دو' تین شادیاں کرنی پڑیں گی آپ کو"۔ معلومات میں اضافہ کیا گیا تھا۔

"ارے واہ...... کیوں نہیں ملے گی' آخر کو میرا بیٹا اتنا حسین' پڑھا لکھا' کماؤ اور خیر سے گبھرو جوان ہے' ایسی لڑکی لاؤں گی کہ سب دیکھتے ہی رہ جائیں گے"۔ اماں نے عین موقع پر انٹری دی تھی اور یہ تو ان کا پسندیدہ موضوع تھا جس پر وہ بلاتکان بول سکتی تھیں۔

"اچھا بھئی میرا تو کل ٹیسٹ ہے میں تو چلی"۔ دوہا نے اٹھنے میں ہی عافیت جانی ورنہ اماں کے ساتھ بیٹھ کر سبزی بنانا پڑتی' فرحان اس کی چالاکی پر مسکرا کر رہ گیا۔

☆

امان صاحب اور خالدہ بیگم کے آنگن میں فرحان پورے سات برس بعد بہت منتوں' مرادوں کے بعد پیدا ہوا تھا' ان کے چار سال بعد زینیہ اور زینیہ سے دو سال چھوٹی بزلہ اور دوہا جڑواں

۔امان صاحب کا اپنا جنرل اسٹور تھا جس سے
ا' ر بسر اچھے سے چل رہا تھا۔امان صاحب اور
،بیگم نے اپنے سخت بجٹ سے سیونگ کرکے
کو ایم بی اے کروایا۔اب وہ ملٹی نیشنل کمپنی میں
اچھے عہدے پر فائز تھا اور وہ اس کا کریڈٹ
والدین کو دیتا تھا۔ویسے تو فرحان ابھی محض
ر سال کا تھا لیکن خالدہ بیگم کو بہو لانے کی بہت
ں تھی اسی سلسلے میں آج کل وہ رفیعہ جو کہ رشتے
نے والی تھی کے ساتھ رشتے دیکھتی پھر رہی تھیں؛
کوئی لڑکی ابھی تک ان کے معیار پر پوری نہیں
۔کوئی چھوٹے قد کی ہے تو کوئی موٹی' کسی کا
کالا ہے تو کسی کے بال چھوٹے اور ویسے بھی
بزلہ کے "فرحان بھائی کی شادی ان کی جوانی
ناممکنات میں سے ہے"۔

☆

خارے بیگم! کہاں کی تیاری ہے؟" امان صاحب
کا کھانا کھانے آئے تھے اور خالدہ بیگم کہیں جانے
لیے تیار کھڑی تھیں۔

"ارے بس اس رفیعہ کے ساتھ جا رہی ہوں' لڑکی
ہے اس نے وہیں جانا ہے مجھے' اچھا اللہ حافظ"۔
ساتھ وہ چادر لے کر چلی گئیں۔

ے اللہ! اے میرے معبود! میری ماں کو آج
ندا ہی جائے تاکہ میرے بھائی کی شادی جوانی
ہی جائے' آمین"۔ دونوں ہاتھ منہ پر پھیرتے
،وہا نے شرارتی انداز میں باپ کو دیکھا۔
'کیوں ابا! کیسی رہی دعا؟"
جواب نہیں بیٹا جی! بس یہ پوری ہو جائے'
۔ان سب نے ایک ساتھ آمین کہا تھا اور پھر
ہنس پڑے۔

اچھا بیٹا! جلدی سے مجھے کھانا دو' وہ نعیم دکان صحیح
سنبھال نہیں پاتا"۔ صحن میں لگے بیسن میں منہ
تے ہوئے انہوں نے زرینہ کو مخاطب کیا تھا۔

"اچھا ابا! بس ابھی لائی"۔جلدی سے کہتی وہ کچن
میں گھس گئی تھی۔

☆

"السلام وعلیکم اماں!" فرحان آتے ساتھ ہی
حسب عادت اماں کے کمرے میں گھسا تھا۔
"وعلیکم السلام! پہلے منہ دھولو"۔ اماں نے اپنے
ہاتھ سے اس کا منہ میٹھا کیا تھا۔
"خیریت اماں! یہ مٹھائی کس خوشی میں ہے؟"
"آپ کے جوانی میں ہی دولہا بننے کی خوشی میں
اور کس خوشی میں"۔ جواب اماں کے بجائے بزلہ کی
طرف سے موصول ہوا تھا۔
"ارے بیٹا! کیا بتاؤں کیا لڑکی ہے' اتنی خوبصورت
کے مانو جس گھر میں جائے وہ گھر چمک جائے"۔
"اچھا ہے بل کی بچت ہو گئی اور لائٹ جانے کی
صورت میں یو پی ایس کی بھی ضرورت نہیں"۔ اماں کی
بات اچک کر بزلہ نے برجستہ کہا تھا۔
"ایک تم اور ایک وہ تمہاری ہم جولی دوہا میرے
آگے نہیں بولا کرو' تپ چڑھ جاتی ہے مجھے' چلو جاؤ
بھائی کے لیے چائے لے کر آؤ"۔ اماں نے اسے
منظر سے ہٹانا چاہا تھا تاکہ فرحان سے صحیح طرح بات
ہو جائے۔
"وہ زرینہ آپی لا رہی ہیں"۔ پاؤں پر پاؤں رکھ
کے آرام سے فرمایا گیا۔
"تو میرے سر پر بیٹھی رہے گی کیا؟" اماں کا غصہ
بڑھنے لگا۔
"جی بالکل آپ کی بات کب ٹالی ہے میں نے"۔
کہنے کے ساتھ ہی وہ کمرے سے نکل گئی تھی اور اماں کی
طرف سے داغی گئی چپل سیدھی اندر آتی دوہا کے لگی تھی۔
"اماں! میں نے کیا' کیا ہے؟" سر پکڑے دوہا
بسوری۔
"ہاں اب تم بھی آ جاؤ' دو گھڑی سکون سے بیٹھ کر
بات نہیں کرنے دیتا مجھے"۔ اماں اب بالکل جلال میں آ



چکی تھیں۔

''اماں! آرام سے۔ دوہا' اماں کے لیے پانی لاؤ اور اب تم میں سے کوئی اندر نہ آئے' اچھا''۔ اتنی دیر سے خاموش بیٹھا فرحان اب غصے سے دوہا سے مخاطب ہوا تھا۔

''ہاں بیٹا! تو میں لڑکی کا بتا رہی تھی' لڑکی مانو تو بس......'' اماں کے کمرے سے باہر جاتے دوہا نے سنا اور اس کا غصہ دیکھنے لائق تھا۔

''ہاں سب کچھ خود ہی کرلیں' پہلے لڑکی دیکھی' پسند کی اور اب بھائی کو بھی خود ہی بتا دیا' سوچا تھا تھوڑا تنگ کریں گے' ان کی جیب ہلکی کریں گے پھر بتائیں گے لیکن اماں بھی ناں......'' بڑبڑاتی ہوئی وہ کچن میں داخل ہوئی تھی۔

''تمہاری نیت ہی خراب تھی اسی لیے اچھا ہوا اماں نے ہی بتا دیا''۔ بزلہ نے اسے جلتے توے پر بٹھایا تھا۔

''اچھا بس اب تم نہ شروع ہو جانا''۔ دوہا کو منہ کھولتا دیکھ کر زینیہ نے ٹوکا تھا۔

''میں روٹی ڈال رہی ہوں' دسترخوان لگاؤ اور اماں' بھائی کو بھی آواز دے دینا' سب ساتھ کھالیں گے''۔ اور وہ سر ہلاتی ہوئی دسترخوان لگانے چل دی۔

☆

اور پھر اماں کو لڑکی اتنی پسند آئی کہ چار ماہ کے اندر اندر اسے بیاہ کر لے آئیں۔

''چلو بیگم ایک فرض تو ادا ہوا۔ اب بس زینیہ کی فکر ہے باقی دو تو ابھی چھوٹی ہیں' ارے تمہیں کیا ہوا؟ کہیں بلڈ پریشر تو ہائی نہیں ہو گیا جو تمہارا منہ بگڑا ہوا ہے''۔

''افوہ..... آپ بھی ناں' صحیح ہے میرا بلڈ پریشر''۔

''آپ نے دیکھا تھا دلہن بیگم کا جہیز؟'' اب وہ اصل بات پر آئی تھیں۔

''ہاں دیکھا تھا ماشاء اللہ اچھا ہے''۔ ناسمجھی کے عالم میں انہوں نے ان کی بات کا جواب دیا تھا۔

''ارے کیا خاک اچھا ہے' نہ کوئی ڈھنگ کا کپڑا مجھے اور میری بچیوں کو دیا اور بیٹی کو بھی کیا دیا' سڑی لکڑی کا فرنیچر لے کر خاندان میں ناک کٹوا دی میری۔''

''بھئی ان کی بیٹی ہے جو چاہے دیں' ہمیں کیا''

''ارے واہ بھئی..... ہمارے یہاں رواج ہے میں خود اتنا جہیز لائی تھی کہ تمہارا گھر بھر گیا تھا اور بہو کا جہیز دیکھ کر خاندان والوں نے کیا کیا باتیں بنائیں کہ الامان...... میں نے بھی تو بس شکل ہی' تھوڑا بینک بیلنس ہی دیکھ لیتی''۔ افسوس کے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ابا انہیں سمجھاتے رہے ان کا غصہ بڑھتا رہا۔

''اچھا بس اس وقت مجھے بہت غصہ آ رہا ہے بات ہی نہیں کریں''۔

''اچھا بھئی نہیں کرتا بات''۔ پیروں پر چادر کی اور کروٹ بدل کر لیٹ گئے اور خالدہ بیگم اینٹھ کر رہ گئیں۔

☆

''سنو دلہن! آج دلاور کے یہاں شادی میں جاؤ گی ناں تو ہمارے یہاں کا کوئی سوٹ پہننا' اماں باوا نے تو بس گھر کے ہی تین چار جوڑ دیے ہیں''۔ اپنے کمرے کی طرف جاتی سمیرا کو اماں جتانا نہیں بھولی تھیں۔

''اماں! آپ کیا بھابی کو ہر وقت جہیز کا طعنہ دیتی رہتی ہیں''۔ سمیرا کے کمرے میں جاتے ہی بزلہ بھابی کی حمایت میں اماں سے بولی تھی۔

''تو بھئی...... اور کیا' صحیح تو کہتی ہوں میں' اماں نے اس کو دیا ہی کیا ہے' ارے ہمارے رواج چلا آ رہا ہے جہیز دینے کا' دینے والے دیتے ہیں کہ دنیا دیکھے وہ رانیہ کی بہو کیا جہیز لائی دل خوش ہو گیا دیکھ کر' ایک ہماری بہو لائی ہیں سب خاندان نے باتیں ہی بنائی ہیں''۔ اماں کو موقع مل گیا تھا بھڑاس نکالنے کا۔

''سوری غلطی ہو گئی''۔ بزلہ نے اماں کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے' ناحق بے چاری بھابی کو اور سننے کو مل گیا۔

''اماں! آپ بھی تو سوچیں ماشاء اللہ ہم بھی تو تین بہنیں ہیں اور کمانے والے صرف دو۔ دنیا کا کیا ہے دنیا تو صرف باتیں ہی بناتی ہے' ہم اپنے گھر کو کیوں جہنم بنائیں دوسروں کی باتوں میں آ کر یا ان بے مول چیزوں کے لیے''۔ زینیہ نے بھی انہیں پیار سے سمجھانا چاہا۔

''ارے واہ ایسا جہیز دوں گی بیٹیوں کو کہ دنیا دیکھے گی' تمہارے باپ کی دکان ماشاء اللہ اچھی چلتی ہے' بھائی اچھا کماتا ہے' دوسروں کے والدین کی طرح کنجوس تھوڑی ہوں''۔ انہوں نے سمیرا کے کمرے کی طرف منہ کر کے بلند آواز میں کہا تھا۔

''اچھا چھوڑیں ان سب باتوں کو' کھانا کھالیں میں دسترخوان لگاتی ہوں' جب تک آپ رفیعہ خالہ سے بات کرلیں' صبح ان کا فون آیا تھا آپ گھر پر نہیں تھیں''۔ زینیہ نے ان کا ذہن دوسری طرف لگایا۔

''ارے ہاں ملا کر دو' اتنے دن ہو گئے اس سے بات کیے ہوئے''۔ اور اب وہ فون ہاتھ میں لیے رفیعہ سے اپنی بہو کے کم جہیز کا رونا رو رہی تھیں۔

☆

اور پھر شاید اللہ کو ان کا غرور ناگوار گزرا تھا' جب ایک دن امان صاحب سوتے سے اٹھ ہی نہ سکے۔ خالدہ بیگم کو تو کچھ ہوش ہی نہ رہا اور جب ہوش آیا تو سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ امان صاحب نے اللہ جانے کس کس سے قرض لے رکھا تھا اور شاید اسی ٹینشن میں وہ دنیا سے چل بسے۔ قرض اتارنے میں دکان تو بکی ہی بلکہ وہ ساری جمع پونجی بھی چلی گئی جو انہوں نے اپنی بیٹیوں کے ''جہیز'' کے لیے رکھ چھوڑی تھی' لے دے کر صرف فرحان کی جاب ہی رہ گئی تھی جس سے گھر کی گاڑی چل تو رہی تھی مگر بغیر کسی سیونگ کے۔

☆

''سمیرا بیٹا! رفیعہ آج کچھ لوگوں کو لے کر آئے گی زینیہ کے سلسلے میں' تو بیٹا جو تم مناسب سمجھو کرلو''۔ خالدہ بیگم کا غرور و طنطنہ امان صاحب اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے اور بیٹا' بہو اتنے اچھے تھے کہ کبھی ان کے پچھلے رویے کا ذکر ہی نہیں کیا۔

''امی جان! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں' بزلہ اور دوہا سب کچھ دیکھ لیں گے''۔ ساس کے ہاتھ پر اپنا تسلی بخش ہاتھ رکھتے ہوئے سمیرا نے خوشدلی سے کہا۔

''دیکھ لیں گے سب مل کر......'' کمرے میں داخل ہوتی زینیہ نے گفتگو میں حصہ لیا۔

''وہ ہم کرلیں گے' تم پہلے اپنے چہرہ تو سنوارو' پھر اپنا وہ بلیک سوٹ پہن لینا اچھی لگتی ہو اس میں''۔ اس کی بات کاٹتے ہوئے سمیرا نے اسے دوسری ہدایات جاری کیں۔

''کس خوشی میں؟'' انجان بننے کی اداکاری کی۔

''اب آپ ہمارے منہ سے سننا چاہتی ہیں کیا؟'' کمرے کی چوکھٹ سے لگی دوہا نے معصومیت سے پوچھا۔

''نہیں وہ میں بس وہ تو......'' زینیہ بے چاری گڑبڑا گئی۔

''کچھ نہیں بس دلہن بننے کی تیاری کریں آپ''۔ کہنے کے ساتھ ہی وہ کمرے سے بھاگی تھی اور زینیہ اس کے پیچھے تھی۔

☆

''آپ کی بیٹی تو ماشاء اللہ اچھی ہے اور ہمارے شہروز کے ساتھ نہایت مناسب لگے گی''۔ اچھا خاصا کھانا چکھنے کے بعد وہ خاتون اب کام کی بات پر آئی تھیں۔

''تو ہم بہت جلد آئیں گے شادی کی تاریخ لینے بس بہن مجھے بہو لانے کی بڑی جلدی ہے' منگنی وگنی

کے چکر میں نہیں پڑنا ہمیں اور جہیز کے سامان کی لسٹ میں آپ کو ایک دو دنوں میں رفیعہ کے ہاتھ بھجوا دوں گی' بس بہن کیا' کیا جائے ہمارے یہاں بہت رواج ہے جہیز کا' ماشاء اللہ میں نے اپنی بیٹی کو بھی بہت دیا تھا اور میری بہنوں کی بہوئیں بھی بہت لائی ہیں' اب میرا تو ایک ہی بیٹا ہے' میرے بھی ارمان ہیں کہ بہو جہیز لائے تو ایسا کہ خاندان دیکھے' اب بہن رہنا تو ان کے ساتھ ہی ہے تو ان کو باتیں بنانے کا موقع کیوں دیا جائے۔ اچھا اب میں چلوں' اب تو انشاء اللہ آنا جانا لگا رہے گا''۔ وہ خاتون اماں کا سکون غارت کر کے آرام سے چلتی بنیں۔

اماں جو یہ سن کر خوش ہو گئی تھیں کہ زینیہ ان کو پسند ہے۔ جہیز کے رواج کا سن کر پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ گئیں۔ ''اب کیا ہو گا'' کا سوالیہ نشان ان کے سامنے ناچ رہا تھا اور پھر ان کی تو بیٹیاں بھی تین تھیں' ایک کو بھرپور جہیز دے بھی دیتیں تو باقی دو کا کیا کرتیں۔

''اماں جان! اسی لیے تو اللہ تعالیٰ اور ہمارے پیارے نبی کریمؐ نے جہیز کو ''حرام'' قرار دیا ہے لیکن ہم لوگ اچھی اچھی لڑکیوں کو صرف اسی جہیز کے لالچ میں بوڑھا کر دیتے ہیں' ہم لوگ ہی تو ہیں جو شریف لوگوں کو مجبور کرتے ہیں قرضہ لینے کے لیے اور بیٹی کی شادی کے لیے وہ قرضہ لے تو لیتے ہیں پھر اس کی انسٹالمنٹ بھرتے بھرتے ان کی کمر جھک جاتی ہے۔ امی جان! شادی دین اسلام کا ایک ایسا فریضہ ہے جو سب سے آسان ہے لیکن ہماری خودغرضیوں نے اس آسان فریضے کو مشکل ترین بنا دیا ہے' اگر ہم دین پر چلیں اور اس ''رواج جہیز'' کو ختم کریں تو لڑکیوں کے سروں میں چاندی نہ اترے' گھروں کے ہزاروں جھگڑے ختم ہو جائیں۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا' میں تو بس آپ کو...... چلیں چھوڑیں میری نظر میں ایک اور رشتہ بھی ہے اور زینیہ جیسی پیاری لڑکی کے لیے نہایت مناسب''۔ سمیرا نے اماں کو پیار سے سمجھاتے ہوئے آخر میں ان کی پریشانی کا حل بھی نکالنا چاہا۔

''کون سا رشتہ؟ اور پھر وہ لوگ نا جانے کتنا جہیز مانگیں''۔ اماں جو رشتے کا سن کر خوش ہونے لگی تھیں جہیز کا سوچ کر پھر پریشان ہونے لگیں۔

''نہیں وہ لوگ جہیز نہیں لڑکی کا سلیقہ اور اطوار دیکھتے ہیں''۔

''لیکن پتہ تو چلے آخر کون ہیں وہ لوگ؟'' اماں جاننے کے لیے بضد تھیں۔

''سمیر بھائی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ امی جان نے دو ایک دفعہ ذکر کیا تھا لیکن میں آپ کے ڈر کی وجہ سے خاموش رہی' ہمیں کوئی جہیز نہیں چاہیے بس زینیہ چاہیے اور ہاں میں آج ہی امی جان کو فون کر دیتی ہوں اب ہم ناں نہیں سنیں گے''۔ سمیرا نے پیار بھری دھونس سے کہا۔

''سمیرا......'' احساس تشکر سے ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

''میرا کوئی اور بیٹا ہوتا تو میں اس ''رواج جہیز'' کو ضرور ختم کرتی''۔ بہو کو گلے لگاتے انہوں نے پُرنم لہجے میں کہا تھا۔

''کوئی بات نہیں اماں! آپ کی نیت تو صحیح ہے ناں' اللہ تعالیٰ نیتوں کا حال جانتا ہے اور آج ہم یہ ''رواج جہیز'' ختم کرنے کی نیت کر رہے ہیں' کل کوئی اور کرے گا اور اپنی بہو بھاوج کو جہیز کے ترازو میں نہیں تولے گا''۔

''انشاء اللہ''۔ وہاں بیٹھے تمام افراد نے ایک ساتھ کہا تھا۔

اور یہی ''رواج جہیز'' ہمارے مسلم معاشرے میں کافی تباہی لا چکا ہے۔ اب اس رسم کو ختم ہو ہی جانا چاہیے تا کہ کسی لڑکی کے سر میں چاندی نہ اترے اور ہر لڑکی کے چہرے پر ایک پُرسکون مسکان ہو۔

☆

سعدیہ خان آفریدی

افسانہ

محبت کی چاہ

میں ایک عمارت سے دوسری عمارت تک چلا جا رہا تھا میری جوتی واقعی میں ٹوٹنے والی تھی' اور میں بہت تھک گیا تھا' میرے منہ سے ایک ٹھنڈی سرد آہ نکلی' فوٹو اسٹیٹ کی دکان دیکھ کر یاد آیا کہ مجھے اپنی سی وی کی فوٹو کاپی کروانی ہے' کتنی ہی کاپیاں میں کروا چکا تھا' میں نے اپنی سی وی مختلف دفاتر میں بانٹی تھیں' پھر جب گھر آتا تو اماں کا سوال۔

''ارے ملی کوئی نوکری......؟''

''ارے اماں نوکری کیا کہیں کسی دکان کہ شوکیس میں پڑی ملتی ہیں جو مل جائے گی''۔

''پھر بیٹا! تجھے تین مہینے ہو گئے ہیں جاب تلاش کرتے کرتے''۔

''ہمارا گزارہ ہو تو رہا ہے ابا کی دکان سے کچھ نہ کچھ آمدنی ہو ہی جاتی ہے اور چھوٹے بھیا بھی تو لا رہے ہیں کچھ کما کر''۔ چھوٹا بھائی میٹرک پاس تھا وہ گارمنٹ فیکٹری میں لوڈر کی جاب کرتا تھا جس کی آمدنی اوور ٹائم لگا کر بھی نہ ہونے کے برابر تھی' اس لئے اماں کو صرف مجھ سے آس تھی۔

میں اماں کی باتوں سے بیزار اور دن بھر کی جھک مار سے تھکا ہوا اوپر چھت پر آ گیا سامنے اچانک شیدو کی چھت پر میری نظر پڑی اس لمحے ہوا کے ایک خوشگوار جھونکے نے مجھے چھوا۔ سامنے وہی لڑکی نظر آئی جس کے بغیر میرے خوابوں کا سپنا ادھورا تھا ایکدم مجھے اماں کی آواز سنائی دی ایک تو اماں کی آواز مجھے کبھی کبھار بہت بری لگتی جو میرے خوابوں کو توڑ دیتی تھی۔

میری اماں جب بولنے پر آتیں تو بولتی ہی چلی جاتیں' ساری زندگی وہ اس دکھ میں ہی رہیں کہ ابا نے کوئی ڈھنگ کی نوکری نہیں کی اور اماں کے اوپر ہی گھر کا سارا بار رہا وہ گھر میں سلائی کرتیں اور محلے کے اسکول میں چھوٹے بچے کر آتیں ابا کے انتقال کے بعد بھی وہ ہی کام کرتیں بلکہ انہوں نے سلائی کا کام اور بڑھا لیا تھا' صحیح کہا ہے کسی سیانے نے کہ عورت جب کماتی ہے تو اس کے اوپر دباؤ بہت بڑھ جاتا ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر اماں پریشان ہو جاتیں اور مجھے سنائے جاتیں۔

''ندیم! تجھے نوکری ملے گی بھی یا نہیں......؟ کب تک تو مجھ سے کرایہ لے کر جاتا رہے گا' میرے ہی نصیب خراب تھے جو میرے گھر میں تجھ جیسا بیٹا پیدا ہوا''۔ میں 12 سال کا تھا جب ابا کا انتقال ہوا تھا اور 12 سے آج 29 سال کی عمر تک اماں کے الفاظ مجھے ازبر ہو گئے تھے' جب میں کھانا کھاتا تو مجھے پتہ ہوتا کہ اماں کا اگلا جملہ کیا ہوگا۔

''ارے او ندیم! ندیدے سالن میں سے بوٹیاں کم نکلنا' گل خان کے لئے رکھی ہیں''۔ گل خان میرے تیسرے نمبر کا بھائی تھا جو سب سے زیادہ اماں کا لاڈلا تھا

بچپن میں سرخ و سفید ہونے پر اماں نے اس کا نام گل خان رکھا تھا۔ ہر اچھی چیز صرف گل خان کے لئے ہوتی کبھی کبھی میں سوچتا کہ کیا واقعی میں اماں کا سگا بیٹا ہوں......؟ کیا کوئی اپنی سگی اولاد کے ساتھ ایسا کرتا ہے......؟ شرارت میرے چھوٹے بہن بھائی کرتے اور ڈانٹ ہمیشہ مجھے پڑتی۔

"ارے ندیم! یہ تو نے سکھایا ہوگا"۔ میرا چھوٹا بھائی بائیک بہت تیز چلاتا تھا اور سگریٹ پیتا تھا سب جانتے تھے کہ صرف وہی یہ کام کرتا ہے لیکن اس کا الزام بھی اماں مجھ پر لگا دیتیں کہ یہ کام ضرور ندیم سے سیکھا ہوگا اور تو اور اماں میری کسی بات پر یقین نہیں رکھتیں تھیں۔

غرض یہ کہ اماں کی اس طرح کی تربیت اور پرورش سے میری شخصیت دب کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی میں تعلیم میں تو پہلے ہی کم تھا اماں کے طعنے سے میں اور کمزور ہوگیا۔

"ارے جس دن تو پاس ہوگیا میں اس دن گھر میں گھی کے چراغ جلاؤں گی"۔ اماں کے کہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حوصلہ افزائی اور بے یقینی کی وجہ سے میرا دل اور بڑا ہوگیا اور بہت مشکل سے فیل ہوکر کبھی پاس ہوکر میں انٹر کر پایا۔

جب ہم سوچتے ہیں کہ ہم یہ کام نہیں کر سکتے اور ہمیں تربیت کرنے والی ماں بھی کہے کہ ہم ساری زندگی بھی یہ کام نہیں کر سکتے تو ہمارے حوصلے اور پست ہوجاتے ہیں ہر چیز ہر شخصیت کو آگے بڑھانے کے لئے جو توانائی' حوصلہ' خود اعتمادی اسے اس کے گھر سے ملتی ہے۔ میں اسی سے محروم تھا۔ انٹر کے بعد میں نے جگہ جگہ نوکری تلاش کی لیکن مجھے میرے معیار کی بالکل نہیں ملی میں نے دواؤں کی کمپنی میں کام کیا تو کبھی کارخانے میں پھر میرا دل اچاٹ ہوگیا۔ وہاں ورکروں کو ذرا ذرا سی بات پر بری طرح ڈانٹا جاتا' اب میں کسی آفس میں نوکری کرنا چاہتا تھا' اپنا سی وی میں نے بہت اچھا سا بنوایا لیکن وہ صرف میرے لئے اچھا تھا اوروں کے لئے نہیں ظاہر ہے کہ ایک انٹر پاس کو کون نوکری دیتا ہے وہ دھکے مجھے آج بھی یاد ہیں' شارع فیصل پر کئی کئی میل میں نے پیدل سفر کیا' کبھی نرسری سے بلوچ کالونی تک' کبھی عوامی مرکز سے ڈرگ روڈ تک جتنے اخبار میں آفس جاب کے اشتہار آتے وہاں سب سے پہلے انٹرویو کے لئے پہنچنے والا میں ہوتا۔ نوکری کی تلاش کے اس سفر میں میرے منہ سے کتنی ٹھنڈی آہیں نکلتیں' چل چل کر میرے پاؤں شل ہوجاتے' ایسے میں مجھے صرف دو چہرے نظر آتے ایک شیدو کا اور ایک اماں کا۔ شیدو میٹرک میں میری کلاس فیلو تھی اور میرے گھر کے سامنے ہی رہتی تھی' اس کو پانے کی لگن مجھے پھر آگے چلنے پر مجبور کرتی۔ گھر کے مسائل' اماں کے جملے یاد آتے میں رک کر پھر چل دیتا۔

☆

"بہت زبردست دھماکہ تھا 19 افراد زخمی اور 45 افراد ہلاک دھماکہ سے آس پاس کی عمارتوں کو بھی نقصان پہنچا تھا دھماکہ شدید نوعیت کا تھا پولیس اور امدادی ٹیمیں جائے حادثہ پر پہنچ رہی ہیں یہ دھماکہ شہر نیم گنجان [illegible] ہوا جو شہر کی ایک مشہور مارکیٹ سے نزدیک ہے"۔ ٹی وی پر یہ خبر نشر ہو رہی تھی اور میں بالکل سن بیٹھا تھا۔ جلتے ہوئے انسانی اعضاء اپنوں کو تلاش کرتے غم زدہ لوگ پریشان اور جان کنی میں تڑپتے لوگ۔

کیا میں یہ سب کر پاؤں گا......؟ کیسے کروں گا یہ سب...... نہیں"۔ ابھی کچھ دن پہلے پان کے کھوکھے میں میری چند لڑکوں سے دعا سلام اور پھر دوستی ہوگئی۔ میرے حالات جان کر انہوں نے مجھے ایک آفر کی۔ یہ بغیر پڑھے لکھے' عجیب سے حلیے



لوگ تھے، مجھے ایک جگہ ریموٹ کنٹرول دھماکہ کرنا تھا، مجھے بس ایک جگہ لوگوں سے بھری جگہ پر یہ نصب کرکے آنا تھا اور اس کے بدلے میں وہ مجھے جو پیسے معاوضہ دیتے، اس سے میں اپنا کوئی کاروبار شروع کردیتا، پھر میرے حالات زندگی بدل جاتے، مجھے نوکری کی تلاش میں دربدر بھٹکنا نہیں پڑے گا میرے گھر کے حالات بدل جائیں گے دو کمروں کے گھر سے نکل کر اپنا فلیٹ یا گھر لے لوں گا، میرے سارے ادھورے خواب پورے ہوجائیں گے، اماں کے طنزیہ جملے شاید اب دعاؤں میں بدل جائیں......؟ سب سے بڑی بات اماں کے سامنے میں ذلیل نہیں ہوں گا، پیسہ آنے کے بعد ہر کوئی مجھے عزت سے دیکھے گا، اماں اب مجھے نکما نہیں کہیں گی، وہ مجھے بہن بھائیوں میں زیادہ اہمیت دیں گی جب میرے پاس پیسہ آجائے گا تو اماں خوش خوشی میری تعریفیں کرنے لگیں گی یہ نہیں کہیں گی کہ۔

”تو تو ہے ہی نکما“۔ سب سے بڑی بات...... میری شخصیت کا اعتبار، اعتماد مجھ میں آجائے گا جب میں اپنا کاروبار شروع کروں گا۔ اگلے ہی لمحے ٹی وی پر جلی کٹی لاشیں، اعضاء اور اپنوں کی تلاش میں سرگرداں روتے لوگ میری نظروں کے سامنے چلنے لگے۔

”نہیں نہیں میں ایسا نہیں کرسکتا“۔ میں ایکدم بیدار ہوا۔

”کل ہی میں اس لڑکے کو منع کردوں گا، نہیں کرسکتا میں ایسا اور اسے بھی سمجھاؤں گا کہ چند پیسوں کے لئے لوگوں کی جانیں نہیں لیں کراچی شہر کو روشنیوں کا شہر ہی رہنے دیں لوگ جب اپنے گھروں سے روزگار کے لئے باہر نکلیں تو بغیر کسی خوف کے نکلیں مائیں بہنیں انہیں دعائیں دے کر الوداع کریں اس خوف سے نہیں کہ کل کیا ہوگا ...؟ شام کو کیا ہوگا......؟ خدا خواستہ کچھ ہو نہ جائے، لوگ بے خوف ہوکر اس شہر کی رونقیں بڑھائیں بے خوف ہوکر گھروں سے نکلیں اپنوں کے سنگ“۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ یہ کام نہیں کروں گا۔

بچے کی شخصیت میں بگاڑ ہمیشہ ماں کی غلط تربیت سے ہی ہوتا ہے میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ بچوں کو دوسروں کے سامنے ڈانٹنے نہیں، سب سے پہلے اپنے بچے کی عزت نفس کا خیال کریں اس سے یہ ہوگا کہ آپ کے بچے کی شخصیت متاثر نہیں ہوگی، اور آپ کی حوصلہ افزائی سے بچے پر اعتماد اور اعتماد سے اس کی شخصیت کی اچھائیاں اور خوبیاں سامنے آئیں گی، خوبیاں سامنے آئیں گی تو وہ بچہ بڑا ہوکر اپنے ملک کا دفاع کرے گا نہ کہ اسے تباہ کرے گا پھر کسی ندیم کی سوچ ایسی نہیں ہوگی، اگر ہر ندیم کی ماں اس کی صحیح تربیت کرے، بم دھماکے وہی لوگ زیادہ کرتے ہیں ملک کو بگاڑتے وہی لوگ ہیں جن کے اپنے حالات خراب ہوں، غربت اور افلاس کی وجہ سے لوگ ایسا کرتے ہیں لیکن اس کی دوسری وجہ ایک ماں کی تربیت ہے، کیونکہ گھروں کے اندر سے مکمل شخصیت کے حامل افراد نکلیں گے تو وہ معاشرے کو سنوارنے میں ایک فعال کردار ادا کریں گے ایک اچھی اور نئی سوچ سے۔ ماں کا کام بچے کو نکما نہیں کرنا بلکہ بچے کو عزت دینا اور آگے بڑھانا ہے حوصلہ دینا ہے، کیونکہ کہتے ہیں ایک اچھے انسان کی کامیابی کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے اور وہ عورت ہے ماں جب ہر گھر سے ایک تعلیم یافتہ سلجھا ہوا نوجوان نکلے گا تو پھر میرا پاکستان کیونکر نہیں ترقی کرے گا، جب نوجوان آگے بڑھنے کی محبت کی چاہ کے ساتھ نکلیں گا تو انشاء اللہ میرا پاکستان خوب ترقی کرے گا۔

☆

نائلہ طارق

قسط نمبر 20

سلسلے وار ناول

ساحل سمندر اور سکوت

دروازے پر ہوتی دستک پر وہ اٹھ بیٹھی تھی۔
"کھلا ہے دروازہ' آ رہی ہوں"۔ شال کندھوں پر ڈالتی وہ بیڈ سے اتر گئی تھی۔
"کیا ہوا کوئی کام ہے؟" لائٹ آن کرتے ہوئے وہ شاہ رخ کی طرف بڑھی جو دروازے سے جھانک رہا تھا۔
"یہ دروازہ کھلا رہتا ہے اور ہر بار میں یہ سوچ کر واپس پلٹ جاتا ہوں کہ یہ اندر سے لاک ہوگا"۔ شاہ رخ

خشمگیں لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔
"آج تم ٹی وی نہیں دیکھ رہی ہو' خیریت کہ؟" وہ پوچھ رہا تھا۔
"بس موڈ نہیں ہو رہا تھا"۔ وہ بولی تھی۔
"موڈ نہیں ہو رہا تھا یا آنسو بہانے کے لیے چھپنے کی ضرورت تھی"۔ وہ بغور اس کے تاثرات کو دیکھتا بولا تھا۔
"اتنا فارغ وقت نہیں ہے میرے پاس کہ فضول سی باتوں پر بیٹھ کر آنسو بہاتی رہوں"۔ وہ نخوت سے بولی تھی۔
"اچھا تو پھر آ جاؤ' باہر عاطف بھائی تمہیں یاد کر رہے ہیں"۔
"کیوں؟" سارہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
"تعزیت کریں گے اور دعا دیں گے کہ جلد ہی تمہیں کوئی دوسرا چاند سا دولہا مل جائے"۔ وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔
"مگر اس کا کلر گولڈن تو نہیں ہوگا"۔ وہ بمشکل ہنسی روکتی شان کے مسکراتے چہرے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
"سارہ! آج شہر کے تمام اخباروں میں تمہارے بریک اَپ کی چٹخارے دار نیوز چھپ چکی ہے کچھ عرصے تک گھر سے باہر مت نکلنا"۔ شان کی ہدایت پر سارہ نے گھور کر ان دونوں کو دیکھا تھا جو اس کی شکل دیکھتے ہوئے پاگلوں کی طرح ہنسے جا رہے تھے۔



''شرم تو نہیں آ رہی' بجائے ہمدردی کرنے کے میرا مذاق اڑا رہے ہو' سچ ہی ہے بُرے وقت میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے''۔ ان دونوں کو گھرکتی وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

''میرا خیال ہے چہرہ چھپا ہی لوں' یہ اس قابل نہیں رہا ہے کہ کھلا لے کر گھوموں''۔ شال کا کنارہ ناک تک لے جاتے ہوئے اس نے رک کر پیچھے آتے شاہ رخ سے تائید چاہی تھی جس کی رکتی ہنسی ایک بار پھر ابل پڑی تھی۔ دوسری جانب وہ خود بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی تب گلاس ڈور کھول کر اندر آتے شیث کی پہلی نظر سارہ کے بے تحاشہ ہنستے ہوئے چہرے پر پڑی تھی۔

جلتے انگاروں پر جیسے وہ منہ کے بل گرا تھا' سر سے پیر تک کھولتے پانی میں وہ غرق ہوا تھا۔ اگلے ہی پل اس پر سے نظر ہٹاتا وہ سرخ چہرے کے ساتھ برابر سے گزرتا چلا گیا تھا۔

حیران نظروں سے عاطف نے ان دونوں کو دیکھا تھا جن کی ہنسی قریب آنے پر بھی نہیں رکی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے' میں تو کچھ اور ہی صورتحال سوچ بیٹھا تھا''۔ عاطف نے حیرت سے کرسی پر پھیل کر بیٹھتے شاہ رخ کو اور پھر سارہ کو دیکھا تھا جو کرسی پر پیر چڑھائے شال میں دبکی بیٹھی تھی۔

''چہرہ کیوں چھپا رکھا ہے تم نے؟'' ابھی تک حیران بیٹھے عاطف نے سارہ سے پوچھا تھا۔

''یہ سوال اس سے کرنے کے بعد آپ کو اپنا چہرہ بھی چھپا لینا چاہیے''۔ ہنسی کے درمیان شاہ رخ بمشکل عاطف سے مخاطب ہوا تھا۔

''تمہارے لیے شمس بھائی حد درجہ پریشان ہیں' میں نے الگ شیث کو برا بھلا کہہ کر اس کی ناراضی مول لی ہے اور تمہیں یہ سب دیکھ کر ہنسی آ رہی ہے''۔ عاطف نے خشمگیں نظروں سے سارہ کے ہنستے چہرے کو دیکھا تھا۔

''آپ بتائیں اس سے بڑا کوئی لطیفہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے سارہ کو ٹاٹا بائے بائے کر دیا ہے''۔ شاہ رخ ہنستے ہوئے ہی بولا تھا۔

''صبح سے بولائے بولائے گھوم رہے ہیں انہیں خود ابھی تک سمجھ نہیں آیا ہے کہ وہ کیا کر چکے ہیں''۔ شاہ رخ کے مزید کہنے پر عاطف کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''شکر ہے تم نے اس کی بے وقوفانہ حرکت کو دل سے نہیں لگایا ورنہ شمس بھائی بہت پریشان تھے کہ تمہارا ردعمل کیا ہوگا''۔ عاطف نے کہا تھا۔

''بھابی مجھے سب سے زیادہ ڈسٹرب نظر آ رہی ہیں''۔ شاہ رخ نے کہا تھا۔

''وہ دونوں ہی ڈسٹرب ہیں اور خاموش بھی' میری تو خود ہمت نہیں ہو رہی کہ ان دونوں سے نظر ملاؤں' آپی نے اس بارے میں نہ میرے سامنے کچھ کہا نہ کچھ پوچھا ہے' مجھے تو لگ رہا ہے کہ ہم تینوں ایک دوسرے کا سامنا کرنے سے کترا رہے ہیں''۔ وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''اور جن کی وجہ سے یہ سب ہو رہا ہے وہ منظر سے ہی غائب ہیں''۔ شاہ رخ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ اب تک وہ سب کی فرسٹریشن کا مرکز بنا رہا ہے' اپنے دل کا غبار چھپائے وہ کب تک نارمل رہ سکتا ہے' اگر اسی طرح اس کی فرسٹریشن ریلیز ہوتی ہے تو تھوڑا برداشت کرنا پڑے گا''۔ عاطف نے بطورِ خاص سارہ کو یہ سمجھانا چاہا تھا' دوسری جانب نامحسوس انداز میں شاہ رخ اٹھ کر موموکی طرف بڑھ گیا تھا جو اپنے پورشن کی بند گرلز کے دوسری جانب موجود تھی۔ عاطف کی پشت اس کی جانب تھی اس لیے وہ شاہ رخ کو اشارے سے اپنی طرف بلا سکی تھی۔

''اتنا غصہ آ رہا ہے مجھے چھوٹے بھائی پر' سارہ نے جب مجھے بتایا تھا اسی وقت میں نے میسج میں لکھ کر بھیجا تھا کہ آپ نے بہت غلط کیا ہے انسانیت ہی نہیں ہے آپ میں''۔ وہ بتا رہی تھی۔

''پھر کیا ہوا؟'' شاہ رخ نے حیرت کے ساتھ پوچھا تھا۔

''پانچ منٹ کے بعد ان کی کال آ گئی' میں پاگل تھی جو ریسیو کر لیتی''۔ وہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھی۔

''مگر شام کو آفس سے لوٹتے ہی باہر ہی انہوں نے پکڑ لیا مجھے''۔

''کتنی عزت افزائی ہوئی تمہاری؟'' گرلز سے شانہ ٹکاتے ہوئے شاہ رخ نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''بہت زیادہ تو نہیں مگر کہہ رہے تھے کہ آئندہ مجھے کوئی میسج بھیجا تو پہلی فرصت میں تمہارے ہاتھ توڑ دوں گا''۔ وہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھی۔

''سارہ بالکل نارمل لگ رہی تھی' مجھے تو اس پر اب تک حیرت ہے''۔ مومو نے کہا تھا۔

''اس کی تو ہنسی نہیں رک رہی' چھوٹے بھائی دیکھ چکے ہیں یقیناً جل کر کباب بن گئے ہیں''۔ شاہ رخ نے کہا تھا۔

''بندے کو ایسی بات منہ سے نکالنی چاہیے جس پر عمل کر سکتا ہو' بولنے کی حد تک ہی ہمت رکھتے ہیں وہ' سارہ کو بھی خبر ہے''۔ مومو نے کہا تھا۔

''تم اب تک کیسے جاگ رہی ہو؟ ورنہ تو اتر جاتی ہو نیند کی وادیوں میں''۔ شاہ رخ نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''اب جاگ رہی ہو تو جاگتی رہنا تین بجے کال کروں گا''۔

''تین بجے''۔ مومو کی حیرت دیکھنے والی تھی۔

''اب تمہاری باری آتے آتے اتنا وقت تو ہو جائے گا''۔ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''مت آنے دو میری باری' جو کہنا ہے ابھی کہہ دو' میں نہیں ریسیو کرنے والی تمہاری کال''۔ وہ بگڑ کر بولی تھی۔

''تمہاری مرضی' میرے پاس نمبرز کی کمی نہیں''۔ وہ بے نیازی سے بولا تھا دوسری جانب وہ تپ کر گرلز سے دور ہوئی تھی۔

''ویسے تمہارا یہ نیا سلیپنگ ڈریس کافی خطرناک ہے''۔ شاہ رخ نے سرسری نظر اس پر دوڑاتے ہوئے تبصرہ کیا تھا' دوسری جانب مومو نے گھبرا کر اپنی گرم شال کا جائزہ لیا تھا جو اس کے سر سے پیر تک لپٹی تھی۔

''کائیاں انسان! اتنی بڑی شال کے باوجود تجھے نئے پرانے اور خطرناک کا پتہ چل گیا''۔ مومو کے کھا جانے والے انداز پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

''ایک ہفتہ رہ گیا ہے میری برتھ ڈے میں' یاد رکھنا' ایسا نہ ہو کہ تمہاری زندگی کی کینڈل ایک پھونک میں' میں بجھا دوں''۔ وہ اسے وارن کر رہی تھی جو اَن سنی کرتا چلتا بنا تھا۔

☆

بہت سنجیدہ ماحول میں صرف پلیٹوں اور چمچوں کی مدھم آواز وقتاً فوقتاً ابھر رہی تھی۔

''سارہ نہیں آئی اب تک''۔ بالآخر شمس نے خاموشی توڑ کر سدرہ کو دیکھا تھا۔

''آ جائے گی جب آنا ہوگا' اس کا یہاں ہونا ضروری نہیں ہے''۔ ہنی کی پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھیں' شیث سمیت سب نے ہی ان کی پیشانی پر پڑے بلوں کو بغور دیکھا تھا۔

''وہ مومو کے ساتھ ابھی تک عاطف بھائی کی اسٹڈی میں ہے پریکٹس کے لئے' کہہ رہی تھی کہ کچھ دیر میں آ جائے

گی''۔شان نے فوراً ہی شمس کو اطلاع دی تھی۔ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے جب سارہ' مومو کے ساتھ ہی آ گئی تھی۔

''میں وہ کھیر کھانے آئی ہوں جو سارہ نے بنائی ہے''۔اور جھٹ سے کھیر کی ڈش اٹھا کر سامنے رکھی تھی۔

''کہاں تھیں تم؟ کتنی بار ہنی کو اور پھر شان کو بھیجا تھا میں نے مگر تمہارے آنے کا کچھ اتا پتا نہیں''۔یکدم ہی جس طرح سدرہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا وہ حق دق کھڑی رہ گئی تھی جبکہ باقی سب بھی دنگ ہوئے تھے۔

''جب جہاں موقع ملتا ہے منہ اٹھا کر نکل جاتی ہو' اتنا یاد رکھا کرو یہ تمہارا گھر نہیں ہے''۔وہ غصیلی نظروں سے اسے دیکھتی بولتی چلی گئی تھیں' دوسری جانب وہ سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے چلی گئی تھی۔شدید ناراضی سے سدرہ کو دیکھتے ہوئے مومو بھی اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

''آپ نے شام کو بھی آنی کو ڈانٹا تھا'' ہنی نے بھی ماں کو شکایتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''خاموشی سے کھانا کھاؤ''۔سدرہ نے بری طرح بیٹی کو جھڑک دیا تھا۔

''یہ سب تم اسے کھانے کے بعد نہیں کہہ سکتی تھیں' بیٹھنے تک نہیں دیا اسے''۔غصیلے لہجے میں شمس ان پر گرجے تھے اور اگلے ہی پل اپنی جگہ سے اٹھتے وہاں سے چلے گئے تھے' بے دلی کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے شاہ رخ نے کن انکھیوں سے ساتھ موجود شیث کو دیکھا تھا جس کے سنجیدہ چہرے پر بے چینی کے تاثرات نمایاں تھے۔

✩

گیٹ پر زینب کو الوداع کہتی مومو کے ہمراہ ہی اپنے پورشن کی سمت بڑھ گئی تھی۔

''اب اپنا موڈ ٹھیک رکھنا اور کھانا ضرور کھا لینا''۔مومو نے تاکید کی تھی۔

''کھا تو لیا ہے تمہارے اور سب کے سامنے''۔وہ ناگواری سے بولی تھی۔

''اپنا غصہ اس پر کیوں نہیں نکال رہیں جو حق دار ہے' لے دے کر میں ہی ملتی ہوں سب کو تختہ مشق''۔اس کے مزید جلے بھنے انداز پر مومو بس تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''سارہ! بڑے بھائی نے تمہیں بلایا ہے جلدی چلی جاؤ''۔وہ سیدھی اپنے کمرے میں جانا چاہتی تھی مگر شان کی اطلاع پر ناچار اسے ارادہ بدلنا پڑا تھا۔

اسٹڈی کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے ایک خفت زدہ نظر سدرہ پر ڈالی تھی جو کمبل میں چہرہ چھپائے پتا نہیں سو رہی تھیں یا جاگ رہی تھیں۔

''آپ نے بلایا تھا مجھے''۔سارہ کی آواز پر وہ فائل ایک طرف رکھتے اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''آؤ یہاں بیٹھو''۔ان کی ہدایت پر وہ خاموشی سے اندر آتی کرسی پر بیٹھی تھی۔

دوسری جانب وہ چند لمحوں تک اس کے جھکے چہرے کو دیکھتے رہے تھے۔

''ساری غلطی میری ہے' حالانکہ سدرہ نے مجھے کہا تھا کہ یہ درست موقع نہیں ہے مگر میں نے ہی اسے فورس کیا اور اتنے اہم معاملے پر اگر وہ ان حالات میں بھی شیث سے بات کرے گی تو ہو سکتا ہے ساری کدورتیں اور ناراضیاں ختم ہو جائیں مگر......''ایک پل کو رک کر انہوں نے گہری سانس لی تھی۔

''شیث کے انکار نے اسے بہت زیادہ صدمہ پہنچایا ہے یہ تو تم بھی جانتی ہو''۔اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ بولے تھے۔

''شاید اسی لئے سدرہ کا رویہ تمہارے ساتھ سخت ہوا ہے کیونکہ نہ تو وہ مجھ سے کوئی شکایت کر رہی ہے اور نہ ہی شیث سے کچھ کہے گی' میں نے آج بھی اسے بہت سمجھایا ہے کہ شیث کے کسی جذباتی فیصلے کو وہ دل سے لگا کر نہ بیٹھے'

اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگا تو خود ہی اپنا فیصلہ بدل دے گا''۔

''مگر میں نہیں چاہتی کہ وہ اپنا فیصلہ بدلے''۔سارہ کے یکدم ہی اس جملے پر وہ کچھ دنگ ہوئے تھے۔

''اور وہ اپنا فیصلہ کیوں بدلے گا' فیصلہ بھی وہ جو اس نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے' آپ جانتے ہیں وہ جذباتی انسان نہیں ہے' اسے حق ہے کہ وہ انکار کرے ہر اس انسان سے تعلق جوڑنے سے' جس کے لیے اس کے دل میں رتی برابر جگہ نہیں ہے......''

''وہ جذباتی نہیں ہے مگر تمہارے لیے وہ ہمیشہ جذباتی رہا ہے یہ میں جانتا ہوں اور دوبارہ تم یہ سوچنا بھی نہیں کہ اس کے دل میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے''۔شمس نے کچھ ناراضی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ آپ کی سوچ ہے اور میں اس پر آپ سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہوں گی' آپی کی طرف سے آپ پریشان نہ ہوں' مجھے مطمئن دیکھ کر وہ خود بھی چند دنوں میں نارمل ہو جائیں گی''۔وہ بات ختم کرنے والے انداز میں بولی تھی۔

''وہ تمہاری بہن ہے اس کے لیے یہ جاننا مشکل نہیں کہ تم اندر سے کتنی مطمئن ہو اور بظاہر کتنی مطمئن ''دکھائی'' دے رہی ہو''۔شمس کے گہرے لہجے پر اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

''میں کچن کی طرف جا رہی ہوں' آپ کچھ لیں گے چائے یا کافی؟''اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔ شمس کے لیے یہ محسوس کرنا مشکل نہیں تھا کہ وہ اب یہاں رکنا نہیں چاہتی ہے۔

''نہیں' مجھے تو کچھ نہیں چاہیے مگر تم کھانا ضرور کھاؤ' کسی بات کو سر پر طاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے' سب ٹھیک ہو جائے گا''۔ان کے نرم لہجے پر وہ بس اثبات میں سر ہلاتی اسٹڈی سے نکل گئی تھی۔وہ واقعی شمس کے سامنے رکنا نہیں چاہتی تھی' وہ ان کے سامنے دھاڑیں مار مار کر نہیں رونا چاہتی تھی' کسی کو یہ یقین نہیں دینا چاہتی تھی کہ اسے کتنی تکلیف پہنچی ہے۔

جس شخص کے بغیر وہ اپنی زندگی کو ناقابل قبول ہی نہیں گردانتی تھی وہی شخص اس کے سامنے کتنی بے حسی کے ساتھ اس کی بہن کو یہ مشورہ دے رہا تھا کہ اس کے لیے کسی اور شخص کا انتخاب کیا جائے۔وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ شیث کبھی یہ بھی کہہ سکتا ہے' تماشہ بننے کے بجائے وہ بس اب اپنی برداشت کا امتحان لے رہی تھی اس وقت تک' جب تک انتہا نہ ہو جاتی۔بے دھیانی میں گلاس اٹھایا تھا جو فوراً ہی گرفت سے پھسل بھی گیا تھا۔سارہ کے سنبھالتے سنبھالتے بھی وہ گلاس ٹیبل کے کنارے سے ٹکراتا بری طرح سے اس کے ہاتھوں میں ہی ٹوٹ گیا تھا۔ایک کراہ کے ساتھ اس نے اپنے کانپتے ہاتھ کی ہتھیلی سے کانچ کا ٹکڑا بمشکل الگ ہٹایا تھا۔درد کی اذیت اس کی آنکھوں میں نمی بن کر پھیل گئی تھی۔عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی اس نے پلٹ کر دیکھا تھا اور سرعت سے خون سے آلودہ ہوتا ہاتھ دوپٹے کے پیچھے چھپایا تھا۔بغور اس کے چہرے پر پھیلے تکلیف دہ تاثرات دیکھتا وہ چند قدم مزید قریب آیا تھا۔

''ہاتھ اپنا سامنے لاؤ' مجھے دیکھنا ہے''۔وہ بولا تھا۔

''کیوں......اب کیا دیکھنا باقی رہ گیا ہے؟ جو تماشہ تم نے میرا سب کے سامنے بنایا ہے اسے دنیا دیکھ رہی ہے' کافی نہیں ہے یہ تمہاری تسکین کے لیے''۔وہ بولی نہیں تھی غرائی تھی۔

''یہ سب تو مجھے تم سے کہنا چاہیے مگر اب میں مزید کچھ کہہ کر ان احسانوں کو ملیامیٹ نہیں کرنا چاہتا جو تم نے مجھ پر کیے ہیں''۔وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔

''یعنی ابھی اور بھی کچھ بچا ہے کہنے کے لیے تمہارے دل میں جو میرا سر جھکا جھکا کر بالکل زمین سے لگا دے''۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ بولی تھی۔

''میں نے کبھی تمہارا سر جھکا ہوا نہیں دیکھنا چاہا کیونکہ تم حق بجانب رہی ہو مگر یہ ضرور چاہوں گا کہ تم قائم و دائم رکھو اپنی اس نفرت کو''۔ وہ تلخی بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کتنے سارے بہانے مل گئے ہیں تمہیں''۔ شدید تاسف کے ساتھ اسے دیکھتی وہ بول اٹھی تھی۔

''یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کس نے کس سے چھٹکارا حاصل کیا ہے''۔ وہ طنزیہ لہجے میں بولتا مزید ایک قدم اس کے قریب ہوا تھا۔

''تم جانتی ہو میں تمہارا زخم دیکھے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا''۔ اسے فوراً پیچھے ہٹتے دیکھ کر وہ بولا تھا۔

''بقول تمہارے جو نفرت مجھے تم سے ہے وہ نفرت مجھے اجازت نہیں دیتی کہ میں تمہیں اپنی کوئی تکلیف بتاؤں ویسے بھی مجھے کوئی زخم کیوں تکلیف دے گا' میں کیا جانوں درد و اذیت کیا ہوتی ہے' یہ سب تو تم جیسے انسان محسوس کرتے ہیں اور میں انسان نہیں ہوں''۔ شدتِ ضبط سے سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ بلند آواز میں بولی تھی اور اگلے ہی پل اس کے سامنے سے ہٹتی تقریباً بھاگتی ہوئی کچن سے نکل گئی تھی۔

☆

ایک بار پھر کمپیوٹر اسکرین سے نظر ہٹاتی وہ اس جانب دیکھے ہی گئی جہاں اسٹڈی ٹیبل کے گرد موجود عاطف رات کا کھانا تناول کر رہا تھا۔ آج اسے گھر واپس آتے آتے کچھ دیر ہو گئی تھی' سارہ نے جا کر اسے اطلاع دی تھی کہ زینب کو آج جلدی گھر جانا ہے وہ پریکٹس کے لیے بھی نہیں رک سکے گی' جس کے بعد وہ سیدھا اسٹڈی میں ہی آ گیا تھا' اس لئے اس کی والدہ کھانا اسٹڈی میں ہی لے آئی تھیں' آج صرف ایک ہی پراجیکٹ اس نے کروایا تھا جس کے بعد اب وہ کھانے کی طرف متوجہ تھا۔

سارہ اور مومو اپنے اپنے کمپیوٹرز پر پریکٹس میں مگن تھیں جبکہ وہ سارہ کے ساتھ ہی بیٹھی اپنے بھائی کی کال کا انتظار کر رہی تھی۔

اس کی آنکھیں اس جانب سے ہٹنے کو تیار نہیں تھیں' پہلی بار وہ دیکھ رہی تھی کہ کوئی اتنی توجہ اور اتنے سکون کے ساتھ کھانا کھا رہا ہے' اسے یہ خوف بھی تھا کہ اگر عاطف اس کی محویت کو محسوس کر گیا تو کیا سوچے گا' وہ یقیناً اپنی پلیٹ لا کر اس کے سامنے رکھے گا اور اللہ کا واسطہ دے کر کہے گا کہ تم ہی یہ کھانا کھا لو مگر اس خوف کے باوجود وہ بے بس تھی۔

وہ دنگ نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی جب اس نے چھری کانٹوں کے ساتھ بہت سلیقے سے لیگ پیس کھایا تھا' مگر اس وقت وہ مزید دنگ ہوئی تھی جب اس نے عاطف کو بہت نفاست کے ساتھ ہی باقاعدہ سیدھے ہاتھ سے چاول کھاتے دیکھا تھا اور اب بھی دیکھ رہی تھی۔

''زینب! اٹھو جب تک ہم گیٹ پر پہنچیں گے تمہارا بھائی آ جائے گا''۔ سارہ کی ہدایت پر وہ بری طرح چونک کر غائب دماغی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

گیٹ کے قریب رکتے ہوئے اس نے سارہ کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں زینب کو کئی سوال ایسے دکھائی دے رہے تھے جن کا سامنا وہ خود بھی کرنے سے قاصر تھی۔

''تم بے شک مجھے کچھ نہ بتاؤ مگر میں سب جان چکی ہوں' اگر تم مجھے اپنے دل کی بات بتانے کے قابل نہیں سمجھتی ہو تو میرے لیے اور اپنے امیج کے لیے صرف اتنا احسان کرو کہ مت گم ہو جایا کرو اس شخص کی ذات میں۔ تمہاری مسلسل بڑھتی محویت کی وجہ اگر عاطف کو معلوم ہو گئی تو جانتی ہو کیا ہو گا؟'' وہ کچھ گھر کنے والے انداز میں بولی تھی۔

''تم سب جانتی ہو سارہ! پھر میں کیا بتاؤں' میں بہت کوشش کرتی ہوں مگر......'' شدید بے بسی کے ساتھ زینب کی آواز بھرا گئی تھی۔

''میرا دم گھٹنے لگتا ہے یہ سوچ کر بھی کہ میرا ان سے یہ سرسری تعلق چند دنوں بعد ختم ہو جائے گا' سر راہ زندگی میں کبھی ایسا بھی ہو گا کہ وہ مجھے پہچانے بغیر اجنبی کی طرح سامنے سے گزر جائیں گے اور میں......'' دنگ نظروں سے سارہ اسے دیکھ رہی تھی جس کی آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو پھسل رہے تھے یہ آنسو اس انسان کے لیے تھے جسے خبر بھی نہیں تھی کہ ایک احمق لڑکی کس طرح اس کے لیے تڑپ اپنے دل میں جگا چکی ہے۔

''میں جانتی ہوں میں ان کا' ان کے خاندان کا مقابلہ نہیں کر سکتی' میری کوئی اوقات نہیں ہے کہ میں ایسا سوچوں بھی' مگر اللہ کے لیے تو سب کچھ ممکن ہے' اس نے تو ہمیشہ مجھے جو دیا میری اوقات سے زیادہ ہی دیا ہے''۔ اس کی لرزتی آواز پر سارہ نے کچھ بھی کہے بغیر اس کے آنسو سمیٹے تھے۔

''اگر تم مجھ سے ناراض ہو تو مجھے معاف کر دو''۔ یکدم سارہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اس نے التجا کی تھی۔

''جو چیز تمہارے اختیار میں نہیں ہے اس کے لیے میں کیوں کر ناراض ہو سکتی ہوں' میں تو اس دن کے بارے میں سوچ رہی ہوں جب یہی سب کچھ تمہارے لیے عاطف کی زبان سے ادا ہو گا بلکہ میں تو دیکھ بھی رہی ہوں کہ تمہاری جگہ عاطف موجود ہیں اور ان ہی جذبات کا اظہار کر رہے ہیں جن کا اظہار تم نے ان کے لیے ابھی کیا ہے''۔ سارہ کے عجیب سے لہجے پر زینب نے دنگ نظروں سے اس کے لبوں پر کھلی مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔

☆

گہری نیند سے آنکھیں کھولتی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی۔

بہت قریب ہی کہیں سے ابھرتی فائرنگ کی تڑتڑ کرتی آوازیں اور باہر سے ابھرتی مختلف آوازیں اس کے وجود کو لرزا گئی تھیں' تب ہی ہوش میں آتی وہ مسلسل دھڑ دھڑاتے دروازے کی سمت بھاگی تھی۔

''یہ سب کیا ہو رہا تھا؟'' بدحواس ہو کر اس نے مومو کے فق چہرے کو دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں! اب سب ٹھیک ہے''۔

''کیا سب ٹھیک ہے''۔ وہ چیخ اٹھی تھی اور تیز قدموں کے ساتھ سدرہ کے کمرے کی طرف جانا چاہا تھا مگر مومو نے اسے روک لیا تھا۔

''وہ ابھی باہر گئی ہیں اور مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے''۔ مومو نے کہا تھا جب کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑے باہر کی سمت گئی تھی۔ باہر کا منظر دیکھ کر وہ مزید حواس باختہ ہوئی تھی۔ گھر کے سب ہی لوگ باہر موجود تھے' مین گیٹ کی طرف سارے مرد حضرات جمع ہو رہے تھے۔

''ان لوگوں نے صرف ہمارے گھر کو ہی نشانہ بنایا ہے یہ ان کے دھمکانے کا ایک اور گھٹیا طریقہ ہے''۔

''کون لوگ؟'' اس نے خوفزدہ نظروں سے مومو کو دیکھا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ عاطف بھائی اور چھوٹے بھائی جس ادارے سے منسلک ہیں وہ بے شک تشدد کا شکار ہونے والے افراد کو تحفظ دیتا ہے ان کے حقوق کے لیے لڑتا بھی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کام میں انہیں کئی مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے' آج کل ایک بچے کا کیس چل رہا ہے''۔ مومو کے انکشاف پر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''یہ کیس جن لوگوں کے خلاف ہے وہ کافی اثر و رسوخ رکھتے ہیں' بڑے بھائی کی فیکٹری میں اور عاطف بھائی کی

اکیڈمی میں مسلسل ان لوگوں کی دھمکیاں پہنچ رہی ہیں'' ۔موموکے مزید بتانے پر اسے یاد آیا تھا کہ کل سے پورے گھر میں کیوں ٹینشن سی اسے محسوس ہو رہی تھی۔

''وہ لوگ اس حد تک پہنچ گئے ہیں تو کیا فائدہ تمہارے تایا اور ان کے بیٹے کا اتنی اہم پوسٹ پر ہونے کا'' ۔سارہ کو یکدم ہی غصہ آیا تھا۔

''فائدہ ہے جب ہی تو میرے بھائی ان لوگوں کے سامنے ڈٹے کھڑے ہیں' وہ لوگ چھپ کر وار کرنے جیسے ہتھکنڈے بھلے ہی استعمال کرلیں مگر دیکھنا منہ کی ہی کھائیں گے'' ۔مومو نے کہا تھا۔

''اس بچے کا کیا حال ہے اور اس کے گھر والے؟'' سارہ نے تشویش سے پوچھا تھا۔

''زیادہ تو مجھے نہیں معلوم مگر بس اتنا پتا ہے کہ وہ بہت سیریس کنڈیشن میں ہے' سنا ہے پولیس تو FIR بھی نہیں کاٹ رہی تھی'' ۔

''یہ کتنا بڑا المیہ ہے' پیسہ اور رتبہ کس طرح قانون کے ہاتھ باندھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے'' ۔وہ شدید تاسف کے ساتھ بولی تھی۔

''ایک معصوم کی زندگی داؤ پر لگانے کے بعد بھی وہ مجرم اپنی طاقت سے احتجاج کو دبانا چاہتے ہیں' یہ بے حس انسان اپنی طاقت کے نشے میں اندھے ہو کر کیوں بھول جاتے ہیں کہ اوپر آسمانوں پر موجود سب سے بڑی طاقت نے اگر دراز کی ہوئی رسی کھینچی تو وہ سب کے سب کتنی بلندی سے جہنم کی آگ میں گریں گے'' ۔خوفزدہ لہجے میں وہ گیٹ کی جانب دیکھ رہی تھی جہاں سے ایک جیپ اور پولیس وین اندر داخل ہو رہی تھی۔

☆

سدرہ سے اسے معلوم ہوا تھا کہ کسی پورشن میں شمس کے تمام چچا' تایا اور دیگر حضرات جمع ہیں اور اس گمبھیر معاملے پر مستقل بحث ہوتی رہی ہے' کچھ اس اقدام کی طرفداری کر رہے ہیں تو زیادہ تر مخالفت جن میں سرفہرست شمس ہی تھے۔ابھی کچھ دیر پہلے اس نے شمس کو عاطف اور شیث کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں جاتے دیکھا تو فوراً ہی اپنے کمرے کی دہلیز پر رک کر ڈرائنگ روم سے ابھرتی آوازوں کو بغور سننا شروع کر دیا تھا۔

''یہ قدم کتنا خطرناک ثابت ہوا ہے تم لوگوں کو اس کا اندازہ کیوں نہیں ہوتا' کل رات جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد بھی یہ کہہ رہے ہو کہ وہ صرف دھمکی ہے'' ۔شمس کا لہجہ غصیلا تھا۔

''آپ یقین کریں وہ صرف دھمکیاں ہی دے سکتے ہیں' کل رات وہ صرف ہمیں خوفزدہ کرنے کی ناکام کوشش اور پیچھے ہٹنے کا اشارہ دے رہے تھے'' ۔عاطف کی آواز ابھری تھی۔

''عاطف! پورے گھر کی سیکورٹی کا معاملہ ہے' جو لوگ گیٹ تک پہنچ سکتے ہیں وہ گھر کے اندر بھی آ کر نقصان پہنچا سکتے ہیں' اس کے بعد ہم بیٹھ کر لکیر پیٹتے رہیں گے'' ۔شمس بگڑ کر بولے تھے۔

''آپ جانتے ہیں کہ اس گھر کے ہر فرد کی سیکورٹی کی ذمہ داری مہران لے چکا ہے' وہ سب کو کنوینس کرتو رہا تھا آپ کے سامنے'' ۔عاطف نے یاد دلایا تھا۔

''آپ سب بھی سمجھنے کی کوشش کریں' وہ لوگ تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ ہم خوف سے دبک کر بیٹھ جائیں اور ان بھیڑیوں کو آزاد گھومنے دیں'' ۔یہ آواز شیث کی تھی۔

''یہاں کسی کو کچھ نہیں سمجھنا' تم لوگ کل ہی جا کر وہ کیس واپس لو' اپنے ساتھ ساتھ پورے گھر کو خطرے میں مت ڈالو'' ۔شمس اسی غصیلے لہجے میں بولے تھے۔

''جو کچھ اس بچے کے ساتھ ہوا ہے اگر خدانخواستہ اس گھر کے کسی بچے کے ساتھ ہوتا تو کیا تب بھی آپ ہمیں ہتھیار گر خاموش رہنے کی تلقین کرتے؟'' شیث کی ابھرتی سوالیہ آواز کے بعد چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

''وہ بچہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچا ہے' اس کے ماں باپ جس کرب سے گزر رہے ہیں کیا آپ اس کرب اس اذیت کو محسوس نہیں کر سکتے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ ان انسانیت کے دشمنوں کو کھلا چھوڑ دینے کی بات کر ے ہیں' کم از کم آپ کو تو اس ظلم پر ہماری آوازوں کو نہیں دبانا چاہیے'' ۔شیث کے لہجے میں حیرت و بے یقینی تھی۔

''ان لوگوں کو سزا دلوا کر کتنے دن تک تم انہیں قید رکھ سکتے ہو' نہ تو وہ غربت زدہ ہیں اور نہ ہی اپنے گناہ پر شرمندہ مبر کے ساتھ سزا بھگت لیں گے' جیل کی چار دیواری سے نکلنا ان عیاش امیر زادوں کے لیے مشکل نہیں ہے'' ۔ مس بلند آواز میں کچھ سمجھا بھی رہے تھے۔

''مگر اس بار ان کے بچ نکلنے کا ہر راستہ میں ناممکن بنا کر رہوں گا اور آپ جانتے ہیں کہ میں ایسا ہی کروں گا'' ۔ ل ہوئے بغیر وہ اپنا فیصلہ سنا گیا تھا۔

''میں پھر کہوں گا کہ ان لوگوں سے ٹکرا کر تم سب کی جان خطرے میں ڈال رہے ہو شیث! وہ لوگ اب بھی صلح نا چاہتے ہیں' مل بیٹھ کر مذاکرات کرنے کی آفر دے رہے ہیں' نقصان کا ازالہ کرنے کے لیے تیار ہیں تو کیوں تم معاملے کو بڑھائے جا رہے ہو؟ انہیں سلاخوں کے پیچھے دھکیلنے سے کیا اچھا ہو جائے گا؟'' شمس بری طرح زچ ہو کر لے تھے۔

''جن لوگوں نے مجھے violence کا نشانہ بنایا تھا اگر وہ آپ کے ہاتھ لگ جاتے تو کیا اس وقت ان کے ے میں بھی آپ کی یہی رائے ہوتی؟'' شیث کی جھلستی ہوئی تلخ آواز پر باہر موجود سارہ کی سانس رکی تھی۔

''آپ ان لوگوں کے ساتھ بھی بیٹھ کر مذاکرات کرتے؟ انہیں سینہ تان کر چلنے کے لیے زندہ چھوڑ دیتے؟'' وہ ے سوال کر رہا تھا جو سناٹے میں گھرے بیٹھے تھے۔

''اگر آپ سب نے اس بچے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا' اس کے تڑپتے ماں باپ کی آہ و بکا سنی ہوتی تو مجھ ے پہلے آپ سب کے ہاتھ ان وحشی جانوروں کے گریبان تک پہنچ گئے ہوتے' آپ نے نہیں دیکھا اس معصوم کو دگی اور موت سے لڑتے ہوئے' اس کے وارثوں کو انصاف کے لیے دردر کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے' وہ قاتل جو ایک ہی نسل کو صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دینا چاہتے تھے' وہ انسانیت سے گرے ہوئے لوگ جنہیں سرعام پھانسی پر لٹکا دینا ہیے آپ ان سے مذاکرات کی بات کر رہے ہیں' کم از کم آپ کو تو یہ سب نہیں کہنا چاہیے'' ۔اس کے تاسف زدہ پر شمس کچھ بول نہیں سکے تھے۔سرعت سے دروازے کی آڑ میں ہو کر سارہ نے اسے دیکھا تھا جو یقیناً گھر سے کی طرف جا رہا تھا۔

''میں اس کے خلاف نہیں ہوں عاطف! میں جانتا ہوں کہ وہ اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر میں اس تک پہنچنے والے کسی صان کو برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتا' مجھے تمہاری اور اس گھر کے ہر فرد کی بھی فکر ہے'' ۔شمس کمزور لہجے میں طف سے مخاطب تھے۔

''آپ مزید فکرمند نہ ہوں' میں چاہتا ہوں کہ آپ ہم پر بھروسہ رکھیں' ہمیں واقعی آپ سب کی سپورٹ کی ورت ہے' اس کیس کا فیصلہ بس چند دنوں میں ہی ہو جائے گا' پھر سب کچھ انشاءاللہ نارمل ہو جائے گا'' ۔عاطف انہیں کنوینس کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔

☆

''آپ کے لیے کھانا لے آؤں؟ تھوڑا سا ہی کھالیں، ٹیبلٹس بھی تو لینی ہیں آپ کو''۔ سارہ نے کچھ جھجکتے ہوئے سدرہ کو مخاطب کیا تھا جو نڈھال چہرے کے ساتھ آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھیں۔

''اس طرح تو آپ کی طبیعت اور خراب ہو جائے گی''۔ پریشان نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے وہ ابھی دستک پر چونکی تھی اور پھر فوراً ہی بس خاموشی سے سدرہ کا ہاتھ دھیرے سے ہلا کر متوجہ کرتی دروازے کی سمت بڑھ گئی تھی۔ ایک طرف ہٹ کر شیث نے اسے باہر جانے کا راستہ دیا تھا اور پھر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سدرہ کے زرد چہرے کو دیکھا تھا جو اَب اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں اور شاید اس کے سامنے سے ہٹ جاتیں اگر وہ فوراً ہی جا کر انہیں روک نہ لیتا۔ سدرہ نے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش تو نہیں کی تھی مگر بس ایک نظر اسے ضرور دیکھا تھا۔ ان کے قدموں کے پاس موجود تھا۔ وہ دوبارہ ان سے نظر ملانے کی ہمت نہیں کر سکا تھا کہ ان کی ایک ہی نگاہ ا بھاری بوجھ تلے دبا گئی تھی۔

''آپ بھی مجھ سے دور ہو جائیں گی تو کیا رہ جائے گا میرے پاس''۔ نظر جھکائے وہ دزدیدہ لہجے میں بولا تھا۔

''تمہیں اب کسی کی ضرورت نہیں رہی ہے، تم بہت زیادہ خود مختار ہو چکے ہو، اپنے فیصلے خود کر سکتے ہو''۔ اس جانب دیکھے بغیر وہ مدھم سپاٹ لہجے میں بولی تھیں۔

''ایسا مت کہیں، مجھے آخری سانس تک آپ کی ضرورت ہے، آپ سب کے بغیر میں کچھ بھی نہیں ہوں''۔ وہ ا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑے بھاری آواز میں بولا تھا۔

''میں نے آپ کو دکھ دیا، آپ مجھے معاف بھی نہ کریں مگر اپنی ناراضی کا اظہار تو کریں، مجھ پر غصہ کریں، ا طرح مجھ سے بے نیاز ہو کر آپ مجھے خاموشی کے کوڑے مت لگائیں''۔

''اب احساس ہو رہا ہے ناں؟ تمہاری خاموشی بھی ہم سب کے لیے کسی کوڑے سے کم اذیت ناک نہیں ہے'' سدرہ کے نم لہجے پر وہ چند لمحوں تک خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا تھا اور پھر اسی خاموشی کے ساتھ ان کے گھٹنوں پر سر دیا تھا، ایک گہری سانس لے کر سدرہ نے دہلیز پر کے شخص کو دیکھا تھا جو وہیں سے پلٹ کر اب جا رہے تھے۔

⟡·········☆·········⟡

اپنے کمرے کی کھڑکی سے اس نے باہر کا جائزہ لیا تھا اتنی خاموشی اور سناٹا پہلے کبھی اس گھر میں اسے کبھی نہ محسو ہوا نہ دکھائی دیا تھا۔ حالات کے پیش نظر سب ہی محتاط تھے۔ اسکول، کالج، یونیورسٹیز جانے والوں کو کچھ دن تک میں ہی محدود رہنا تھا۔ مین گیٹ پر سیکورٹی بہت سخت تھی۔ عجیب سی وحشت اور خوف میں وہ خود بھی مبتلا تھی، رہ رہ اسے شیث کا خیال آئے جا رہا تھا، اس معاملے کو لے کر وہ بہت پرجوش بھی تھا اور مشتعل بھی، اسے اگر کوئی نقصان ، تو کیا ہوگا؟ وسوسے اور اندیشے بڑھتے ہی جا رہے تھے کہ یہ کھلا سچ ہے کہ اس شہر میں زندگی کتنی سستی ہے، گلی کوچوں سڑکوں پر کس طرح انسانیت سسکتی ہے، بین کرتی ہے۔ آنکھوں کے بھیگتے گوشے خشک کرتے ہوئے اس کا دل بند جا رہا تھا، کئی بار اس کا دل چاہا کہ شیث سے بات کرے، اسے اپنے خدشوں اور خوف سے آگاہ کرے مگر ہر بار سوچ قدم روک گئی کہ اس کی بے رُخی اور سرد مہری برداشت کرنے کی ہمت اب مزید وہ نہیں کر سکتی۔ یہ بھی سچ تھا، اسے شیث کے علاوہ بھی اس گھر کے ہر فرد کی فکر تھی، یہ سب سفید پوش لوگ تھے، یہاں سب کی فکریں پریشانیاں، کسی عام انسان جیسی تھیں، سادہ لوگ تھے، سارا دن تعلیم اور روزی کے حصول کی جدوجہد کے بعد سکون کے ساتھ ا خاندان کے درمیان رہنا چاہتے تھے۔ کسی ایک کی خوشی، غم، پریشانی صرف ایک کی نہیں سب کی تھی۔ اگر یہ سب لو پریشان اور خوفزدہ تھے تو صرف اپنی فیملیز کے لیے نہیں، ان سب کو شیث اور عاطف کی زیادہ فکر تھی، وہ دونوں یہاں،

بارہ ہی سب کی محبت اور توجہ کا مرکز رہے تھے۔

بھٹکتے بھٹکتے اس کا دماغ زینب کی طرف چلا گیا تھا، اس کی فکر مزید طبیعت بوجھل کر گئی تھی۔ سیل فون کی آواز پر وہ ئی تھی، کچھ ہول کر اس نے عاطف کی کال ریسیو کی تھی۔

''آپ ٹھیک ہیں؟ اور اب تک کیا اکیڈمی میں ہیں؟'' عاطف کے کچھ بولنے کا بھی اس نے انتظار نہیں کیا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے میں ٹھیک ہوں اور ابھی کچھ دیر میں گھر ہی پہنچنے والا ہوں، مگر تم اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟'' عاطف نے پوچھا تھا۔

''پہلی بار آپ نے مجھے کال کی ہے تو اس لیے میں کچھ گھبرا گئی تھی''۔ وہ بولی تھی۔

''اللہ کو مانو، بار بار تمہیں کال کروں گا تو شیث نے زندہ چھوڑنا ہے مجھے، اس وقت بھی میں اُس کی اجازت سے تمہیں مجبوراً کال کر رہا ہوں''۔ عاطف کے مسکراتے لہجے پر وہ دنگ ہوئی تھی۔

''وہ آپ کے ساتھ ہے؟ آپ دونوں کو ساتھ باہر آنے جانے سے سختی سے منع کیا گیا تھا''۔

''ہاں معلوم ہے مگر اب تم ظالم سماج بن کر مخبری نہ کر دینا، اور میں نے تمہیں یہ کہنے کے لیے کال کی تھی کہ زینب کو طلاع دے دو کہ کچھ دن تک گھر نہ آئے''۔

''جی میں نے اسے فی الحال منع کر دیا ہے یہاں آنے سے''۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اتنا سادہ اور مختصر جواب نہ تی عاطف کی اس بطورِ خاص زینب کے لیے دی جانے والی ہدایت کو پکڑ کے رکھتی۔

⟡·········☆·········⟡

باؤنڈری پر دراز ہوتے ہوئے شاہ رخ نے ایک بار پھر موموکے پورشن کی جانب دیکھا تھا۔

''خود تو باہر نکل نہیں رہی اپنے سارے پالتو جانور بھی گھر کے اندر لے گئی ہے''۔ اس نے دھیرے سے ہنستے ہوئے شان کو بتایا تھا جو پریشان چہرے کے ساتھ بار بار اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال رہا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' ہاتھوں کا تکیہ بناتے ہوئے شاہ رخ نے سوال کیا تھا۔

''یار! الہو پی لیا چھوٹے بھائی نے دو گھنٹوں میں، بڑے بھائی کوئی دس بار ان کا پوچھ چکے ہیں مجھ سے''۔ شان بولا تھا۔

''پھر...... تم نے کون سے راگ الاپے ان کے سامنے؟'' شاہ رخ نے پوچھا تھا۔

''تو کیا کرتا، راگ ہی رہ گئے تھے، سچ بتا کر پھنسنا تھا، بڑے بھائی نے مجھے سختی سے ان پر نظر رکھنے کے لیے کہا تھا''۔

''بیٹا! بہت مار کھاؤ گے اگر چھوٹے کو بھنک بھی لگ گئی''۔

''کوئی آپشن نہیں تھا میرے پاس، عزت تو ہونی ہی تھی، اب چاہے بڑے کے ہاتھوں ہو یا چھوٹے کے''۔ شان ے گھورتے ہوئے بولا تھا اور پھر تیز قدموں کے ساتھ قریب آتی موموکو دیکھا تھا جس نے آتے ہی شاہ رخ کے ل مٹھی میں جکڑ کر اسے اٹھا کر بٹھایا تھا اور دوبارہ خونخوار نظروں سے شان کو دیکھا تھا۔

''مکار...... جا کر بتاتے کیوں نہیں بڑے بھائی کو کہ سورج مکھی کہاں ہے''۔

''تم بتا دو جا کر، پھر نمٹ لینا اپنے اور میرے بھائی سے''۔ شان بھی جل کر بولا تھا۔

''زیادہ ٹرٹر نہ کرو، تم دونوں کان کھول کر سن لو اگر تمہارے بھائی کی وجہ سے میرے معصوم بھائی کو خراش بھی آئی تو......''

''یہ سچ کہا تم نے معصومیت تو ختم ہے عاطف بھائی پر''۔ شاہ رخ نے بہت سنجیدگی سے درمیان میں کہا تھا۔

''کس نے ہاتھ پیر جوڑے تھے یہ گواہی دینے کے لیے؟'' موموں نے دانت پیستے ہوئے دوبارہ اس کے سر پر گیا تھا۔

’’دور ہٹو‘‘۔شاہ رخ نے جھلا کر اسے پرے دھکیلا تھا۔

’’اتنی مشقت اٹھا کر میں نے یہ ہیئر اسٹائل رکھا ہے‘‘۔ہاتھوں سے بال سنوارتے ہوئے وہ بولا تھا۔

’’قطعی جو ہے فدا قربان وغیرہ ہوئے بیٹھے ہو سر پر اگے بے شمار پروں پر‘‘۔مومو نے اسے گھورا تھا۔

’’یہ اگر پر ہیں تو تمہاری فرمائش پر ہی میرے سر پر نظر آ رہے ہیں‘‘۔شاہ رخ نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا تھا۔

’’تم کہاں جا رہے ہو رکو یہاں‘‘۔مومو نے جھپٹ کر شان کو روکا تھا۔

’’تم دونوں کی چونچیں اور تو تکار سننے کے لیے وقت نہیں ہے میرے پاس‘‘۔شان نے بگڑ کر کہا تھا۔

’’تم بڑے بھائی کے سامنے جا کر سچ اگلتے ہو یا نہیں‘‘۔وہ دھمکانے والے انداز میں بولی تھی۔

’’اس کا منہ بند کروالو آ سن جمائے بیٹھے ہو پہلے ہی چھوٹے بھائی نے میرا خون ابال رکھا ہے‘‘۔شان نے بگڑ کر شاہ رخ کو مخاطب کیا تھا۔

’’ویسے یہ چھوٹے بھائی کا اتنا تذکرہ کیوں ہو رہا ہے؟ سمجھ نہیں آ رہا‘‘۔شاہ رخ نے یکدم ہی جو سوال اٹھایا تھا وہ قابل تحسین تھا۔

’’الف لیلیٰ کے سارے ایڈیشن نشر ہو گئے اور اب چن کر اس نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ لیلیٰ کون تھی؟‘‘ مومو نے کھا جانے والے انداز میں کہا تھا۔

’’ارے...... یہ تو ہمیں بچپن سے پتہ ہے وہ مجنوں کی سہیلی تھی‘‘۔وہ فخر سے بتا رہا تھا۔

’’کون کہتا ہے تم پر کبھی بچپن بھی آیا تھا‘ میرے سامنے لے آؤ اس کو‘‘۔مومو کے خونخوار انداز پر شاہ رخ نے ابرا سکیڑ کر شان کو دیکھا تھا جو اس پر ہنس رہا تھا‘ اگلے ہی پل وہ بچوں کی طرح منہ بسور کر ان دونوں کو گھورتا آگے بڑھ گیا تھا۔

’’لو...... آ گئے میر سپاٹوں کے بعد‘‘۔کھلتے گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے شان بولا تھا۔

’’یہ میری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں‘ وہ دونوں ایک ساتھ باہر تھے‘‘۔شاہ رخ ہڑبڑا کر واپس آیا تھا۔

’’پھوڑ لو یہ آنکھیں...... تمہارا بھائی پہنچا ہوا تھا میرے بھائی کے پاس‘‘۔مومو غرائی تھی۔

’’قسم سے ایسے دیدہ دلیروں میں پھنس گیا ہوں‘ مروائیں گے یہ مجھے بھری جوانی میں‘ بددعائیں لیں گے میرے چھوٹے چھوٹے بچوں کی‘‘۔شاہ رخ نہ نظر آنے والے آنسو صاف کرتا دہائی دے رہا تھا جبکہ مومو کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

’’سارہ کی پھپھو کی فیملی آ چکی ہے حضرات اور عاشر بھائی سب سے آگے ہیں‘‘۔شان کی اطلاع پر وہ دونوں بھی متوجہ ہوئے تھے۔

’’سارہ کو چھپاؤ‘‘۔شاہ رخ بوکھلایا تھا۔

’’وہ محترمہ باہر تشریف لا چکی ہیں‘‘۔شان نے مسکراتے ہوئے سارہ کو دیکھا تھا جو تیز قدموں کے ساتھ ان سب کے سامنے سے گزرتی عاشر کے قریب پہنچنے والی تھی‘ آج کل وہ جس پریشان ماحول میں اور ذہنی دباؤ میں مبتلا گھوم رہی تھی اب ان سب کے چہرے دیکھ کر دل مزید بھر آیا تھا۔عاشر کے سینے سے لگی وہ سسک اٹھی تھی۔

یہ منظر شیث کی نظروں سے بھی چھپا نہیں رہ سکتا تھا‘ لب بھینچے وہ عاشر کو ہی دیکھ رہا تھا جو اب سارہ کے آنسو سمیٹتا اس کے شانوں کے گرد باز و رکھے آگے بڑھ گیا تھا۔

’’چھوٹے بھائی آنکھوں ہی آنکھوں میں نگل جائیں گے دونوں کو‘‘۔دور سے ہی شیث کے تاثرات نوٹ کرتے ہوئے شاہ دبی دبی ہنسی کے ساتھ بولا تھا۔

’’یہ تو اور بھی بڑا مسئلہ ہو گیا‘‘۔مومو نے کچھ تاسف سے کہا تھا۔

’’اتنا ہی رونا آ رہا تھا تو میرے گلے لگ جاتی‘ چھوٹے بھائی کم از کم بعد میں مجھے مار کوٹ کے غصہ تو نکال سکتے تھے‘‘۔شاہ رخ بگڑے انداز میں بولا تھا۔

’’میں تجھے زندہ چھوڑتی تو اُن کے مارنے کی نوبت آتی‘‘۔مومو نے غرا کر اس کے مسکراتے چہرے کو گھورا تھا۔

☆

اس وقت وہ عاطف کے ساتھ کیس کے عنقریب ہونے والے فیصلے سے متعلق بات کر رہا تھا جب بری طرح چونک کر اس نے سارہ کو دیکھا تھا جو بہت بدحواسی میں قریب آئی تھی۔

’’عاطف! مجھے ابھی اور اسی وقت زینب کی طرف جانا ہے‘ کیا آپ مجھے اس کے گھر لے جا سکتے ہیں؟‘‘ اس کے عجلت بھرے انداز پر شیث نے بغور اس کے ستے ہوئے چہرے پر پھیلی وحشت کو دیکھا تھا۔

’’اسی وقت؟‘‘ عاطف کے حیران سوالیہ انداز پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا‘ جبکہ عاطف نے ایک نظر سامنے موجود شیث کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اس کے حامی بھر لینے کا اشارہ ملتے ہی وہ اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا حالانکہ ان دونوں کا ساتھ نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا مگر اس وقت صورتحال کچھ ایسی تھی کہ اس چیز کو نظر انداز کرنا پڑا تھا۔

ایک بار پھر شیث نے بیک ویو مرر میں نظر آتے اس چہرے کو دیکھا تھا جو بے انتہا بے چین اور فکر مند نظر آ رہی تھی۔عاطف نے دو تین بار ’’سب خیریت ہے؟‘‘ جیسے سوال کیے تھے مگر وہ اس وقت ہاں اور نہیں سے زیادہ کوئی جواب دینے کی کنڈیشن میں نظر نہیں آ رہی تھی۔

☆

’’گھر میں سب نے میرا جینا مشکل کر دیا ہے ایک ایک پل اذیت بن رہا ہے‘ کچھ کھا کر مرنے کی بات نہ کروں تو اور کیا کروں؟‘‘ زینب بری طرح روتے ہوئے بول رہی تھی۔

’’تمہاری ہدایت پر میں نے اس کی کالز بھی ریسیو کرنی بند کر دی تھیں‘ وہ سارے میسجز بھی موجود ہیں جس میں اس نے مجھے بدترین انجام کی دھمکیاں دی ہیں مگر میں نے پھر بھی چپ سادھے رکھی اور اسی چیز نے اسے مزید مشتعل کر دیا ہے‘ کل اس کے گھر والے آئے تھے وہ جلد از جلد شادی کی تاریخ طے کرنا چاہتے ہیں‘ کسی کو اعتراض نہیں ہے مگر پہلی بار میں نے انکار کرنے کی ذرا سی ہمت کیا کر لی‘ سب مجھ سے متنفر ہو گئے‘ طعنے‘ پھٹکاریں کیا کچھ نہیں سنتی رہی ہوں میں‘‘۔وہ زار و قطار روتے ہوئے بولی تھی۔

’’ایسا صرف اس لیے ہے کہ تم نے اس شخص کی گھناؤنی حرکتوں کو اب تک چھپائے رکھا ہے‘ تمہارے گھر والے تمہارے دشمن نہیں ہیں زینب! اتنی ہمت کر لی تھی تو تھوڑی سی اور کر لو‘‘۔تاسف کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے سارہ نے کہا تھا۔

’’نہیں ہے مجھ میں مزید ہمت‘ مجھ میں اب صرف موت کو گلے لگانے کی ہمت ہے‘‘۔

’’خبردار جو تم نے دوبارہ یہ غلط بات کی‘‘۔سارہ نے اسے جھڑکا تھا۔

’’تو پھر بتاؤ میں کیا کروں؟ اس شخص کا نام سن کر ہی میرا دل کانپنے لگتا ہے‘ یہی خوف طاری رہتا ہے کہ وہ مجھے نقصان پہنچائے گا‘ میں کیسے خود کو محفوظ تصور کر سکتی ہوں اس کی زندگی اس کے گھر میں جا کر‘‘۔زینب کی بے طرح کانپتی سسکتی آواز پر سارہ نے بے اختیار اسے گلے سے لگایا تھا۔

’’میں تمہاری زندگی کو جہنم نہیں بننے دوں گی‘ تم اس شخص کی زندگی میں ہی جاؤ گی جس کا نام ہی تمہارے لیے تحفظ

کی ضمانت ہوگا''۔ سارہ نے اٹل لہجے میں اسے یقین دلایا تھا۔

☆

دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا وہ اس پختہ سڑک کے وسط میں رک گیا تھا۔ سڑک کا یہ مخصوص حصہ اسٹریٹ لائٹ کی زرد روشنی میں نمایاں تھا' یہ جگہ کتنی مانوس تھی' اردگرد بہت کچھ بدل چکا تھا' مگر یہ سڑک آج بھی ویسی ہی تھی اور شاید اس کی خوشبو کو بھی پہچان گئی تھی' آج کتنے ہی دن گزر جانے کے بعد اس کے قدموں نے اس سڑک کو چھوا تھا' یہ وہ سڑک تھی جہاں سے اسے ایک نئی زندگی ملی تھی۔ وہ اس وقت بھی سڑک کی سپاٹ سطح سے ابھرتی کرب ناک آہیں کراہیں سن سکتا تھا' ان میں چھپی اذیت کو محسوس کر سکتا تھا' مگر پھر بھی اس سڑک سے جو اپنائیت جو اُنس اس کے دل میں تھا وہ اپنی جگہ ہمیشہ قائم رہنے والا تھا۔

گاڑی کے پاس موجود عاطف حیرت سے اس کی پشت کو دیکھ رہا تھا جو اردگرد سے غافل سڑک کے درمیان کھڑا تھا۔ عاطف نے اسے پکارا بھی مگر وہ متوجہ ہی نہیں ہوا تھا۔

''اسے آواز مت دیں' وہ خود آ جائے گا''۔ عقب سے ابھرتی سارہ کی آواز نے عاطف کو چونکایا تھا۔

''ماضی کی بھول بھلیوں سے گزرنا چند منٹ کی بات نہیں ہے' اسے اپنے ماضی کے ساتھ وہیں کچھ وقت گزارنے دیں''۔ شیث کو دیکھتے ہوئے وہ گہری سنجیدگی سے بولی تھی۔

''اب بھی نہیں بتاؤ گی زینب کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟'' عاطف نے پوچھا تھا۔

''آپ کو ہی تو بتانا ہے''۔ وہ براہ راست اسے دیکھتی سنجیدگی سے بولی تھی' جبکہ عاطف نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''اگر کسی شخص کے اردگرد کوئی ایسا انسان ہے جو اس کی بہت پرواہ کرتا ہے' اس کے لیے سب کچھ بھول سکتا ہے' اس سے محبت بھی کر سکتا ہے مگر وہ شخص اس حقیقت سے بے خبر رہتا ہے تو اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہو گی؟'' سارہ کی اس بات سے زیادہ اس کی سنجیدگی نے عاطف کو مزید حیران کیا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ شخص اپنی بے خبری میں بہت کچھ گنوا کر زندگی کی سب سے سنگین غلطی کرے گا''۔ عاطف نے سادگی سے کہا تھا۔

''یہ آپ کا خیال ہے مگر میرا یہ مشورہ ہے آپ کے لیے...... بے خبر نہ رہیں' اپنی زندگی میں اس سنگین غلطی کو جگہ مت دیں''۔ اس کے مدھم گہرے لہجے پر عاطف نے الجھی نظروں سے اسے دیکھا تھا جو شیث کو قریب آتے دیکھ کر گاڑی کی بیک سیٹ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

واپس گھر کی جانب سفر کرتے ہوئے وہ تینوں ہی خاموش تھے اور اپنی اپنی سوچوں میں گم۔ سگنل پر گاڑی رکی تھی جب اتفاقاً ہی شیث کی نظر کچھ فاصلے پر رکی گاڑی کی طرف گئی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان رضی بھی اس پر نظر جمائے بیٹھا تھا۔ اس کی خباثت بھری مسکراہٹ نے شیث کو انتہائی کوفت میں مبتلا کیا تھا۔

''عاطف! آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟ وہ اسی طرف دیکھ رہا ہے''۔ سارہ کی آواز پر شیث کے ساتھ عاطف بھی چونکا تھا مگر عاطف کی طرح اس نے دوبارہ رضی کی شکل دیکھنا گوارہ نہیں کیا تھا۔

دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ عاطف نے اشارے سے رضی سے خیریت بھی دریافت کی تھی' جس کا جواب رضی کی طرف سے گرمجوشی کے ساتھ آیا تھا۔

''تم نے رضی کو نہیں دیکھا؟'' گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے عاطف اس کی لاتعلقی پر بولے بغیر نہیں رہ سکا تھا

جواباً وہ خاموش تھا مگر دو تین بھاری بھرکم الفاظ اس کے لبوں تک بمشکل ہی محدود رہ سکے تھے۔

ایک بار پھر گاڑی رات کی خاموشی اور سناٹے میں سڑک پر پھسلتی جا رہی تھی۔ بند آنکھوں کے ساتھ وہ زینب کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی جب اچانک ہی ایک دھماکے دار جھٹکے سے گاڑی کا رخ بدلا تھا' بگڑے توازن کے ساتھ وہ سیٹ پر ہی گری تھی' پھٹی آنکھوں سے اس نے اُس سفید کار کو دیکھا تھا اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا جب اس نے شیث کو ریوالور لوڈ کرتے دیکھا تھا۔ ایک بار پھر سفید کار نے ان کی گاڑی کو ہٹ کیا تھا کہ اس کا سر گاڑی کے فرش سے جا ٹکرایا تھا' ایک کے بعد ایک گونجتی فائر کی دل دہلا دینے والی آوازوں پر وہ حلق کے بل چیختی اٹھنا چاہ رہی تھی جب ایک بھاری ہاتھ نے اسے واپس سیٹ کے نیچے دھکیل دیا تھا۔ ونڈو کے ٹوٹتے شیشوں کی بوچھاڑ اس کے خوف سے لرزتے وجود پر ہوتی چلی گئی تھی' سوائے گولیوں کی تڑتڑ کے اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا اپنی ہولناک چیخیں بھی نہیں۔ سیٹ کے نیچے بری طرح پھنسی وہ بس شیث کا نام پکارتی رہی تھی۔ یہ سب کچھ بس چند سیکنڈ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد بے قابو ہوتی گاڑی صرف چند لمحوں کے لئے اردگرد پھیلتے موت کے سناٹے میں رکی تھی اور پھر فوراً ہی دوبارہ اسٹارٹ ہو گئی تھی۔

''سارہ ٹھیک ہے؟'' عاطف نے حواس باختہ انداز میں اس سے پوچھا تھا جس نے سارہ کو شانوں سے تھام کر سیٹ پر لاتے ہوئے اس شدت سے بازوؤں میں بھینچ لیا تھا کہ اگر وہ حواسوں میں ہوتی تو اس کی گرفت پر چیخ اٹھتی۔

اس کے نیم جاں وجود کو سینے میں چھپائے شیث کو جو سکون محسوس ہوا تھا جو ٹھنڈک دل میں اتری تھی وہ اس زمین پر اسے کہیں اور نہیں مل سکتی تھی' یہ کیفیات آسمانی تھیں۔ وہ ٹھیک ٹھاک سلامتی کے ساتھ اس کے قریب تھی' ساری کائنات اس کی بانہوں میں تھی ورنہ کچھ دیر پہلے سارہ کے برف کی طرح ساکت وجود نے اس کی روح ہی کھینچ لی تھی۔

''مجھے بتاؤ وہ ٹھیک ہے؟'' ڈرائیونگ کرتے عاطف نے اضطرابی انداز میں جیسے سوال نہیں دہرایا تھا اس پر دھاڑا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے یہ ٹھیک ہے''۔ اس کے خوشنما سر پر چہرہ ٹکائے وہ گہرے گہرے سانس بھرتا عاطف کو اطلاع دے رہا تھا۔ دوسری جانب سارہ خوف کی شدت سے لرزتی اس کے سینے میں چہرہ چھپائے گھٹی گھٹی سسکیاں لے رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا' سب ٹھیک ہے''۔ اس کے بالوں میں اور لباس پر موجود کانچ کے ٹکڑے ہٹاتا وہ نرم آواز میں تسلی دے رہا تھا۔

☆

بیک سیٹ پر ہی دبکی وہ دعاؤں اور آیتوں کا ورد کرتی جا رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر ہی کھڑی جیپ کے پاس عاطف اور شیث اپنے کزن مہران کے پاس ہی موجود تھے جو اِن دونوں پر دھاڑ رہا تھا' اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک غصے میں تھا بقول اس کے کل کیس کی سماعت تھی' فیصلہ ان کے ہی حق میں ہونا تھا یہ حقیقت دشمنوں کو بھی معلوم تھی ایسی صورتحال میں وہ لوگ کچھ بھی کر سکتے تھے' اس کے باوجود ان دنوں نے آنچل مجھے مار والا کام کیا تھا۔

سارہ کی موجودگی نے مہران کو اور بھڑکا دیا تھا کہ پورے گھر کی سیکورٹی کی ذمہ داری اس نے سب کے سامنے لی تھی' اگر گولی کسی کو چھو کر بھی گزر جاتی تو پورا گھر اس پر الٹ آتا۔

فق چہرے اور سہمی نظروں سے وہ اسے دیکھنے لگی تھی جو گاڑی کے اندر اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

''ہم گھر کب تک چلیں گے؟'' اس کی کمزور آواز پر شیث نے اسے دیکھا تھا جو گاڑی کے اندر موجود مدھم روشنی

میں بالکل ہرن کا گمشدہ بچہ دکھائی دے رہی تھی۔

''تم نے یہ پیکٹ ختم نہیں کیے؟'' اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے شیث نے جوس کے پیکٹس پر نظر ڈالی تھی۔

''ایک کافی تھا' میں اب ٹھیک ہوں' ہمیں یہاں نہیں رکنا چاہیے وہ لوگ پھر آسکتے ہیں''۔ وہ خوفزدہ انداز میں بولی تھی۔ دوسری جانب وہ جو کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا رک کر رسٹ واچ میں وقت دیکھنے لگا تھا۔

''میں گھر جا کر کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی''۔ سارہ کے یکدم ہی کہنے پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو اور یہ بھی کہ جو ہوا اس کے بارے میں جان کر گھر میں کتنا وبال اٹھے گا۔ مجھے معاف کر دو' یہ سب ہوا بھی تو میری وجہ سے ہے' اپنی پریشانی میں' میں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ عاطف اور تم خطرے میں آ سکتے ہو اور نہ ہی یہ سوچا کہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں......'' آنسوؤں کا ایک گولہ حلق میں اٹکا تھا جو وہ چپ ہو گئی تھی۔

''جو ہوا اسے بھول جاؤ''۔ شیث نے اس کے جھکے سر کو دیکھا تھا کچھ پرسکون بھی ہوا تھا سارہ کی بات سن کر ورنہ وہ واقعی بہت پریشان تھا۔ اس اٹیک کی خبر ہوتے ہی شمس کا ردعمل بہت شدید ہونا تھا' شیث کو ان کا ہی خوف تھا یہ سچ سارہ بھی جانتی تھی۔

''میری کار کا جو حشر ہو چکا ہے اس کو دیکھ کر کسی کو سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی' مجھے اس کی سروس کروانی ہی تھی' اسے راستے میں ہی گیراج میں چھوڑوں گا' مہران ہمیں گھر ڈراپ کر دے گا''۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے عاطف نے کہا تھا جبکہ شیث اپنے سیل پر آنے والی سدرہ کی کال ریسیو کرتا انہیں کچھ ہی دیر میں گھر پہنچنے کی تسلی دینے لگا تھا۔

☆

''شکر ہے اس کیس کا فیصلہ اس کے حق میں ہو گیا جو اس کا مستحق تھا' مگر میں اب بھی فکر مند ہوں کہ وہ لوگ مزید خطرناک نہ بن جائیں''۔ شمس اس وقت عاطف سے مخاطب تھے۔

''آپ فکر نہ کریں' وہ لوگ اب صرف اپنے ظلم کی سزا بھگتنے میں ادھ موئے ہو جائیں گے''۔ عاطف بولتے ہوئے سارہ کی طرف متوجہ ہوا تھا جو کافی کے ساتھ وہاں آ پہنچی تھی۔

''میں نے آپ سے زینب کے بارے میں بات کی تھی' پھر کب چلیں گے اس کے گھر والوں سے بات کرنے؟'' وہ مسمسی صورت بنائے شمس سے مخاطب تھی۔

''اور میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ کسی کے ذاتی معاملات میں مداخلت میں نہیں کروں گا' اور معاملہ بھی ایسا سنگین نوعیت کا ہے سارہ! تم خود سوچو''۔ شمس نے کچھ ناگواری سے کہا تھا۔

''عاطف! آپ ہی بتائیں میں کیا کروں؟ کیسے زینب کو اس گھٹیا شخص کے ہتھے چڑھنے دوں؟'' اس نے مدد طلب نظروں سے عاطف کو دیکھا تھا۔

''کسی کی مداخلت کی ضرورت نہ ہوتی اگر آپ کی فرینڈ خود تھوڑی سی ہمت کر لیتیں' کم از کم اس وقت جب ان کا منگیتر اپنے غلط ارادوں سے خبردار کر گیا تھا''۔ عاطف نے خشمگیں لہجے میں کہا تھا۔

''آپ نے تو دیکھا ہے کہ زینب کتنی ڈرپوک قسم کی لڑکی ہے' وہ تو معیز کے ذکر سے ہی کانپ اٹھتی ہے' وہ کہاں اتنی ہمت کر سکتی ہے کہ اس کے کرتوت اپنے بھائیوں کے سامنے کھول کر رکھے''۔ وہ بولی تھی۔

''تم اس کی دوست ہو' سمجھاؤ اسے کہ اب تو خاموش نہ رہے آواز اٹھائے یہ بہتر ہے' بجائے اس کے کہ میں زینب کے گھر والوں کے سامنے اس کے منگیتر کی اصلیت کھولوں اور وہ آدمی ہر سچ سے مکر کر مجھے سب کے سامنے جھوٹا ثابت کر دے''۔ شمس نے کہا تھا۔

''وہ تو ہر حال میں مکر جائے گا' اپنے گناہ کو وہ کیسے قبول کر سکتا ہے''۔ عاطف نے کہا تھا۔

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں' ہمارے پاس زینب ایک مضبوط ثبوت ہے اسے صرف سپورٹ کی ضرورت ہے۔ پ' میں اور آپی اس کے ساتھ ہوں گے تو وہ معیز کے سامنے اپنے گھر والوں کو اس کی حقیقت بتائے گی کہ وہ پچھلے یک سال سے کس طرح اسے ہراساں کرتا رہا ہے۔ مجھے بھی آپ کی سپورٹ چاہیے میں تنہا اس کے گھر والوں کو معیز ے خلاف کنوینس نہیں کر سکوں گی''۔ وہ التجائی لہجے میں بولی تھی۔

''بس...... مجھے اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں کرنی''۔ شمس بیزاری سے بولے تھے۔

''مجھے معلوم ہے آپ کو آپی نے منع کر رکھا ہے''۔ وہ کچھ خفگی کے ساتھ بولی تھی۔

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ میں تمہاری بہن کے حکم کا غلام ہوں''۔ شمس نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''کم از کم اس معاملے میں تو آپ ان کے ہی حکم پر چل رہے ہیں۔ آپ کے نزدیک ان کی اہمیت زیادہ ہے''۔ وہ شکایت کر رہی تھی۔

''بیوی ہے وہ میری' اس کی اہمیت نہیں ہوگی تو کیا تمہاری ہوگی؟'' اسے گھرکتے ہوئے وہ جانے کے لیے اٹھ ے ہوئے تھے۔

''کیوں نہیں ہو سکتی سارہ کی اہمیت؟ سالی کا درجہ بھی تو آدھی گھر والی جیسا ہوتا ہے''۔ عاطف نے ہنستے ہوئے کو دیکھا تھا جو مسکراہٹ چھپائے آگے بڑھ گئے تھے۔

''میں نے زینب کو اطلاع دے دی ہے کل آپ' میں اور آپی جا رہے ہیں اس کے گھر''۔ سارہ نے پیچھے سے واز لگائی تھی۔

''ایسے ہی بن رہے ہیں' جائیں گے کل میرے ساتھ' ان کی وجہ سے بہت ڈھارس ملے گی زینب کو' اس بے ری کی جان چھوٹ جائے تو شکرانے کے نفل پڑھوں گی''۔

''کتنی بری بات ہے' اپنی دوست کا رشتہ تڑوانے کے لیے تم کتنی بے تاب ہو''۔ عاطف نے اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

''ایسے تھرڈ کلاس انسان سے اس کا رشتہ جڑنا ہی سب سے بڑی غلطی تھی' جو شخص ابھی اس کی عزت نہیں کرتا' دں اور دھمکیوں سے اس کی تواضع کرتا ہے' بعد میں تو دو کوڑی کا نہیں چھوڑے گا اسے۔ زینب تو پہلے ہی اس رشتے دل سے قبول نہیں کر سکی تھی اور اب تو اس کے خدشوں کی وجہ بھی سب کے سامنے آنے والی ہے''۔ وہ شدید ناگواری ے بتا رہی تھی۔

''میں تو خود شاکڈ تھا' زینب جیسی لڑکی اس شخص کو ہرگز ڈیزرو نہیں کرتی ہے''۔ عاطف کے سنجیدہ لہجے پر سارہ نے ائی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''آپ نے ٹھیک کہا وہ تو بس آپ جیسے انسان کو ڈیزرو کرتی ہے''۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' عاطف نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

''وہی جو آپ سمجھ چکے ہیں''۔ وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''میرا خیال ہے مجھے یہاں سے اٹھ جانا چاہیے''۔ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے عاطف اپنی اسٹک ھالتا جانے کے لیے اٹھ گیا تھا جبکہ وہ پُرسوچ مسکراتی نظروں سے اسے دور جاتا دیکھتی رہی تھی۔

(جاری ہے)

☆



اقرا چنہ

افسانہ

نادان انسان

سردیوں کے دن ویسے ہی چھوٹے ہوا کرتے ہیں۔ شام چار بجے سے بھی پہلے دھوپ دیواریں پار کرنے لگتی ہے۔ مجھے سردیوں کی شامیں بہت پسند ہیں، میں چوبیس گھنٹے یخ سردی سے بچنے کے لیے سویٹر اور شال پہنے رہتی ہوں تا کہ خود کو سردی سے بچا کر رکھوں کیونکہ اگر ایک بار مجھے سردی کا بخار ہو جائے تو پھر اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے اسی لئے پاپا میرے لئے نت نئے سویٹر اور شال لے کر آتے ہیں۔

میں خود میں سمٹی دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلتے ہوئے صحن میں روحان کا انتظار کر رہی تھی، اس نے مجھے پہلے ہی فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ شام چار بجے تک آئے گا، میں تو سنتے ہی بے صبری سے اس کا انتظار کر رہی تھی کیونکہ دو دنوں سے وہ نہیں آیا تھا اس کی بہت یاد آ رہی تھی۔

دور مسجدوں سے عصر کی اذانیں گونج رہی تھیں۔ ان دنوں ٹھنڈی ہوائیں بھی بہت چل رہی تھیں۔ میں غور اور توجہ سے اذان کے بول سن رہی تھی، اذان ختم ہونے کے بعد میں نے درود پاک پڑھ کر دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے اور اسی دوران روحان اندرونی گیٹ سے اپنی بائیک پر سوار داخل ہوا۔ میں جو اسی کی منتظر تھی اسے دیکھتے دل میں مسکرا اٹھی۔ وہ ایک طرف بائیک کھڑی کر کے میری طرف چلا آیا۔

"کیسی ہو سویٹ گرل؟" اس نے میری ناک کو چھ

کرتے ہوئے پوچھا، میری مسکراہٹ اور گہری ہو گئی

"میں تو ٹھیک ہوں، تم دو دنوں سے کہاں غا

تھے؟" میں وہیل چیئر گھسیٹتے ہوئے اس کے ساتھ سا

چلنے لگی۔ پچھلے دو دنوں سے میں نے اس کی کمی بہ

شدت سے محسوس کی تھی۔ نشاء الگ سے خفا بیٹھی تھی۔

"بس آفس کے کام میں بہت بزی ہو گیا تھا؟ بھی مشکل سے وقت نکال کر آیا ہوں، ورنہ ایسا ہ ہے کہ میں اپنی سویٹ کزنز سے ملنے نہ آؤں" میرے سامنے رک کر ابرو اچکا کر پوچھ رہا تھا۔

"ہاں ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا"۔ میں سر ہلا کر سے متفق ہوئی۔

یونہی باتیں کرتے ہوئے ہم دونوں روم میں ہوئے۔ نشاء پہلے سے ہی وہاں موجود تھی اور صو گود میں کشن لئے خفا خفا سی بیٹھی تھی۔

"اس کا منہ کیوں بنا ہوا ہے؟" وہ وجہ جا ہوئے بھی پوچھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں شرارت نشاء نے پہلو بدلا، وہ ایسی ہی تھی، اسے روحان منانے کا انداز بہت دلنشیں لگتا تھا۔ کبھی کبھی تو سے بے وجہ ہی ناراض ہو جایا کرتی تھی اور پھر اسے مناتا پھرتا۔

"تم جو بنا خبر کیے دو دن غائب رہے"۔ نم کندھے اچکا کر جواب دیا۔ روحان دل پر دایاں رکھ کر گہری سانسیں لینے لگا پھر صوفے پر اس کے

بیٹھ کر اسی کی نقل کرنے لگا۔
''کیا ہے؟'' اس نے نروٹھے پن سے پوچھا۔
''مجھے کیا معلوم؟'' وہ ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھتے ہوئے معصومیت سے گویا ہوا۔
''اب یونہی بیٹھی رہو گی یا بس پھر میں جاؤں''۔ اس نے میری طرف دیکھ کر آنکھ دبائی کیونکہ ہم دونوں ہی جانتے تھے کہ اس کا یہ تیر نشانے پر لگے گا اور وہ یکلخت سیدھی ہو کر اسے کشن کے ذریعے مارنے لگی۔
''اب روحان کے یہ دن آ گئے ہیں کہ لڑکیاں انہیں کشن سے مار رہی ہیں''۔ وہ اپنے بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے خود کلامی سے بولا۔ نشاء اس سے شکایتیں کر رہی تھی۔ وہ اسے اپنے کام کی مصروفیات بتاتا رہا۔ نشاء پل میں تولہ اور پل میں ماشہ تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سے جانتے تھے۔ میں بچپن سے ہی روحان سے زیادہ تر دور رہی تھی۔ وہ اور نشاء بچپن سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ اٹیچ تھے، مجھے روحان میں کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی، پھر آہستہ آہستہ میرا دل بدلتا گیا۔ میں نے روحان کو بہت قریب سے جانا تھا۔ کنول پھپھو (روحان کی مما) مجھ پر واری جاتیں، جبکہ میں کبھی ان کے بچوں سے سیدھے منہ بات بھی نہ کرتی تھی۔ مجھے اپنی پڑھائی سے عشق تھا، مجھے مختلف کتابوں کا مطالعہ کرنے کا بہت شوق تھا، اس لئے میں یونیورسٹی کے علاوہ ایکسٹرا وقت اسٹڈی روم میں گزارتی اور اس وجہ سے میں کسی اور کو ٹائم نہیں دے پاتی اور نہ ہی کبھی میرا دل کرتا، اس کے باوجود بھی روحان میرا بہت خیال رکھتا، وہ بہت مخلص دوست تھا اور بہت کیئرفل تھا۔

☆

میں ان دونوں کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی۔ روحان نے اسے تنگ کرنے کے لیے جانے کیا کہا کہ نشاء ہاتھوں میں کشن لئے اس کے پیچھے لپکی اور وہ چہرے پر سحر انگیز شرارت اور مسکراہٹ سجائے فرار کی جگہ تلاش کر رہا تھا۔ میری نظروں کے آگے دھندلاہٹ ہو گئی۔ میری آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی اور دو موتی اپنا ضبط توڑ کر آنکھوں سے گر کر میری گود میں رکھی ہتھیلی پر گرے، میری نگاہیں جا کر میری ٹانگوں پر رکیں۔ کبھی کبھی میرے دل کو بہت ملال ہوتا تھا، میں بہت احساس کمتری میں مبتلا ہو جایا کرتی تھی، دل میں تلاطم سا ہو جاتا تھا۔ میں بالکل خاموش ہو جایا کرتی تھی، چپ سادھ لیتی اور نہ ہی اپنے روم سے باہر نکلتی تھی لیکن دوسروں کو خبر بھی نہ ہونے دیتی۔ خاص کر میں پاپا کو دکھ نہیں دے سکتی تھی، ان کو مطمئن کرنے کے لیے بظاہر میں بہت خوش رہتی۔ پاپا مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں، میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں، انہوں نے تایا ابو اور دادو کے لاکھ کہنے پر دوسری شادی نہ کی، اس لئے کہ میری پرورش پر برا اثر نہ پڑے، وہ میری محبت میں تفریق پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے، ان کی زندگی مجھ سے شروع ہوتی اور مجھ پر ختم ہوتی تھی۔
ایسا نہیں تھا کہ میری معذوری کی وجہ سے دوسرے مجھ سے تنگ ہو گئے تھے۔ سب میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ لاکھ دوسرے خیال رکھتے لیکن پھر بھی انسان کی خود کی طاقت سب کچھ ہوتی ہے۔ جب تک انسان کے پاس سب کچھ ہوتا ہے تب تک انسان کو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا احساس نہیں ہوتا، میں بھی انہی لوگوں میں سے ایک ہوں۔ لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ میں اللہ کی کتنی بڑی نعمت سے محروم ہو گئی ہوں۔
صرف ایک پل کے لیے بھی محسوس کیا جائے کہ ہم اللہ کی دی ہوئی کسی نعمت سے محروم ہو گئے ہیں تو آپ کو اسی پل احساس ہو جائے گا، زندگی میں جب بھی کسی بات کا فیصلہ نہ کر پاؤ تو خود کو اس انسان کی جگہ رکھ کر سوچو اپنے آپ ہی احساس ہو جائے گا۔
''ہیلو میڈم! کیا سوچ رہی ہو؟'' روحان نے میرے آگے ہاتھ لہرایا۔ میں سوچتے سوچتے بہت دور نکل گئی تھی۔ نشاء اس سے راضی ہو گئی تھی۔ وہ اس کی

فرمائش پر چائے بنانے کچن میں چلی گئی تھی۔ میں نے آنکھیں جھپکا کر نفی میں سر ہلایا۔ اس پل میں چاہ کر بھی مسکرا نہ پائی۔

☆

نشاء کچن میں چائے تیار کر رہی تھی، میں اور روحان بھی اسی کے پاس چلے آئے۔
''نشاء! ذرا دھیان سے کہیں چینی کی جگہ نمک ہی نہ ڈال دو''۔ وہ اسے تنگ کرنے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتا تھا، نشاء نے اسے گھورا۔
''تمہاری چائے میں تو نمک ہی ڈالوں گی''۔ وہ تیوریاں چڑھا کر بولی۔ روحان نے بھی زبان چڑائی۔
''آج رات مما، مریم اور ماریہ بھی آئیں گی اور رات بھی یہیں رکیں گی''۔ فریج کھول کر کچھ تلاش کرتے ہوئے اس نے بتایا۔
''سچ...... اور تم بھی رکو گے؟'' میں بے ساختہ بولی۔
''نہیں پھر گھر میں پاپا اکیلے رہ جائیں گے، اگر وہ رہ گئے تو......'' وہ بری شکل بنا کر بولا۔
''اگر تم ساتھ رہو گے تو پھر تو ضرور ڈر جائیں گے''۔ چولہے کی فل آنچ کرتے ہوئے نشاء نے برا منہ بناتے ہوئے کہا۔
''اللہ سے ڈرو لڑکی''۔ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے نفی کرنے لگا۔
تائی امی اور کنول بوا میرا ہمیشہ سے بہت خیال رکھتی آئی تھیں۔ پیار تو سبھی مجھ سے بے انتہا کرتے تھے۔ میں تایا ابو کی بھی اب تک بہت لاڈلی ہوں۔ وہ جیسی بھی چیز اپنی بیٹی نشاء کے لئے لاتے بالکل ویسی ہی میرے لئے بھی لاتے، تائی امی بھی ہمیشہ مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتی تھیں۔ میری پیدائش پر ہی ماں کا انتقال ہو گیا، پھر پاپا کے ساتھ میری انہوں نے ہی پرورش کی ہے، میں بھی انہیں ماں کا درجہ دیتی ہوں۔ نشاء میری کزن ہونے کے ساتھ ساتھ میری اکلوتی بیسٹ فرینڈ بھی تھی۔ میرے اپنے تمام قریبی رشتے بہت چاہت دینے والے تھے۔ کنول بوا کی نیچر بالکل فرینڈلی ہے، ان کے تینوں بچے بھی بہت اچھے ہیں۔ مریم اور ماریہ زیادہ تر اپنی پڑھائی کے سلسلے میں مصروف رہتی تھیں اس لئے ان کا آنا کم ہی ہوتا تھا۔ روحان نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی اور اب وہ بینک میں جاب کرتا تھا۔ پہلے وہ یہاں زیادہ نہیں آتا تھا، اگر کبھی کبھار آتا بھی تھا تو میں نے کبھی توجہ نہیں دی تھی لیکن اب تو تقریباً وہ روز ہی آتا تھا۔ اب تو مجھے بھی اس کی عادت ہو گئی تھی۔ ایکسیڈنٹ کے بعد میں نے پڑھائی چھوڑ دی۔ پاپا نے بہت اصرار کیا، ایک تو میرا دل اچاٹ ہو گیا تھا اور دوسرا میں لوگوں سے بھی ڈر رہی تھی لیکن اس سب کے باوجود میں کتابوں کا مطالعہ ضرور کرتی تھی۔

☆

اس دن بھی بہت سردی تھی اور مجھے فلو بھی ہو گیا۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔ کہیں مزہ نہیں آ رہا تھا تو میں روم میں چلی آئی۔ پاپا مجھے پہلے میڈیسن دے کر پھر آفس گئے، ان میڈیسن کے زیر اثر مجھے نیند آ گئی۔ جب آرام کر کے اٹھی تو خود کو بہت زیادہ بہتر فیل کر رہی تھی۔ نشاء نے چائے پلا کر تو میری تمام تھکان اور سستی بھی ختم کر دی۔ تائی امی کو پھر بھی میری بہت فکر تھی۔ وہ بار بار مجھے کھانا کھانے کی تلقین کر رہی تھیں۔ مجھے بھوک بھی نہیں تھی اور دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ پونے چار بجے روحان بھی چلا آیا۔ اس وقت نشاء اپنے روم میں آرام کر رہی تھی۔
بادامی کلر کے کاٹن کے سوٹ میں وہ ڈیسنٹ لگ رہا تھا، اس کے پرفیوم کی بھینی بھینی خوشبو فضا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی بھینی خوشبو کو گہری سانس لے کر اپنے اندر جذب کیا۔ اس کی طرح اس کی ہر چیز بھی شاندار ہوتی تھی۔
وہ سیدھا تائی امی کے پاس چلا آیا، تائی امی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھیں۔ میں وہیل چیئر پر بیٹھی انہی

سے محو گفتگو تھی۔ مجھے اور تائی امی کو سلام کر کے وہ بھی چیئر گھسیٹ کر بیٹھا۔

"دیکھو نا روحان! کہکشاں کھانا نہیں کھا رہی ہے"۔ تائی امی نے میری شکایت لگائی اور میں اپنی جگہ شپٹائی۔

"بہت بری بات"۔ اس نے مجھے آنکھیں دکھائیں' جیسے میں کوئی چھوٹی بچی ہوں۔ پھر اس نے تائی امی سے کھانا منگوایا' میں انکار کرتی رہی' اس نے نوالہ بنا کر مجھے کھلایا۔ تائی امی ہنستی ہوئی چلی گئیں۔ روحان بھی بہت کمال رکھتا تھا' باتوں ہی باتوں میں مجھے بہلا کر پورا کھانا کھلا دیا' میں تو بس اس کے سحر میں تھی۔

روحان بہت اچھا تھا۔ اسے میں نے پچھلے آٹھ ماہ میں جانا تھا۔ اس کی سحر انگیز باتیں' چارمنگ پرسنالٹی اور خیال رکھنے کی ادا میرے دل میں ہلچل کرتی تھی۔ وہ اکثر میرے لئے کچھ نہ کچھ لے کر آ جاتا تھا اس لئے کہ مجھے خوشی مل سکے اور واقعی میں' میں اس کا گفٹ پا کر خوش ہو جایا کرتی تھی۔ میں نے پہلے کبھی اسے سمجھنے اور جاننے کی کوشش نہیں کی تھی' کبھی بھی اس پر خاص دھیان نہ دیا' اس بات کے لیے اب مجھے پچھتاوا ہوتا تھا۔ اب وہ میرے دل میں دھڑکن بن کر رقص کرتا تھا۔ وہ مجھے بہت اچھا لگتا تھا' ہاں مجھے اس سے پیار ہو گیا تھا' مجھے اس کے حسین چہرے اور خوبصورت دل سے محبت ہو گئی تھی۔

☆

میری زندگی میں پہلا آنے والا شخص شجاع تھا۔ وہ ہی تھا جس نے میرے دل میں سنسناہٹ پیدا کی تھی۔ اسی نے احساس دلایا تھا کہ زندگی کی اصل خوبصورتیاں کیا ہوتی ہیں۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے خوابوں کی دنیا دکھائی' میں اس کی دیوانی ہو چلی تھی' اس کے گن گاتی پھرتی' کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ ہم لڑکیاں بے وقوف ہوتی ہیں جو چند پیار بھرے الفاظوں سے امپریس ہو جایا کرتی ہیں۔ شجاع ان لوگوں میں سے تھا جو انسان کے وجود کو پرکھتے ہیں۔ اس کے سراپے سے محبت کرتے ہیں اس کی روح سے نہیں۔ وعدے تو ہزاروں کرتے ہیں لیکن وقت آنے پر بڑی آسانی سے ہاتھ چھڑا کر چلے جاتے ہیں۔

ریحان صاحب' پاپا کے بہت اچھے اور قریبی دوست تھے۔ انہوں نے مجھے کسی تقریب میں دیکھنے کے بعد پاپا سے مجھے اپنی بہو بنانے کی خواہش ظاہر کی۔ مجھے اپنے بیٹے شجاع کے لیے مانگا۔ پاپا نے میری رائے لینا ضروری سمجھا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ باقی گھر والے بھی اس رشتے سے خوش تھے۔ انہیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ شجاع تعلیم یافتہ تھا اور اپنے پاپا کے ساتھ آفس جوائن کر چکا تھا۔ شجاع کو میں بہت اچھے طریقے سے تو نہیں جانتی تھی مگر پاپا ان کے ہونہار ہونے کے گن گاتے تھے۔ وہ بھی کبھار ہمارے گھر بھی آ جایا کرتے تھے اور جب پاپا کو اس سے تسلی تھی اور وہ خوش تھے تو بھلا مجھے اعتراض کیسے ہو سکتا تھا۔ اس رشتے میں پہل بھی تو اس نے اور اس کی فیملی نے کی تھی' اس طرح رسمی طور پر اس نے مجھے اور میں نے اسے رنگ پہنا دی اور ہم ایک نئے رشتے میں جڑ گئے۔

نئے رشتے میں جڑنے کے بعد مجھے اس کے سامنے جاتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی تھی۔ وہ کن انکھیوں سے مجھے دیکھتا تھا اور وہ بھی پاپا کے سامنے' میں تو پزل ہو جاتی' مجھے بہت ہچکچاہٹ ہوتی تھی۔ یہ عمر ہوتی ہی ایسی ہے' چند لفظی الفاظ سنتے ہی لڑکی خواب بننے لگتی ہے اور اچھے اور برے کی تمیز نہیں کر پاتی۔ ہماری شادی میری تعلیم ختم ہونے کے بعد طے پائی۔

شجاع کا روز آنا جانا بڑھتا گیا۔ گھر والے بھی خوب سمجھ رہے تھے مگر دل ہی دل میں ہم دونوں کی خوشی پر خوش ہوتے اور دعائیں کرتے۔ میں اس کا سامنا نہ کرتی۔ وہ بے وجہ فون کرتا اور یونہی باتیں کرتا۔ مجھے ڈھیر سارے خواب دکھاتا' پھر ایک دن میری زندگی میں

ناقابل فراموش حادثہ ہوا۔ یونیورسٹی سے آتے ہوئے میری گاڑی کی ٹکر دوسری گاڑی سے ہو گئی' ڈرائیور تو موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا اور میری حالت بہت سیریس تھی۔ آہستہ آہستہ میں زندگی کی طرف واپس تو آ گئی مگر میں ہمیشہ کے لیے اپاہج ہو گئی۔

ان حالات میں مجھے جس شخص کی زیادہ ضرورت تھی اسی نے مجھ سے منہ موڑ لیا تھا۔ میں تو کئی دنوں تک اس سے بھی بے گانہ رہی۔ ان حالات میں شجاع مجھ سے صرف ایک بار ملنے آیا۔

پھر میں دو ماہ بعد اپنے گھر واپس آئی۔ میں بہت دبلی پتلی ہو گئی تھی' چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا' آنکھیں اندر دھنس گئیں اور آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے ہو گئے تھے۔ میں خود اٹھ کر چلنا چاہتی تھی' مجھ سے ایک ہی جگہ بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ گھر والے مجھے بہت خوش رکھتے' میں ان کے لیے زبردستی مسکراتی پھر اپنی ٹانگوں کو دیکھتی تو تڑپ اٹھتی اور چپکے چپکے رو پڑتی۔ میں اس بات سے ابھی بے خبر تھی کہ زندگی کے ابھی اور بھی برے دن آئیں گے۔

☆

"لیکن آپ لوگ میری بیٹی کے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" شجاع اور اس کے پاپا کا سپاٹ چہرہ اور ٹکا سا جواب سن کر پاپا تشویش سے بولے۔

"سوری انکل! میں اپنی ہمسفر ایک اپاہج لڑکی کو نہیں بنا سکتا"۔ شجاع کی آواز اتنی اجنبی تھی کہ جو کبھی میں نے سنی نہیں تھی۔ اس کے لہجے اور اس کی آواز میں تو ہمیشہ میں نے مٹھاس دیکھی تھی۔ وہ اتنا بے حس ہو سکتا ہے یہ میں نے تو کیا کسی نے بھی نہیں سوچا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر بھی مجھے نہیں دیکھا کہ جو نظریں مجھے دیکھنے کے لیے بے چین ہوا کرتی تھیں۔

"میں ایک ایسی لڑکی کو اپنی ہمسفر بنانا چاہتا ہوں جو میرے قدم سے قدم ملا کر چلے اور کہکشاں اب ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے"۔ شجاع کی آواز دھماکے کی طرح گونجی تھی۔ میری آنکھیں پتھرا گئیں' جیسے مجھے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"یہ کیسی انسانیت ہے' پہلے ہی اس بچی پر اتنا برا وقت گزرا ہے اور تم بھی اس کے ساتھ اتنا برا سلوک کر رہے ہو' تمہیں تو اس وقت اُس کا ساتھ دینا چاہیے' اسے حوصلہ دینا چاہیے"۔

کیا شجاع کے وعدے' اس کا پیار اور اس کی ہمدردی کا میرے ساتھ اتنا ہی ساتھ تھا۔ کیا پیار کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ خوشی میں ساتھ ہو اور جب دوسرے پر تکلیف کا وقت آئے تو رشتہ ہی توڑ دیا جائے۔

"تم ہی نے تو اپنے پاپا سے کہکشاں کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا اور اب اسے بیچ راہ میں لا کر یوں چھوڑ دینا کہاں کی انسانیت ہے"۔

"بالکل...... تب کی اور اب کی کہکشاں میں فرق ہے"۔ شجاع نے میرے پورے وجود کو ہلا دیا۔ کچھ کہنے کے لیے میرے لب ہلے تھے لیکن مجھے الفاظ کی ترتیب ہی نہ ملی' میری آواز نے ساتھ ہی نہ دیا۔

"میں اپنی کہکشاں کا بڑے سے بڑے ڈاکٹر سے علاج کرواؤں گا' اپنی پوری دولت اس پر خرچ کر دوں گا' وہ دوبارہ پہلے جیسی چلنے پھرنے لگے گی' آپ اللہ کے واسطے ایسا نہ کریں' میری کہکشاں ٹوٹ جائے گی"۔ پاپا نے باقاعدہ ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے' میں اس وقت بہت اذیت سے گزر رہی تھی' وہ میری خوشی کی خاطر انہیں تسلی دے رہے تھے' وہ ان کے سامنے التجا کر رہے تھے۔ شجاع کے پاپا جو پاپا کے بیسٹ فرینڈ تھے' ان سے دوستی کے بڑے دعوے کرتے تھے' وہ بھی اپنے بیٹے کے آگے خاموش تھے۔ ان کا سر جھکا ہوا تھا' پاپا امید بھری نظروں سے ان کے جھکے سر کو دیکھ رہے تھے کہ شاید وہ بیٹے کے خلاف بولیں' شاید وہ پاس آ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دیں' مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔

جو چلا جاتا ہے اس کے پیچھے پریشان ہونا یا اس کی جدائی کا ماتم منانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں تھی کہ ایک رشتے کے لیے باقی رشتوں کو بھی اگنور کر دیتی اور ایسا کرنا بھی نہیں چاہیے۔ ہمارے آس پاس جو ہمارے قریبی رشتے ہوتے ہیں انہیں کبھی بھی دکھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کی خوشیاں ہم ہی میں بستی ہیں۔

میں یہ نہیں کہتی کہ لڑکے بے وفا ہوتے ہیں۔ وفا تو بے انتہا لڑکوں میں بھی پائی جاتی ہے' میں محض ایک عام انسان کی بات کر رہی ہوں جو کہ دوسروں کی باتوں میں بہت جلدی بہک جاتے ہیں۔

وفا' نرمی اور پیار تو روحان میں بھی ہے' اس میں جانے کیا تھا جو وہ مجھے بہت اچھا لگتا تھا' حالانکہ اس نے کبھی دوسروں کی طرح مجھے غلط نگاہ سے نہیں دیکھا' اب وہ میرے بہت قریب ہو گیا تھا' میں بھی اس کے لیے نرم گو ہو رہی تھی۔ میری فیلنگز اس کے لیے بہت خاص تھیں مگر مجھے خود پر سے بھی زیادہ اس پر بھروسہ تھا وہ اگر میرا ہاتھ تھامتا تو کبھی مجھے کبھی نہ چھوڑتا۔

اس لیے دنیا کی خوبصورتی کو خود تلاش کرنا چاہیے نہ کہ دوسروں کی راہ دکھائے جانے پر یا دوسروں کی باتوں میں آ کر اس کی دکھائی ہوئی راہ پر چلنا چاہیے' کیونکہ جب کوئی ہاتھ تھام کر چھوڑ دے اور آپ کے پاس دوسرا راستہ بھی نہ ہو اور منزل کا پتہ بھی معلوم نہ ہو تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

☆

کبھی کبھی ہم بھی حد سے زیادہ خوش فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں' شاید ہر انسان میں ہی ایسے احساسات ہوتے ہیں۔

مریم نے جو فون پر اطلاع دی تھی' میں تو آسمان پر پرندوں کی مانند اڑ رہی تھی۔ مریم نے بتایا تھا کہ وہ شام کو ہمارے گھر اپنے بھیا کی دلہن لینے آ رہے ہیں۔ اس کے لہجے میں بہت شرارت تھی۔ حیرت کے ساتھ میرے لبوں پر مسکراہٹ بھی پھیل گئی' گویا میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

پورا گھر کنول بوا کے آنے کے لیے انتظار کر رہا تھا' کیونکہ میں سمجھ رہی تھی کہ مریم کے بھیا کی دلہن میں ہی بنوں گی' یہ محض میری ایک سوچ تھی' کیونکہ صرف ایک بار مجھے ان نے کہا تھا کہ تم جیسی لڑکیاں بہت کم پائی جاتی ہیں' تم جس کی بھی ہمسفر بنو گی وہ شخص بہت خوش نصیب ہو گا...... اور میں بس مسکرا کر جز بزسی ہو گئی۔

کنول بوا اپنی پوری فیملی سمیت آئی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے میرے ماتھے پر بوسہ دے کر میرا حال پوچھا۔ روحان بھی خاصا خوش تھا۔ میں ایک انجانی خوشی میں اس سے نگاہیں نہیں ملا پا رہی تھی' میرا چہرا گلاب کی طرح کھل اٹھا۔

میں شرم و حیا سے اپنے کمرے میں ہی چھپی رہی جب بہت دیر بعد باہر آئی تو کنول بوا' نشاء کو بانہوں کے گھیرے میں لیے بیٹھی تھیں۔ روحان بھی وہاں موجود تھا۔

''اب تو روحان بھائی کا نشاء سے ملنا بند''۔ ماریہ نے روحان کو کہنی مارتے ہوئے کہا۔ وہ زیر لب مسکرا رہا تھا اور میں نہ سمجھنے والے انداز میں سب کو باری باری دیکھ رہی تھی اور ان کی باتوں اور معنی خیزی کو سمجھنے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔

''کہکشاں! ہم نشاء کو جلد ہی اپنے گھر ہمیشہ کے لیے یہاں سے لے کر جائیں گے''۔ حریم میرے منہ میں برفی کا ٹکڑا ٹھونستے ہوئے بولی۔ میں بمشکل برفی کا حلق سے اتارتے ہوئے آخر پوچھ بیٹھی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب میں نشاء کو اپنی بہو بنا چکی ہوں اور یہاں بھی کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے اور بس اب میں چاہوں گی یہ جلد ہی آ کر میرے گھر میں خوشیوں کی روشنیاں بھر دے' میں بہت جلدی ڈیٹ لینے آؤں گی ویسے بھی روحان بھی بہت بے صبرا ہو رہا ہے''۔ کنول بوا کے ایک ایک لفظ میرے دل پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔ نشاء شرم سے کنول بوا کے سینے سے لگ کر اپنا چہرہ چھپا رہی تھی۔ روحان' مریم اور ماریہ کا خوشی سے بھرپور قہقہہ گونجا تھا۔ میں سب کچھ ہونقوں کی طرح دیکھے جا رہی تھی' جیسے مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

اس سب میں روحان یا نشاء کا کوئی قصور نہیں تھا' قصور تو بس میری سوچ کا تھا۔ میں نے روحان کی ہمدردی کو پیار کا نام دے دیا' لیکن پھر بھی میں نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا تھا کہ روحان بھی مجھے چاہتا ہے۔ بس میرا یہ خیال تھا کہ شاید وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے اور وہ مجھے اپنا کر اس دنیا کے تمام دکھوں سے دور رکھنا چاہتا تھا۔

لیکن اس سب کے باوجود بھی میں اسے دل کی گہرائیوں سے چاہتی تھی۔ میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ روحان کی پسند نشاء بھی ہو سکتی ہے اور ہو گی بھی کیسے نہیں۔ وہ بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھی تھے' اگر دیکھا جائے تو میں نے بھی تو کبھی اسے وہ اہمیت نہیں دی تھی پھر میں اس سے اتنی بڑی امید کیسے کر رہی تھی۔

پھر بھی اس نے میرا بہت خیال رکھا' میرا ٹوٹا ہوا دل دوبارہ جوڑا۔ نشاء اس کے لیے بالکل پرفیکٹ لڑکی تھی۔ روحان اپنی جگہ ٹھیک کر رہا تھا۔ روحان نے تو کبھی میرے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں ہو گا' وہ میری بہت عزت کرتا تھا۔

نشاء' روحان کو خوش رکھ سکتی تھی' قدم قدم پر اس کا ساتھ دے سکتی تھی۔ میں تو خود دوسروں کی محتاج ہوں' میں بھلا اس کا ساتھ کیا دے سکتی تھی۔ مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں ہے' اللہ کا شکر ہے میرے آس پاس مجھے بہت پیار کرنے والے رشتے ہیں۔

میں ہر طرح سے اچھی ہوں' قابل ہوں' تعلیم یافتہ ہوں۔ میں ہر حال میں اپنے بنانے والے کا شکر ادا کرتی ہوں۔ میں دماغی طور پر بالکل ٹھیک ہوں' میری آنکھیں سلامت ہیں کہ جن سے میں یہ اللہ کی بنائی ہوئی خوبصورت دنیا دیکھ سکتی ہوں' میرے ہاتھ سلامت ہیں' میں معذور ہوں تو کیا ہوا' مجھے اب اس بات کا کوئی غم نہیں ہے۔ میں اعتماد کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ ایسے غم میں رو کر پوری زندگی گزارنا یا خود کو ملامت کر کے زندگی گزارنا مجھے گوارا نہیں ہے۔

شجاع جیسے انسان نے بھی تو مجھے چھوڑ دیا۔ روحان نے کم از کم کوئی دعوے تو نہیں کیے' اس نے کبھی مجھ سے جھوٹ تو نہیں بولا۔ میرے دل کو زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی میں اس رشتے سے بھی خوش تھی۔

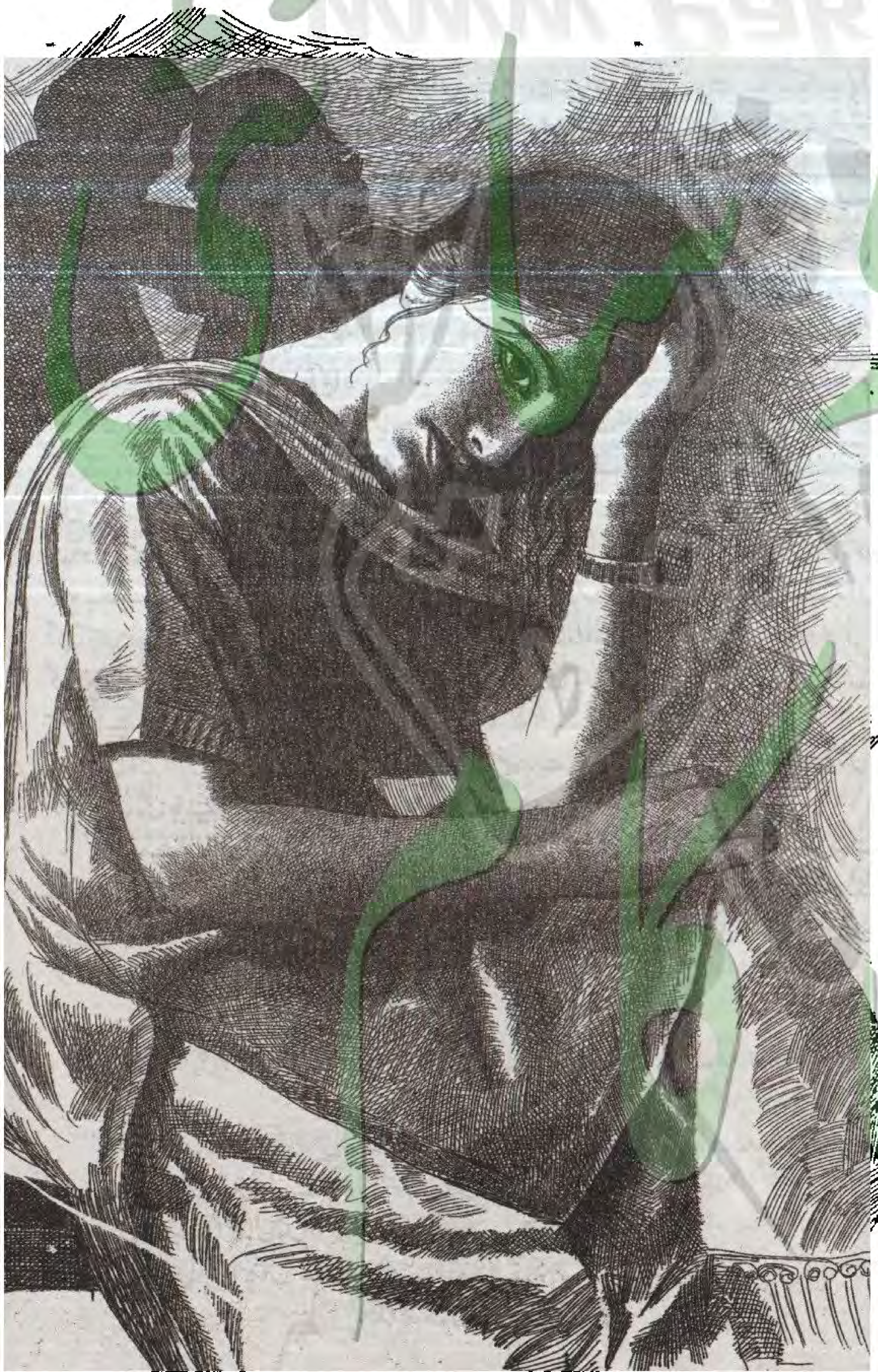
شجاع جیسے کئی لوگ ہوں گے جو ایسے حادثات ہونے پر اپنوں سے لاتعلق ہو جاتے ہیں' ہر انسان اپنے آپ کو خود کی جگہ ٹھیک لگتا ہے' ہر انسان سب سے پہلے خود کے بارے میں سوچتا ہے۔

اگر آپ میں کسی بھی چیز کی کوئی بھی کمی آ جاتی ہے تو اس کو لے کر جینا نہ چھوڑ دیں' کیونکہ اگر آپ چاہیں تو سب ممکن ہے بس دل کو ہر پل خوشگوار رکھو اور اگر آپ ہر طرح سے مکمل ہیں تو ہر سانس کے ساتھ اللہ کا شکر ادا کریں۔

میں اللہ سے بس یہی دعا کروں گی کہ وہ دونوں ہمیشہ خوش رہیں' ان کی زندگی میں کبھی کوئی غم یا تکلیف نہ آئے اور اگر مشکل وقت آئے بھی تو وہ دونوں مسکرا کر ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر اس مشکل کو آسان بنا دیں۔

میں مسکراتی ہوئی وہیل چیئر گھسیٹتی سب کے درمیان آئی۔ روحان کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کے تاثرات دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کتنا خوش ہے اور وہ نشاء کو کتنا چاہتا ہے۔ میں نے سب کو مبارکباد دی اور ازسرنو اپنے نادان دل کو تسلی دی' مگر دھیمی مسکراہٹ بھی میرے ہونٹوں کا ساتھ دیتی رہی۔

☆



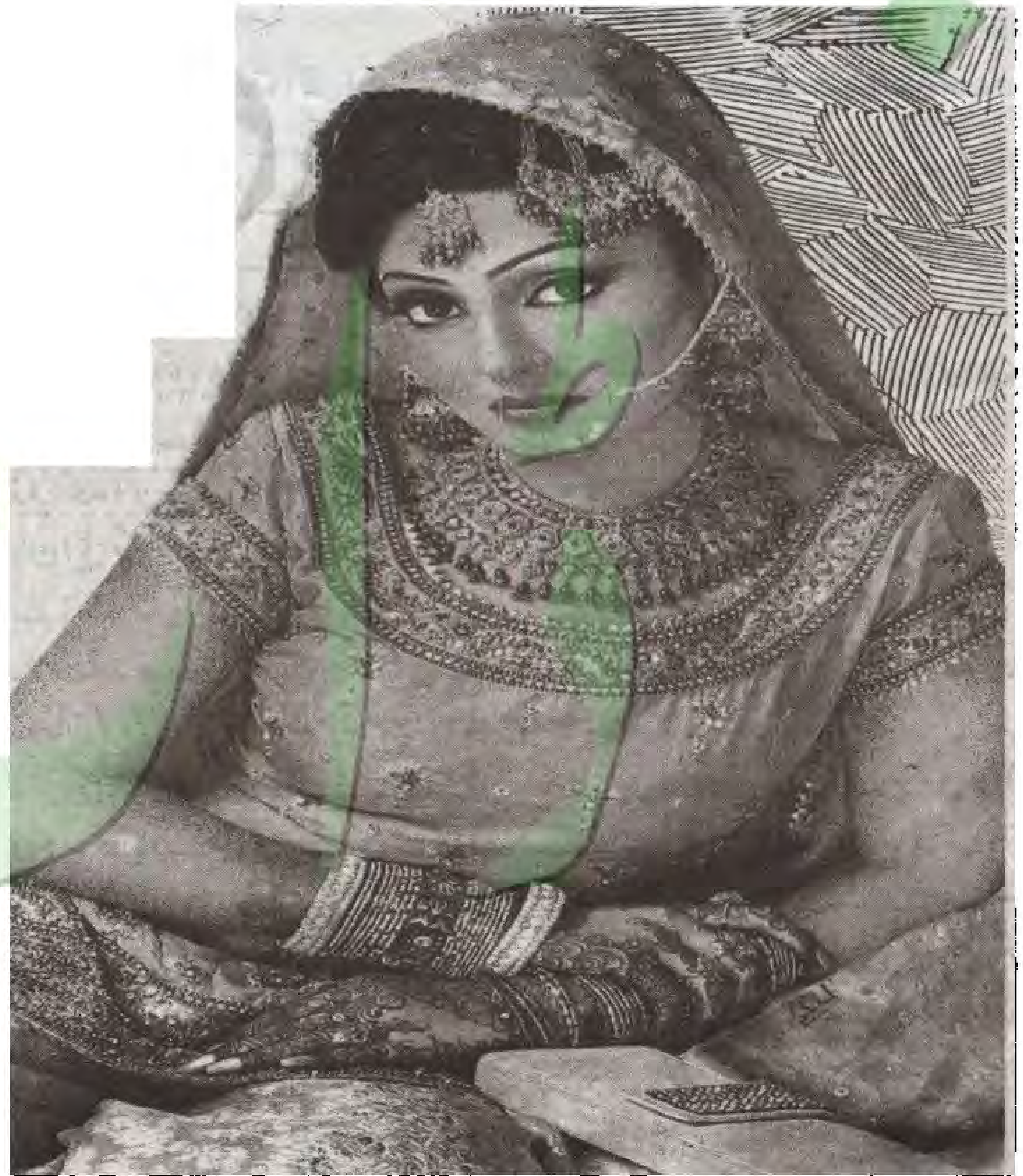
سباس گل

قسط نمبر 13

سلسلے وار ناول

اعتبارِ عشق

''تم بھی فوراً لگیں گڑگڑانے' ارے نفیس سے ثبوت تو مانگتیں کہ ہم کیسے قصوروار ہوئے' تصویروں میں وکی اور بنٹی کو نہیں ہونا چاہیے تھا اس لئے اسے شک ہو گیا پھر بھی یہ کوئی پکی بات تو نہیں ہے''۔ سلمٰی بیگم کنول کو کہہ رہی تھیں۔



انہیں سمیرہ بیگم نے گھر بھیج دیا تھا۔ نفیس ان کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے تھے اور وہ خود شرمندگی سے ان کے سامنے نظریں اٹھانے کی ہمت نہیں کرسکتی تھیں' سو گھر چلی آئیں۔

''ممی پلیز! مجھے مزید کوئی مشورہ مت دیں' ہماری ساری اسکیم فیل ہوگئی ہے' ایک دن بھی ہم اپنی چالاکی چھپا نہیں سکے' آپ کے مشوروں نے مجھے نفیس کی نظروں سے گرادیا ہے' ان کے دل میں میرے لئے اب کوئی جگہ نہیں رہی' میں نے یہ سب کس لئے کیا تھا ممی! نفیس کی مکمل توجہ اور محبت کے لئے نا' مگر ہوا کیا۔ میں تو نفیس کی آدھی محبت اور توجہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی۔ میں نے عینی کو ان کی زندگی سے نکال دیا اور خود ان کے دل سے نکل گئی' عینی نے جاتے وقت ٹھیک کہا تھا کہ میں ان کے دل سے نہیں نکلوں گی بلکہ آپ اُن کے دل سے نکل جائیں گی اور وہی ہوا' اگر نفیس کو کچھ ہوجاتا' وہ ہی نہ رہیں تو میرا کیا بچے گا' جنہیں مکمل طور پر میں اپنا بنانے کے لئے عینی پر ظلم کرتی رہی اگر وہ زندہ نہ رہے تو ممی! میں نے بہت ظلم کیا ہے عینی پر' میں نے نفیس کا اعتبار توڑا ہے' انہیں دکھ دیا ہے' کاش...... میں نے اپنی عقل سے کام لیا ہوتا آپ کی ہر بات پر بنا سوچے سمجھے انتقامی جذبے میں کھو کر عمل نہ کیا ہوتا''۔ کنول نے روتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو تمہارا بھلا ہی چاہا تھا' مجھے کیا پتہ تھا کہ بازی ہمارے خلاف ہی الٹ جائے گی' اب تم ایسی ننھی بچی تو تھیں نہیں کہ جو میں نے کہہ دیا تم نے عمل کرلیا' تم نے مجھے فون کرکر کے تنگ کر رکھا تھا کہ عینی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی' میں اسے اِس گھر میں نفیس کی زندگی میں دیکھنا نہیں چاہتی' نفیس اس سے بہت محبت کرتے ہیں' میں چاہتی ہوں کہ وہ عینی سے نفرت کرنے لگیں' طلاق دے دیں وغیرہ وغیرہ۔ اب میں نے تو تمہاری منشا کے مطابق ہی مشورہ دیا' منصوبہ بنایا۔ ایک ڈیڑھ مہینہ تم لندن رہیں یہ ساری پلاننگ تو وہیں تیار کرلی تھی تم نے میرے ساتھ' اتنے مہینوں میں بھی تمہیں سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں ملا۔ واہ بیٹی واہ...... بات بگڑ گئی تو سارا ملبہ تم نے میرے سر پر گرادیا اور جو بنی رہتی تو ممی زندہ باد ہوتیں۔ میں تو ناحق بری بھی بنی اور محنت بھی اکارت گئی' میں ایک دو روز میں واپس چلی جاؤں گی' تم سنبھالو اپنے گھر اور شوہر کو''۔ سلمیٰ بیگم نے ان کی بات کا برا مناتے ہوئے کہا۔

''ممی پلیز! ابھی کچھ دن رک جائیں' مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے۔ نفیس بہت ناراض ہیں مجھ سے' میں انہیں منالوں تب چلی جایئے گا''۔ کنول نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''ٹھیک ہے اب میں تمہارے کسی معاملے میں نہیں بولوں گی' جو جی میں آئے کرنا''۔ سلمیٰ بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ اپنی غلطیوں اور گناہوں کی معافی مانگنے کے لئے رب ذوالجلال کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ نفیس کی صحت' سلامتی اور اپنے لئے معافی طلب کی' عینی کے لئے بھی دعا مانگی' نفیس سے خود کو معاف کرانے کی دعا مانگی' آنسوؤں میں کنول بھیگتی رہیں دعائیں مانگتی رہیں اور شب بیت گئی۔

☆

ٹرن ٹرن...... ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ شوکت وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس نے رک کر ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو''۔

''نفیس صاحب سے بات کرادیں''۔ دوسری جانب عینی بول رہی تھی' رات بھر سے وہ بے حد پریشان تھی نفیس کی طرف سے اب صبح ہوتے ہی دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر فون کرلیا تھا۔

''نفیس صاحب تو اسپتال میں داخل ہیں جی''۔ شوکت نے بتایا۔

''کک...... کیا...... اسپتال''۔ عینی کا لہجہ تڑپ اٹھا' لفظ کانپتی آواز میں ادا ہوئے۔

''جی نفیس صاحب کو دل کا دورہ پڑا تھا''۔

''اب...... کیسی طبیعت ہے ان کی؟'' عینی نے بہت مشکل سے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا تو شوکت نے بتایا۔

''اللہ نے بڑا کرم کیا ہے جان بچ گئی ہے' آئی سی یو سے وارڈ میں آگئے ہیں وہ''۔

''انہیں...... کیا ہوا تھا جو...... دل کا دورہ پڑ گیا؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''کیا بتائیں جی! جب دل میں بسنے والے نظروں سے دور ہو جائیں تو دل کا تو یہی حال ہوتا ہے' اللہ کسی کو اپنے پیاروں کی جدائی کا غم نہ دے' ویسے آپ کون ہیں جی؟'' شوکت نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''مم...... میں...... ان کی...... قریبی عزیزہ بول رہی ہوں' وہ...... کس اسپتال میں داخل ہیں؟'' عینی نے بھیگی آواز میں پوچھا تو شوکت نے اسپتال کا نام اور وارڈ نمبر بتادیا اور فون بند ہوگیا۔

''یہ آواز کچھ سنی سنی سی لگتی تھی''۔ شوکت نے ریسیور رکھ کر پُر سوچ انداز میں کہا۔

''لے شوکت! صاحب کا ناشتہ تیار ہوگیا ہے لے جا''۔ زبیدہ نے اسے ہاٹ پاٹ اور دوسرے برتن لاکر دیتے ہوئے کہا' جس میں نفیس کے لئے یخنی اور دلیہ تھا۔

''یہ تو میں لے جاتا ہوں پر تو ٹیلی فون کا دھیان رکھ''۔

''کسی کا فون آنا ہے کیا؟''

''ہاں شاید...... زبیدہ! ابھی ایک بی بی کا فون آیا تھا' وہ نفیس صاحب کا پوچھ رہی تھیں' مجھے لگا کے وہ...... عینی بی بی تھیں''۔ شوکت نے بتایا۔

''عینی بی بی...... تو' تو نے ان سے اُن کا نام نہیں پوچھا''۔ وہ حیران ہوکر بولی۔

''پوچھا تھا پر انہوں نے بولا کے میں نفیس صاحب کی قریبی عزیزہ ہوں''۔

''اسے کہتے ہیں سچی محبت' ادھر نفیس صاحب بیمار ہوئے اور اُدھر عینی بی بی کا دل بے چین ہوا اور انہوں نے فون کرلیا''۔ زبیدہ نے کہا۔

''شکر ہے کہ عینی بی بی خیریت سے ہیں' ان کی کوئی خیر خبر تو ملی''۔ شوکت نے کہا۔

''کیا پتا وہ عینی بی بی نہ ہوں اور خیریت اب کہاں رہی ہوگی' نفیس صاحب کی بیماری کا سن کر تو ان کا دل ڈوب گیا ہوگا' اللہ انہیں سلامت رکھے''۔

''آمین''۔ شوکت نے کہا۔

''تو خیال رکھنا فون کا میں جاتا ہوں''۔

☆

''نفیس! سوپ پی لیجئے''۔ عینی کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

''عینی!'' وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھے اور ان کا تصور ٹوٹ گیا۔

''عینی بھی آجائے گی بیٹا! لو تم یہ سوپ پی لو''۔ سمیرہ بیگم نے سوپ کا چمچ بھر کر پیار سے کہا۔

''پھپھو جان! ابھی تو عینی یہیں تھی' کہاں گئی وہ؟'' نفیس نے دلگیر لہجے میں کہا۔

''عینی اب بھی یہیں ہے وہ کہاں جاسکتی ہے ہمیں چھوڑ کر' لو شاباش سوپ پی لو چندا''۔ سمیرہ بیگم نے بہت حوصلے سے عینی کی جدائی کو برداشت کرتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر بے بسی اور کرب سے بولے۔

"میرا دل گھبرا رہا ہے پھپھو! اللہ جانے عینی کس حال میں ہوگی' مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ مجھے بلا رہی ہے وہ بہت تکلیف میں ہے پھپھو! پلیز دعا کریں اس کے لئے' دعا کریں میرے لئے مجھے عینی مل جائے"۔

"نفیس بیٹا! میں ماں ہوں عینی کی پھر بھی اس کی جدائی' اس کا دکھ سہہ رہی ہوں' تیرے دل کا حال تو اللہ جانتا ہے' وہی میری بچی کی حفاظت کرنے والا ہے' میں تو ہر پل اس کی خیریت کی دعا مانگ رہی ہوں اور میری بچی کی زندگی اور خوشی بھی تو تم سے وابستہ ہے' تمہاری فکر مجھے عینی سے کم تو نہیں ہے بیٹا! لو سوپ پی لو' مجھ میں تم لوگوں کے غم دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہے بچے"۔ سمیرہ بیگم نے روتے ہوئے کہا تو نفیس نے ان کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کر دیئے۔

"اللہ آپ کا سایہ ہم پر سلامت رکھے پھپھو! آپ بہت بہادر ہیں' عینی بھی بہت بہادر ہے"۔ نفیس نے پُرنم آواز میں کہا پھر سمیرہ بیگم نے انہیں سوپ پلایا۔

"سر! ایک بات ہے سوچ رہا ہوں آپ کو بتاؤں یا چھپا لوں"۔ شوکت نے رات کے وقت ان سب کے جانے کے بعد کہا۔

"بتا دو یار! ویسے بھی اب چھپانے کو کیا بچا ہے؟" نفیس نے زخمی لہجے میں کہا۔

"سر! صبح گھر کسی لڑکی کا فون آیا تھا وہ آپ کا پوچھ رہی تھی"۔

"میرا پوچھ رہی تھی؟ ہوگی کوئی آفس یا فیکٹری کی ورکر' میری خیریت جاننے کے لئے فون کیا ہوگا"۔ نفیس نے مدھم آواز میں کہا۔

"انہوں نے خیریت تو پوچھی تھی لیکن......"

"تم نے ان کا نام نہیں پوچھا؟" نفیس بولے۔

"پوچھا تھا سر! وہ کہنے لگیں کہ میں نفیس صاحب کی قریبی عزیزہ ہوں"۔

"قریبی عزیزہ"۔ نفیس کا دھیان فوراً عینی کی طرف گیا۔

"جی سر! اور مجھے ان کی آواز سے لگا کہ وہ...... عینی بی بی تھیں"۔

"عینی......" نفیس بے قرار ہو کر اٹھنے لگے۔

"کیا کہا تھا اس نے؟ تم نے میرے بارے میں نہیں بتایا اسے"۔

"میں نے بتایا تھا سر! کہ آپ کو دل کا دورہ پڑا ہے اور آپ اسپتال میں ہیں' وہ تو سنتے ہی جیسے صدمے میں چلی گئی تھیں' بہت مشکل سے بات کر سکیں اور مجھے لگا کہ وہ رو رہی ہیں' آپ لیٹ جائیں سر"۔ شوکت نے انہیں پکڑ کر لٹاتے ہوئے کہا' وہ نڈھال سے ہو گئے تھے' ان کا پورا بدن دُکھ رہا تھا۔

"شوکت! اب اگر اس کا فون آئے تو اسے کہنا کہ واپس آ جائے اور میرا موبائل کہاں ہے؟ ایک نمبر ملاؤ فوراً"۔ نفیس نے بہت مدھم اور تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"سر! موبائل تو نعیم صاحب کے پاس ہے' لیجئے وہ آ گئے"۔ شوکت نے بتایا' نعیم بھائی اسی وقت کمرے میں داخل ہوئے تھے' اپنے ذکر پر پوچھا۔

"کیا ہوا خیریت؟"

"نعیم یار! ٹیلی فون ایکسچینج میں جو اپنا واقف ہے کیا نام ہے اس کا؟"

"رشید ہمدانی کی بات کر رہے ہو"۔ نعیم بھائی نے پوچھا۔

"ہاں اس کا نمبر ملاؤ اور اس سے کہو کہ میرے گھر کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا دے اور ہر کال کا نمبر نوٹ کرے کوئی کال مس نہیں ہونی چاہئے"۔ نفیس نے سنجیدہ اور کمزور لہجے میں کہا۔

"او کے' میں کہہ دیتا ہوں' لیکن آبزرویشن کیوں لگوا رہے ہو؟ کوئی خطرہ ہے کیا؟"

"ہاں مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے"۔ نفیس کا جملہ معنی خیز تھا' نعیم بھائی پریشان سے ہو گئے اور ان کی آنکھیں بند کر لینے پر رشید ہمدانی کا نمبر ملانے لگے۔

☆

"نفیس! کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟" اگلی صبح کنول بھی ان کے سامنے ہمت کر کے آ ہی گئیں اور شرمندگی سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سانس لے رہا ہوں' دیکھو یہ بھی کب تک ساتھ رہتی ہے"۔

"نفیس! آپ کو میری عمر بھی لگ جائے"۔ کنول نے تڑپ کر کہا۔

"تم سے میں اب کچھ بھی نہیں لینا چاہتا کنول! جو کچھ تم دے چکی ہو وہی بہت ہے میرے لئے"۔ نفیس نے معنی بات کہی' وہ رونے لگیں۔

"نفیس میاں! تم نے بغیر ثبوت کے ہم پر الزام لگا دیا کہ تصویریں ہم نے بنوائی ہیں' وہ لڑکی عینی نہیں ہے تو آخر کون ہے وہ بتاؤ ذرا"۔ سلمٰی بیگم اب بھی اپنی چالاکی سے باز نہ آئیں۔

"آنٹی جی! لندن جیسی جگہ پر ایسی سینکڑوں لڑکیاں آپ کو مل سکتی ہیں جو حیا سے عاری اور نفس کی پجاری ہوں گی' دو چار پونڈ دے کر بھی آپ کسی بھی گوری سے ایسی بے ہودہ تصاویر بنوا سکتی ہیں' وکی' بنٹی اور وہ تیسرا شخص آئی تھنک وہ ان دونوں کا دوست قریشی ہے ان کی دوستی تو ایسی لڑکیوں سے ہی ہے۔ سائنسی ترقی کا یہی تو فائدہ ہے تکنیک کا کمال یہی تو ہے چہرہ کسی کا اور دھڑ کسی اور کا لگا کر تصویر بنوا لو اور اگلے بندے کو بدنام اور بلیک میل کر دو' یہی آپ نے کیا ہے...... اور کیا میرا آپ دونوں کی گفتگو سن لینا یقین کر لینے کے لئے کافی نہیں ہے اور میرے وفادار ملازموں نے بھی مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ آپ انہیں گھر سے نکالنا چاہ رہی تھیں' کان کھول کر سن لیجئے وہ کہیں نہیں جائیں گے' ہاں اگر آپ کو جانا ہے تو بے شک چلی جائیں اور اپنی بیٹی کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں"۔ نفیس نے مدھم مگر بے حد سنجیدہ اور ٹھوس لہجے میں کہا تو سلمٰی بیگم شرمندہ ہو گئیں۔

"نہیں نفیس پلیز! یہ ظلم نہ کریں' میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر' پلیز مجھے معاف کر دیں' میں ممی کی باتوں میں آ گئی تھی' میں آپ کے پیار میں حصے داری برداشت نہیں کر سکتی تھی' میں نے آپ کی خاطر یہ سب کچھ کیا ہے' پلیز مجھے معاف کر دیجئے"۔ کنول نے روتے ہوئے کہا۔

"تمہیں معاف کر دوں جس نے دو نہیں تین زندگیوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا' ایک ماں کو صدمے سے دوچار کیا' بھائی بہنوں کے دل درد سے بھر دیئے' تمہیں معاف کر دوں' جس نے میری معصوم بیوی کو بنا کسی قصور کے سزا دی' اسے گھر سے نکال دیا' اس کے آنسو تمہیں نہیں دکھائی دیئے تھے تو تم میرے سامنے آنسو کیوں بہا رہی ہو' پلیز چلی جاؤ' مجھے تمہاری دس گیارہ برس کی محبتوں اور خدمتوں کا خیال ہے' اپنے بچوں کا خیال ہے ورنہ میں تمہیں اس تین حرف کے بندھن سے اسی لمحے آزاد کر دیتا جس لمحے مجھ پر تمہاری حقیقت آشکار ہوئی تھی۔ تم اس گھر میں رہنا چاہو تو تمہاری مرضی' جانا چاہو تو میں تمہیں روکوں گا نہیں اور نہ ہی کبھی واپس آنے کے لئے کہوں گا۔ بہت دکھ دیا ہے تم نے مجھے' مگر میرے پاس تمہیں دینے کے لئے اب کچھ نہیں ہے معافی بھی

نہیں"، نفیس نے بے قرار اور زخمی لہجے میں کہا۔

"نفیس پلیز! خدا کے لئے اپنی عینی کے لئے، عینی کی خاطر مجھے معاف کر دیجئے"۔ کنول ان کے پاؤں تھامے لپٹ کر روتے ہوئے بولیں، وہ تڑپ گئے۔

"ہٹ جاؤ کنول! مجھے گناہ گار مت کرو، معافی چاہتی ہو تو جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا، لیکن کیا میرے معاف کر دینے سے میری یا عینی کی اذیت اور تکلیف کا ازالہ ہو جائے گا؟ کیا عینی مجھے مل جائے گی؟ کیا میرا دل پہلے کی طرح تندرست ہو جائے گا؟ بولو جواب دو، تم کیا جواب دوگی؟"، نفیس نے اپنے پاؤں پرے کرتے ہوئے انہیں ہٹا کر زخمی لہجے میں کہا۔

"نفیس! میں آپ کی محبت میں جینا چاہتی ہوں پلیز...... مجھے دل سے معاف کر دیں، پہلی غلطی سمجھ کر معاف کر دیں"۔ وہ روتے ہوئے بولیں۔

"تمہاری پہلی غلطی ہی اتنی سنگین ہے کہ میرے دل سے تمہاری عظمت کا بت گر کر پاش پاش ہو گیا ہے اور اس بت پر ضرب لگانے والی بھی تم خود ہی ہو، میں نے تمہارے ساتھ کب ناانصافی کی تھی جو تم نے مجھے اتنی بڑی سزا دے ڈالی؟ جاؤ کنول! پلیز چلی جاؤ میں تم سے اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ تم "نفیس ولا" میں پہلے کی طرح رہ سکتی ہو، تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی سوائے میری محبت کے جسے تم نے اپنی حماقت سے گنوا دیا ہے اور میں اب اختیار نہیں رکھتا کہ پہلے کی طرح تم پر محبت نچھاور کروں، سوری میرا دل تمہاری طرف سے خالی ہو چکا ہے، نہ اس میں تمہارے لئے محبت ہے نہ نفرت...... اور عزت تمہیں ملتی رہے گی کہ تم میرے بچوں کی ماں ہو، میں تمہیں بے عزت نہیں کر سکتا اور ہاں وہ تصاویر کہاں ہیں؟" نفیس نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ رہیں وہ تصاویر"، سلمٰی بیگم نے اپنے پرس میں سے تصاویر کا لفافہ نکال کر انہیں تھما دیا۔ نفیس نے ایک ایک کر کے ساری تصاویر پرزہ پرزہ کر دیں اور لفافے میں ڈال کر لفافہ کنول کو پکڑا دیا اور سنجیدہ لہجے میں بولے۔

"یہ لفافہ جلا دینا، ان جیسی تصاویر اگر اور بنا رکھی ہیں تو وہ بھی ضائع کر دو، ایسا نہ ہو کہ میرا ضبط جواب دے جائے اور میں کسی کو ضائع کر دوں، میں ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتا کہ میرا ضمیر مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا، اس لئے پلیز اب میرے ضبط کو مزید مت آزمانا"۔

"نفیس! میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں پلیز، مجھے دل سے معاف کر دیں"۔ نفیس نے ان کے آنسوؤں سے تر چہرے کو دیکھا اور سرد آہ بھر کر بولے۔

"میں تو تمہیں اپنے گھر سے نہیں نکال رہا، تم وہاں رہ سکتی ہو، رہی بات معافی کی تو میں نے تمہیں معاف کیا کنول! ان محبتوں کے طفیل جو تم نے مجھے دیں، میں نے تمہیں معاف کیا کنول! اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرمائے اور تم پر رحم کرے، مجھ پر بھی رحم کرے"۔

"تھینک یو نفیس!" وہ اپنے آنسو صاف کرتی ہوئی بیڈ سے اٹھ گئیں۔

"یہ بکے تمہارے لئے آیا ہے"۔ نعیم بھائی سرخ گلابوں کا بڑا سا بکے لئے کمرے میں داخل ہوئے تو کنول اور سلمٰی بیگم کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"کس نے بھیجا ہے؟" نفیس نے بکے پکڑتے ہوئے پوچھا تو نعیم بھائی نے بتایا۔

"اس میں چٹ لگی ہوئی ہے اس پر Q اور N لکھا ہے"۔

"Q سے کیا بنتا ہے؟" نفیس نے سوچتے ہوئے کہا، سرخ پھولوں کی خوشبو ان کی سانسوں میں پھیلتی جا رہی تھی

اور ان کے اندر ایک تازگی بھرتی جا رہی تھی۔

"لاؤ میں بکے سائیڈ پر رکھ دوں"، نعیم بھائی نے کہا۔

"نہیں یہ میرے پاس رہنے دو"، نفیس نے گلاب کے پھولوں کو اپنے سینے سے لگا کر کہا۔

"تمہارے کسی چاہنے والے نے بھیجے ہیں، سرخ گلاب تو محبت کی علامت ہوتے ہیں"، نعیم بھائی نے ان کے بستر کی چادر درست کرتے ہوئے کہا تو انہوں نے آنکھیں بند کر کے بیڈ کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ عینی کا چہرہ ان کی آنکھوں میں آسمایا۔

"پتا ہے نفیس! کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی سرخ گلاب موجود ہیں ان سارے گلاب جمع کر کے ان کا ایک بہت بڑا سا بکے بناؤں اور آپ کو گفٹ کر دوں"۔ عینی کی کہی ہوئی بات ان کے ذہن میں ریکارڈ کی طرح چل رہی تھی۔

"سرخ گلاب تو پیار کی علامت ہوتے ہیں"، نفیس نے کہا تھا۔

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں"۔ وہ ان کی گردن میں اپنی گوری گوری بانہیں حمائل کر کے بولی تھی۔

"اتنا زیادہ پیار کرتی ہو مجھ سے؟" نفیس نے اس کی محبت پر خوش ہو کر پوچھا تھا۔

"زیادہ سے بھی زیادہ...... اور کبھی میں دور گئی نا تو آپ کو سرخ گلابوں کے ذریعے اپنے پیار کا یقین دلاؤں گی، آپ کو میرے سوا کوئی اور سرخ گلاب دے ہی نہیں سکتا"۔ اس نے بہت محبت اور یقین سے پر لہجے میں کہا تھا۔

"کیوں نہیں دے سکتا؟" انہوں نے اس کی محبتوں پر نثار ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کیونکہ کسی اور کو آپ سے اتنا پیار ہو ہی نہیں سکتا جتنا پیار مجھے آپ سے ہے"۔ عینی نے بہت محبت سے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا اور وہ خوشدلی سے ہنس پڑے تھے اور اسے اس کی چاہتوں کے اس اظہار پر اپنی محبتوں کے گلابوں سے سجا دیا تھا۔

"عینی!" نفیس نے بے قرار ہو کر آنکھیں کھول دیں۔

"کیا ہوا نفیس؟" نعیم بھائی نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"نعیم! یہ سرخ گلاب مجھے عینی نے بھیجے ہیں، Q سے قرۃ العین اور N سے نفیس بنتا ہے نا"، نفیس نے بہت بے قراری کے عالم میں کہا۔

"ہاں تمہارا خیال بالکل درست ہے"، "قرۃ العین نفیس"، عینی ہی تو ہے ہماری عینی اسی شہر میں ہے شکر ہے خدایا! اس کی خیریت اور موجودگی کی خبر تو ملی"۔ نعیم بھائی نے جذباتی انداز میں خوشی سے پرنم لہجے میں کہا۔

"نعیم! اس نے گھر فون کیا تھا شوکت نے فون سنا تھا اسے میری بیماری کا پتا چل گیا ہے، یہ پھول اسی لئے تو یہاں بھیجے ہیں اس نے، کاش وہ خود آ جاتی۔ نعیم میرے بھائی! خدا کے لئے اسے ڈھونڈو، اس کے بغیر میرا زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا، پلیز اسے کہیں سے تلاش کر کے لاؤ"۔ نفیس نے نعیم بھائی کا ہاتھ پکڑ کر منت بھرے اور بھیگتے لہجے میں کہا تو انہوں نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ہمت سے کام لو میں بھی اسے ڈھونڈ رہا ہوں، تم جلدی سے صحت یاب ہو جاؤ پھر دونوں بھائی مل کر اسے تلاش کریں گے، مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں ضرور مل جائے گی، تمہاری محبت کی شدت تمہیں اس کا پتہ ضرور دے گی"۔ نعیم بھائی نے پر یقین اور پرنم لہجے میں کہا تو وہ پھولوں کو چہرے سے لگا کر رو دیئے۔

نعیم بھائی نے گھر میں سمیرہ بیگم اور ثوبیہ بھابی کو عینی کے فون اور پھولوں کا بتایا تو انہیں بھی کچھ تسلی ہوئی۔ نعیم بھائی

نے سب جگہ اس کی تلاش میں چکر لگائے مگر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اس کا فون بھی دوبارہ نہیں آیا تھا البتہ کبھی روزانہ
یس کے کمرے میں پہنچ جاتا اور اس پر "Q اور N" کی چٹ لگی ہوتی جسے دیکھ کر نفیس تڑپ اٹھتے' ان کی آنکھیں
یک جاتیں اور دل بے قرار ہو جاتا۔

☆

میڈم خدیجہ کو نفیس کی بیماری اور اسپتال میں موجودگی کا علم ہوا تو وہ ان کی عیادت کے لئے چلی آئیں۔
"نفیس بیٹا! عینی کہاں ہے؟"
"اللہ جانے کہاں ہے وہ۔ یہاں ہوتی تو شاید میں یہاں نہ ہوتا"۔ وہ دکھی لہجے میں بولے۔
"بیٹا! کیا ہوا عینی کو؟ آپ اس روز اسکول آئے تھے تو بہت پریشان تھے' کیا بات ہے مجھے بتائیں شاید میں آپ
کی کوئی مدد کر سکوں"۔ میڈم خدیجہ نے پورے خلوص سے پوچھا تو انہوں نے عینی کی ان سے بے تکلفی اور دوستی کے
والے سے سب کچھ بتا دیا۔
"آنٹی! اس روز میں عینی کی تلاش میں آپ کے پاس آیا تھا' وہ گھر سے چلی گئی ہے میرے' اپنوں نے اسے
بے ہی گھر سے بے گھر کر دیا ہے' میں تو صرف ایک گھنٹے کے لئے گھر سے باہر گیا تھا' واپس آیا تو میری دنیا ہی اجڑ
چکی تھی' میری زندگی ویران ہو چکی تھی' اس کی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی' میں بہت پریشان ہوں اس کے لئے"۔
"یہ تو بہت بری خبر سنائی آپ نے' خیر اللہ بہتر کرے گا آپ اپنے آپ کو سنبھالیں تاکہ عینی کو تلاش کر سکیں' پتا
نہیں ہم لوگ ایک دوسرے سے جیلس کیوں رہتے ہیں۔ محبتیں تو تقسیم کرنے سے بڑھتی ہیں کم تو نہیں ہوتیں'
نفرتیں ہمیشہ دکھ اور دوری کا باعث بنتی ہیں' مجھے تو حیرت ہے کہ عینی نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا کہ کنول اور ان کی
والدہ اس سے ناروا سلوک کرتی ہیں اور عینی تو بہت محبت والی بچی ہے' وہ نفرتیں کرنے اور بانٹنے کا سوچ بھی نہیں
سکتی۔ حسد اور خود غرضی سے پاک ہے میری ہونہار شاگرد' اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات آسان فرمائے۔ وہ مشکل میں
بہت ہمت سے کام لیتی تھی' میری دعا ہے کہ وہ اب بھی ہمت سے کام لے رہی ہو"۔ میڈم خدیجہ نے بہت سنجیدہ
اور نرم لہجے میں کہا۔
"آنٹی! آپ اسے اپنی بیٹی سمجھتی ہیں ناں تو بیٹی تو مشکل وقت میں ماں کے پاس ہی جاتی ہے' ایک ماں کے
پاس نہ جا سکی تو دوسری ماں کے پاس چلی گئی۔ آنٹی! اگر عینی آپ کے پاس آئے تو پلیز اس سے کہئے گا اس کے
نفیس کو موت لمحہ لمحہ اپنی طرف کھینچ رہی ہے' وہ مر رہا ہے' اسے کہئے گا واپس آ جائے' نفیس کو اس کی پاکیزگی اور
معصومیت پر روزِ اول کی طرح یقین اور اعتبار ہے' اسے کہئے گا واپس آ جائے اپنے نفیس کی خاطر واپس آ جائے'
جسے اس نے اپنی محبتوں کا عادی اور اسیر بنا دیا تھا وہ اس کے لئے تڑپ رہا ہے' اس کے بغیر نہیں جی سکتا"۔ نفیس
نے بھیگی آواز میں کہا تو میڈم خدیجہ ان کی محبت کی شدت اور بے قراری پر آبدیدہ ہو گئیں اور ان کے شانے پر
ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولیں۔
"نفیس بیٹا! محبت کرنے والے ایک دوسرے کی حالت سے بے خبر نہیں ہوتے' آپ کی یہ حالت ہے تو عینی بھی
بڑی اذیت اور کرب سے گزر رہی ہو گی' ان شاء اللہ بہت جلد عینی آپ کو مل جائے گی۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور خود کو مضبوط
بنائیں' سنبھالیں خود کو"۔
"شکریہ آنٹی!" نفیس نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔
"اب میں چلتی ہوں ان شاء اللہ پھر ملاقات ہو گی لیکن یہ ملاقات گھر پر ہونی چاہئے' اسپتال سے جلدی جلدی

فارغ ہو جائیں۔ روشان اور شایان بھی بہت اپ سیٹ ہیں آپ کی بیماری کی وجہ سے' مجھے ان ہی سے آپ کی بیماری
کا پتہ چلا تھا تو میں ملنے چلی آئی' آپ کے بیوی بچے آپ کے پاس موجود ہیں ان کی خاطر خود کو سنبھالیں"۔ میڈم
خدیجہ نے انہیں شفقت بھرے لہجے میں کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گئے۔
"یہ تو پاس ہیں' وہ جو پاس نہیں وہ بھی تو میری بیوی ہے' یا اللہ! میری بیوی اور بچے کو سلامت رکھنا' مجھ سے ملا
دینا"۔ نفیس نے گڑگڑاتے ہوئے دعا مانگی۔

☆

وہ ایک ہفتے تک اسپتال میں داخل رہے۔ اس دوران انہیں روز سرخ گلابوں کا بکے موصول ہوتا رہا۔ فون
دوبارہ نہیں آیا۔ نعیم بھائی' ہمیرہ بیگم' ثوبیہ بھابی' گھر کے ملازم بھی ابا کی تیمارداری میں لگے رہے۔ کنول اور سلمیٰ بیگم
بھی ان سے ملنے اسپتال آتی رہیں لیکن نفیس کو ان کے سامنے چپ سی لگ جاتی۔ وہ شرمندہ شرمندہ سی ان کا حال
احوال پوچھتیں' دوا اور غذا کا پوچھتیں اور گھر چلی جاتیں۔
وہ گھر آ کر بھی چپ سے ہو کر رہ گئے تھے۔ روشان اور شایان سے پہلے کی طرح باتیں کر لیتے تھے ورنہ سارا
سارا دن اپنے کمرے میں یا اسٹڈی میں بند رہتے۔ طبیعت گھر میں بھی گھبرانے لگی تو اس روز آفس چلے آئے' کام
کے دوران بھی ان کا دھیان عینی کی طرف ہی لگا رہا۔ انہوں نے دونوں فیکٹریوں کا وزٹ دورہ کیا۔ ورکرز' کاریگروں
سے بات کی' سب نے انہیں صحت یابی پر مبارکباد دی' وہ شکریہ کے ساتھ مسکرا دیئے۔ اس مسکراہٹ کے پیچھے جو درد
چھپا تھا وہ وہی محسوس کر سکتے تھے۔
میز پر عینی کا دیا ہوا دل کی شکل کا پیپر ویٹ رکھا جگمگا رہا تھا' نفیس نے اسے اٹھا کر دونوں ہاتھوں میں ایسے بند
کر لیا جیسے عینی کی محبت کو بند کر لیا ہو اور اس کے باہر نکل جانے کا ڈر ہو' کچھ دیر بعد انہوں نے بند ہاتھوں کو کھول کر
پیپر ویٹ کو دیکھا۔
"نفیس! میرے دل میں بھی آپ کی محبت کے یہ سارے رنگ موجود ہیں' پلیز ان رنگوں کو بکھرنے مت دیجئے
گا"۔ پیپر ویٹ میں تیرتے دل کی شکل کے موتیوں کو دیکھتے ہوئے انہیں عینی کی بات پھر سے یاد آ گئی اور وہ بے چین
ہو کر کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے مخاطب کرتے ہوئے پُرنم لہجے میں بولے۔
"عینی! میں تو خود بکھر کر رہ گیا ہوں' تمہاری محبت کے ان رنگوں کو سنبھال نہیں سکا میں' میں بہت ٹوٹ گیا ہوں بکھر
گیا ہوں"۔
شام ڈھل چکی تھی۔ روشان نے گھر سے فون کیا تو وہ گھر کے لئے روانہ ہوئے اور جاتے وقت وہ پیپر ویٹ بھی
اٹھا کر ساتھ لے گئے' اس خیال سے کہ کہیں ان کی عینی کی محبت بھری یہ نشانی آفس میں گم نہ ہو جائے' گر کر ٹوٹ نہ
جائے۔ گھر آ کر انہوں نے پیپر ویٹ اپنے اسٹڈی روم میں اسٹڈی ٹیبل پر رکھ دیا۔
"پاپا! آپ ماما کے لئے پریشان ہیں ناں؟" شان نے ان کے پاس آ کر کہا۔
"جی بیٹا! آپ کے پاپا آپ کی ماما کے لئے بہت پریشان ہیں"۔ انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔
"پاپا! ہمیں معلوم ہے نانو اور ممی نے ماما کو گھر سے نکالا ہے وہ بہت ظالم ہیں"۔
"شان! نہیں میری جان' ممی کو ایسے نہیں کہتے"۔ نفیس نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اسی وقت کنول وہاں
آنے لگی تھیں دروازے پر ہی رک گئیں۔ نفیس کی بات نے انہیں اور بھی شرمندہ کر دیا۔ وہ انہیں بچوں کی نظروں میں
معتبر رکھنا اور دیکھنا چاہتے تھے۔

''پاپا! ہماری ماما تو بہت پیار کرتی تھیں ہم سے' وہ تو ممی سے جھگڑتی بھی نہیں تھیں' پھر بھی ممی نے ان کو نانو کے ساتھ مل کر گھر سے نکال دیا''۔

''بیٹا! بڑے جو کہتے ہیں چھوٹے وہی کرتے ہیں' آپ کی نانو بڑی ہیں انہوں نے ممی کو صحیح بات نہیں بتائی' اچھی بات نہیں سکھائی' لیکن اب وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہیں اور جسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اسے معاف کر دینا چاہیے اس سے شکایت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا' کیونکہ جو نقصان ہو جاتا ہے وہ ہو جاتا ہے اس کا ازالہ کون کر سکتا ہے''۔ نفیس نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھایا۔

''پاپا! آپ ماما کو ڈھونڈیں نا پلیز پاپا''۔ شان نے روتے ہوئے کہا۔

''کہاں ڈھونڈوں میں اسے' ہر جگہ تو ڈھونڈ چکا' وہ دل میں تو رہتی ہے مگر سامنے نہیں آتی' ٹھیک کہتی تھی عینی کہ میرے دل میں صرف اس کا تصور سما سکتا ہے وہ خود نہیں' اسے میں دل میں رکھ سکتا تو یوں گم نہ ہوتی وہ''۔ پُرنم آواز میں وہ بولے تو کنول شرمندگی اور احساسِ جرم میں گھری اپنے بیڈ روم میں آ گئیں۔

''میں نے نفیس کو اتنا بڑا دکھ دیا' صدمہ پہنچایا لیکن وہ مجھے برا نہیں کہہ رہے۔ ایک ہی بار غصے میں بولے اور پھر چپ ہی ہو گئے' میں نے ان کی محبت کے لئے یہ سب کیا تھا اب ان ہی کی نظروں سے گر چکی ہوں۔ کیا نہیں دیا تھا انہوں نے مجھے' میری کہیں بھی تو حق تلفی نہیں کی تھی۔ میں ناحق عینی سے جلتی رہی' اسے ظلم کا نشانہ بناتی رہی' اس سے معافی کیسے مانگوں گی میں؟ مجھے تو اب زندہ ہی نہیں رہنا چاہیے' مر جانا چاہیے مجھے۔ یہ مجھے کیا ہو گیا تھا میں اتنا گر گئی تھی کہ عینی کو بنا قصور کے سزا دیتی رہی' اس کی آہ نہ لگے مجھے یا اللہ! مجھے معاف کر دے۔ عینی مل جائے میں اس سے معافی مانگ لوں گی' میں تو سب کی نظروں میں گر گئی ہوں۔ زندگی بھر کی شرمندگی اور پچھتاوا میرے ساتھ ہے اب تو' یہ میں نے کیا کر دیا؟ کیوں نہیں سوچا سمجھا؟'' کنول رو رو کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کر رہی تھیں۔ پچھتاوے کی آگ میں جل رہی تھیں۔ انہیں تو اس سارے عرصے میں ایک پل بھی سکون نصیب نہیں ہوا تھا' سوتے جاگتے انہیں اپنی اس حرکت پر' عینی کے ساتھ کی گئی ہر زیادتی پر رونا آتا۔ ان کا ضمیر انہیں ملامت کرتا' وہ رو رو کر اللہ سے معافی مانگتیں پھر بھی دل کو سکون اور اطمینان نہیں مل پاتا۔ عینی کے بارے میں سوچ سوچ کر انہیں اپنی زندگی سے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی اور ان کا دل چاہتا کہ وہ خود کو ختم کر لیں تاکہ اس احساسِ جرم' احساسِ ندامت' احساسِ ذلت سے نجات مل سکے۔ ایسی ہی کیفیت میں انہوں نے اس رات خواب آور گولیوں کی بھاری مقدار کھانے کی کوشش کی' وہ تو عین وقت پر نفیس کمرے میں داخل ہو گئے' ان کی نظر کنول کے ہاتھ میں جمع گولیوں پر پڑی تو ڈپٹ کر پوچھا۔

''یہ تم کیا کر رہی ہو؟''

''مر رہی ہوں' میں سب کی نظروں میں گر چکی ہوں' زندہ نہیں رہنا چاہتی''۔ وہ روتے ہوئے بولیں تو نفیس کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی' انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس حد تک بھی جا سکتی ہیں' وہ بے دم سے ہو گئے۔

''پہلے مجھے مار دو پھر خود بھی زہر کھا لینا' کچھ سوچا ہے تم نے کہ بچوں کا کیا بنے گا؟ اس گھر کی عزت جو میں نے عینی نے نجانے کس کس طرح سے بچا کر رکھی ہوئی ہے اسے خاک میں ملانا چاہتی ہو''۔ وہ غصیلے لہجے میں بولے۔

''میں...... اپنی زندگی سے سب سے شرمندہ ہوں''۔ وہ روتے ہوئے بولیں۔

''دنیا تو خراب کر لی اب آخرت بھی خراب کرنا چاہتی ہو' مجھے خوشی نہیں دے سکتیں تو خدارا یہ غم بھی مت دو' بہت شوق ہے تمہیں مرنے کا' پہلے سوچا ہوتا' اس معصوم پر ظلم کرتے وقت تمہیں خیال نہ آیا کہ جھوٹ ایک دن ضرور پکڑا

جاتا ہے' ظلم و زیادتی کرنے کی سزا ضرور ملتی ہے''۔

''مجھے نہیں چاہیے یہ سزا پلیز مجھے مرنے دیں' میں ہر لمحہ مر رہی ہوں احساسِ جرم اور احساسِ ندامت مجھے ہر پل مارتا ہے' میں ایک ہی بار مرنا چاہتی ہوں''۔ کنول نے روتے' چیختے ہوئے کہا۔

''تم مرنا چاہتی ہو''۔ نفیس نے دکھ اور غصے سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا اور نجانے انہیں کیا ہوا کہ انہوں نے ایک زوردار طمانچہ ان کے گال پر جڑ دیا۔

''نفیس!'' کنول نے روتے ہوئے اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر بہت حیرت سے انہیں دیکھا وہ غصے سے سرخ ہو رہے تھے۔

''اب اگر تم نے کوئی فضول بات کہی یا ایسی ویسی کوئی حرکت کی تو میں خود تمہیں مار دوں گا' سنا تم نے''۔ نفیس نے غصے سے چیخ کر کہا اور وہ گولیاں ان پر پھینک کر چلے گئے۔ کنول کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور انہوں نے سکون کا سانس لے کر اپنے آنسو پونچھ لئے۔

☆

ٹرن...... ٹرن...... ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ شوکت نے سبزی اور پھلوں کی ٹوکری زبیدہ کو پکڑانے کے بعد ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو''۔

''نفیس صاحب سے بات کرا دیں''۔ دوسری جانب وہی مانوس سی نسوانی آواز تھی۔

''جی صاحب تو ابھی گھر نہیں آئے' کوئی پیغام ہو تو بتا دیجیے''۔ شوکت نے کہا۔

''پیغام کوئی نہیں ہے بس ان کی خیریت معلوم کرنی تھی' کیا حال ہے اب ان کا؟''

''اللہ کا شکر ہے جی! اب تو بہت بہتر ہیں لیکن پریشان اور اداس رہتے ہیں' اپنی فکر ہی نہیں کرتے''۔ شوکت کو لگا کہ وہ عینی ہے اس لئے اس انداز میں بات بتائی' دوسری جانب چند سیکنڈ خاموشی چھائی رہی۔

''ان سے کہیں کہ جس کے خیال میں گم ہیں اس کی خاطر اپنا خیال بھی رکھا کریں''۔ اس جملے کے بعد لائٹ کٹ گئی۔ شوکت ''ہیلو ہیلو'' کرتا رہ گیا۔

''صاحب جی آ گئے ہیں ابا!'' آمنہ جو گیٹ کھول کر آئی تھی اندر آ کر بولی۔

''سر! ان کا فون آیا تھا ابھی وہی تھیں''۔ شوکت نے نفیس کو دیکھتے ہی بتایا۔

''کون عینی؟'' نفیس نے اس کی مبہم بات کو فوراً سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''جی سر! وہی تھیں نام نہیں بتایا' آپ کی خیریت پوچھی اور کہا کہ جس کے خیال میں گم ہیں اس کی خاطر اپنا خیال بھی رکھا کریں''۔

''اوہ عینی ویئر آر یو؟ پلیز کم بیک''۔ نفیس نے بے قرار لہجے میں کہا اور ٹیلی فون ایکسچینج میں رشید ہمدانی کا نمبر ملایا۔

''ہیلو رشید وعلیکم السلام! میں نفیس بات کر رہا ہوں' کیا حال ہے؟''

''اچھا سنو! ابھی جو کال آئی ہے میرے ٹیلی فون نمبر پر اس کا نمبر اور ایڈریس نوٹ کر کے مجھے بتاؤ پلیز ابھی فوراً' ہاں میں ہولڈ کرتا ہوں''۔

نفیس بے چینی سے اپنا موبائل کان سے لگائے لاؤنج میں ٹہل رہے تھے۔ شوکت' زبیدہ اور آمنہ بھی انہیں

پریشانی کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔

"ہاں کیا نمبر ہے؟" نفیس نے لکھنے کے لئے اپنی پاکٹ ڈائری نکالتے ہوئے پوچھا۔

"کیا پی سی او کا نمبر ہے' کس کا ہے یہ پی سی او؟ اچھا اسلام آباد کے پی سی او کا نمبر ہے یہ' او کے۔ نہیں تم چیک رکھنا اور مجھے انفارم کرتے رہنا' ہاں سب ٹھیک ہے' یہ نمبر میں نے لکھ لیا ہے تھینک یو اللہ حافظ"۔ نفیس نے موبائل آف کر دیا اور شوکت کی طرف دیکھا۔

"سر! حوصلہ رکھیں' شکر ہے یہ تو پتہ چل گیا کہ عینی بی بی اسلام آباد میں ہیں' اللہ نے چاہا تو ان کے ٹھکانے کا نمبر بھی معلوم ہو جائے گا"۔ شوکت نے تسلی دی۔

"انشاء اللہ تم تینوں دھیان رکھنا کوئی کال مس نہیں کرنا"۔

"ہم دھیان رکھیں گے صاحب جی!" زبیدہ نے کہا تو نفیس نے کہا۔

"زبیدہ بی بی اچھی سی چائے تو بناؤ' بہت تھک گیا ہوں آج"۔

"ابھی لائی صاحب جی!" زبیدہ تیزی سے کچن کی طرف چلی گئی۔

آمنہ اور شوکت بھی اپنے اپنے کام سے لگ گئے۔ نفیس چینج کر کے بچوں کے پاس آ گئے۔ کنول ان کے لئے رات کا کھانا تیار کر رہی تھیں۔ سلمیٰ بیگم نفیس کے اسپتال سے گھر شفٹ ہونے کے تین دن بعد واپس لندن چلی گئی تھیں۔ سب نے اپنے اپنے معمول کے کام شروع کر دیئے تھے۔ کنول اب نفیس کا خیال رکھنے میں جت گئی تھیں' ان کے کپڑوں کا خیال رکھتیں' ان کے لیے پرہیزی کھانا خود پکاتیں' بچے اسکول باقاعدگی سے جا رہے تھے' پڑھائی میں اچھے تھے لیکن عینی جو گھر میں انہیں پڑھایا کرتی تھی وہ اسے بہت مس کرتے تھے۔ اب کنول خود بچوں کو ہوم ورک کراتیں' اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنے کی وہ پوری کوشش کر رہی تھیں۔

☆

دو ماہ گزر گئے تھے عینی کو گئے ہوئے۔ سب کے معمولات جاری تھے۔ نفیس بھی آفس اب باقاعدگی سے جانے لگے تھے۔ "عظیم ہاؤس" والے اور "نفیس ولا" میں نفیس عینی کو نہیں بھلا پائے تھے۔ سمیرہ بیگم "عظیم ہاؤس" میں سب سے زیادہ عینی کے لئے تڑپتی تھیں' بیمار بھی رہنے لگی تھیں۔ "نفیس ولا" میں نفیس تھے جو کام میں مصروف رہتے پھر بھی ان کا دل اور دھیان عینی میں اٹکا رہتا۔

وہ آفس سے جلدی گھر آ گئے تھے۔ لان کی سیڑھیوں پر آمنہ کو کتاب کھولے روتے دیکھ کر ٹھٹک گئے اور اس کے قریب آ کر شفقت سے پوچھا۔

"آمنہ بیٹی! آپ رو کیوں رہی ہیں' کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟"

"نہیں صاحب جی! مجھے تو عینی باجی یاد آ رہی ہیں' وہ مجھے پڑھاتی تھیں ناں"۔ اس نے روتے ہوئے بتایا تو وہ نرمی سے بولے۔

"وہ تو سب کے پاس اپنی خوشگوار یادیں چھوڑ گئی ہے آمنہ! تم پڑھائی کرو اگر کچھ سمجھ میں نہ آئے تو مجھ سے پوچھ لینا یا کنول سے پوچھ لینا"۔

"شکریہ صاحب جی"۔ اس نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"صاحب جی نہیں انکل تم مجھے انکل کہہ سکتی ہو"۔ نفیس نے نرمی سے کہا۔

"انکل"۔ وہ حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کیوں کیا میں تمہارا انکل نہیں بن سکتا؟" نفیس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آپ تو بڑے آدمی ہیں اور بہت اچھے انسان ہیں' آپ میرے انکل بن جائیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی"۔ آمنہ نے خوش ہو کر کہا۔

"جیتی رہو اور خوب دل لگا کر پڑھو"۔ نفیس نے اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر کہا۔

"پڑھوں گی تو میں ضرور کیونکہ عینی باجی نے جاتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ اپنا وقت ضائع مت کرنا' پڑھائی جاری رکھنا اور امتحان ضرور دینا"۔

"وہ سب کی فکر کرتی چلی گئی اور اب خود بھی تو امتحان سے گزر رہی ہے"۔ نفیس نے دکھی ہو کر کہا۔

"انکل! میں نے خواب میں دیکھا تھا عینی باجی دلہن بن کر گھر واپس آ گئی ہیں"۔ آمنہ نے خوش ہو کر بتایا۔

"اللہ تمہارا خواب مبارک کرے بیٹا!" نفیس نے اس کے معصوم چہرے پر نگاہ ڈال کر کہا اور دل کی بے کلی کے ہاتھوں مجبور ہو کر واپس باہر جانے کے لئے مڑے تو روشی اور شان انہیں "پاپا پاپا" پکارتے دوڑے چلے آئے۔

"کیا کر رہے تھے آپ دونوں؟" نفیس نے دونوں کو اپنی بانہوں میں لے کر پیار کر کے پوچھا تو دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

"آپ کا انتظار کر رہے تھے پاپا! ہمیں آئسکریم کھلانے لے جائیں"۔

"ضرور کیوں نہیں چلیں بیٹھیں گاڑی میں"۔ نفیس نے محبت سے کہا۔

"تھینک یو پاپا!" دونوں نے خوش ہو کر کہا اور ان کے رخساروں پر بوسے دیئے۔

"تم بھی آ جاؤ کنول!" نفیس کی پیچھے کھڑی کنول پر نظر پڑی تو خوشدلی سے کہا۔

"آپ کچھ دیر آرام کر لیتے' بعد میں چلے جاتے"۔ کنول نے اپنائیت سے کہا۔

"بچوں کے ساتھ آرام ہی آرام ہے' آؤ بیٹھو' چلو بچو بیٹھو"۔ نفیس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا' دونوں بچے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کنول نفیس کے برابر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئیں' آج وہ بہت خوش تھیں کہ نفیس نے خود سے انہیں اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا تھا۔

روشی اور شان راستے میں نفیس سے اسکول اور اپنے فرینڈز کی باتیں کرتے رہے۔ نفیس اپنا درد چھپائے مسکراتے' ہنستے بولتے رہے۔ انہیں ان کی پسند کی آئسکریم کھلائی۔

"سمندر پر جانے کا موڈ ہے بچو؟" نفیس نے دونوں سے پوچھا۔

"جی چلیں پاپا! آج سمندر سے سیپیاں چنیں گے"۔ شان نے خوش ہو کر کہا۔

"میں ریت کا گھر بھی بناؤں گی"۔ روشی نے نفیس کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

"بیٹا! ریت کا گھر تو بنتے ہی ٹوٹ جاتا ہے' گھر تو پیار سے بنتا ہے اعتبار سے قائم رہتا ہے"۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے اس کے ننھے منے ہاتھ چوم کر کہا تو کنول شرمندہ سی ہو گئیں' حالانکہ انہوں نے ان پر طنز نہیں کیا تھا اور نہ مقصد انہیں سنانا تھا' وہ تو اپنی سوچ اور تجربے کی بات کر رہے تھے۔

"جی پاپا"۔ روشی کی سمجھ میں بات آئی تھی یا نہیں مگر وہ خوش ہو کر بولی۔

"چلو سمندر پر چلتے ہیں"۔ نفیس نے انہیں گاڑی میں بٹھایا اور سمندر کے راستے پر سفر کرنے لگے۔ کنول بہت کم بول رہی تھیں' نفیس بھی بلا ضرورت ان سے بات نہیں کر رہے تھے' بظاہر وہ ان کے درمیان تھے لیکن ذہنی اور دلی طور پر وہ عینی کے پاس تھے' اسے سوچ رہے اور اسے کھوج رہے تھے۔

کلفٹن پہنچتے ہی بچے گاڑی سے اتر کر پانی کی طرف بھاگے۔

"بیٹا! دھیان سے زیادہ دور نہیں جانا پانی زیادہ ہے"۔ نفیس نے پیچھے سے ہی انہیں ہدایت جاری کی۔

"اوکے پاپا"۔ دونوں نے مڑ کر جواب دیا۔

نفیس اور کنول بھی خاموشی سے سمندر کے کنارے چلنے لگے۔ دونوں خاموش تھے اور کنول سوچ رہی تھیں کہ یہ خاموشی کیا ساری زندگی ان کے ساتھ رہے گی؟ پہلے کتنی باتیں ہوتی تھیں ان کے درمیان کرنے والی، سننے، بتانے، کہنے والی وہ دنیا جہان کی باتیں کیا کرتے تھے، لیکن اب وہ اس طرح لب سیئے ایک دوسرے کے ساتھ چل رہے تھے جیسے وہ ساری باتیں کہہ اور سن چکے ہیں اب ان کے پاس کہنے اور سننے کو کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ کنول کو اپنی غلطی کی بہت بڑی سزا ملی تھی اور مل رہی تھی، انہیں نفیس کا اعتبار توڑنے اور ان کا پیار کھونے کا بے حد ملال تھا۔ ان کی آنکھیں ایک بار پھر بھیگنے لگیں۔ وہ نفیس کے ساتھ چل رہی تھیں قدم سے قدم ملا کر لیکن کتنے دور تھے وہ ان سے، کتنے وسیع اور طویل فاصلے ان کے بیچ حائل ہو گئے تھے۔ اجنبیت کی ایک ان دیکھی خلیج ان کے درمیان آ گئی تھی جسے پار کرنا کنول کے بس میں نہیں تھا اور نفیس نے تو انہیں معاف کر کے انہیں اور بھی زیادہ شرمندہ اور بے بس کر دیا تھا۔

"کنول! کیا یہ سمندر کا پانی کم نہیں ہے ڈوبنے کے لئے جو اپنی کنول سی آنکھوں میں سمندر اتار لائی ہو، کیا سوچتی رہتی ہو ہر وقت؟" نفیس نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا تو انہیں قدرے حوصلہ اور اطمینان ہوا وہ بولے تو سہی۔

"اپنی غلطی پر کڑھتی رہتی ہوں"۔ کنول نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اپنی غلطی کا اعتراف کرنا، اس پر آنسو بہانا اچھی بات ہے، لیکن اپنی زندگی کو ہر وقت اس احساس میں رکھنا اچھی بات نہیں ہے، آئندہ کے لئے بہتر سوچنا اور بہتر عمل کرنا چاہیے۔ ایک غلطی، ایک خطا اور ایک جرم کو ساری زندگی پر حاوی کرنا حماقت ہے، زندگی اور وقت کو ضائع کرنے کے بجائے مثبت عمل کرنا چاہیے۔ معافی، توبہ اور آئندہ کے لئے نیک عمل کرنے سے احساسِ جرم کا مداوا ہو جاتا ہے دل کو سکون بھی مل جاتا ہے"۔ نفیس نے انہیں بہت سنجیدہ اور نرم لہجے میں سمجھایا۔

"میرے دل کو سکون اس وقت ملے گا جب عینی مل جائے گی اور مجھے معاف کر دے گی، میں نے آپ کا سکون بھی تو برباد کر دیا ہے"۔ وہ پُرنم لہجے میں بولیں۔

"عینی تمہیں معاف کر دے گی مجھے یقین ہے، وہ ضرور معاف کر دے گی تمہیں لیکن کیا تم اسے بڑی بہن بن کر دکھا سکو گی، اسے وہ پیار اور اپنائیت دے سکو گی جو تمہیں دینا چاہیے تھی اسے؟" نفیس نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں، اس پر تو مجھے پہلے بھی بے اختیار پیار آتا تھا، میں بھٹک گئی تھی۔ وہ بہت معصوم اور مخلص لڑکی ہے، میں آپ کا وقت اور پیار کسی سے شیئر نہیں کر سکتی تھی اس لئے اُس سے دشمنی کر بیٹھی، ممی کی باتوں نے مجھے مزید اُکسایا اور......" وہ بولتے بولتے رو پڑیں۔

"کنول! آنسو پونچھ لو، لوگ کیا سوچیں گے، کم آن چیئر اَپ"۔ نفیس نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا تو وہ آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرا دیں۔

"دیٹس اٹ، چلو بچوں کو آواز دو وہ دور نکل گئے ہیں کھیلتے کھیلتے"۔

"میں انہیں بلا لاتی ہوں"۔ کنول نے کہا اور روشی اور شان کی طرف چلی گئیں۔

نفیس سمندر کے کنارے پر کھڑے تھے، سمندر کی مضطرب لہریں ان کے ٹخنوں تک آ آ کر سر پٹخ رہی تھیں، انہوں نے کنول اور بچوں کی طرف دیکھا، کنول بھی بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی تھیں۔ نفیس کو عینی بھی ان کے ساتھ کھیلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"کیا نہیں ہے میرے پاس، گھر، گاڑی، دولت، بزنس، بیوی بچے ہر نعمت تو میرے پاس موجود ہے، ہر آسائش مجھے میسر ہے پھر بھی میں بے کل، بے سکون اور بے قرار ہوں کس لئے؟ کس کے لئے؟ عینی کے لئے اس کی محبت کے لئے......" نفیس نے دل میں کہا اور پھر بے آواز بولے۔

"عینی!"

وہ عینی کے ساتھ بھی ساحل سمندر پر آئے تھے انہیں اس کے ساتھ کے وہ لمحات یاد آنے لگے۔

"اے لڑکی! کیا دیکھ رہی ہو؟" عینی سمندر کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی تو انہوں نے اس کے سامنے چٹکی بجا کر پوچھا تھا۔

"دیکھ رہی ہوں کے اس سمندر کی وسعت اور گہرائی زیادہ ہے یا میرے پیار کی"۔ اس نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"کس پیار کی؟" انہوں نے شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس پیار کی جو مجھے آپ سے ہے"۔ اس نے شرمگیں مسکان لبوں پر سجا کر کہا تھا۔

"تمہارے پیار کا سمندر تو اس سمندر سے بھی چھوٹا ہوگا"۔ انہوں نے مذاق سے کہا تو اُس نے ان کے بازو پر مکہ مار کر پوچھا تھا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"بھئی دیکھو نا اگر تو تمہارے پیار کا سمندر ہوتا تو میں اب تک اس میں ڈوب چکا ہوتا، کیونکہ ایسا نہیں ہے اس لئے میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں"۔ انہوں نے مذاق اور شرارت سے اسے چھیڑتے ہوئے کہا اور وہ پیار بھری خفگی سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا یہ بات ہے نا تو دیکھ لیجئے گا جس دن میں آپ سے دور چلی گئی نا تب آپ کو معلوم اور محسوس ہوگا کہ میرے پیار کے اَن دیکھے سمندر میں آپ سر سے پاؤں تک ڈوب چکے ہیں، اگر ایسا نہیں ہوا ناں تو...... یا تو آپ کو مجھ سے پیار نہیں ہوگا یا پھر میری ہی محبت میں کوئی کمی ہوگی"۔

"تمہاری محبت پر میں کبھی بھی شک نہیں کر سکتا جان!" نفیس نے اس کا ہاتھ تھام کر بہت محبت سے کہا تو وہ ہنس کر بولی تھی۔

"پھر تو آپ مارے گئے"۔

"عینی جانو! مارے ہی تو گئے ہیں ہم، تم تو اپنی ہر بات اپنے ساتھ ہونے والے سلوک کی روشنی میں کرتی رہیں اور اس کا سچ وہ حقیقت مجھے فیس کرنا پڑ رہی ہے، ہاں میں اقرار کرتا ہوں عینی! تمہارے پیار کے اَن دیکھے سمندر میں، میں ڈوب چکا ہوں، مجھے تو تب بھی اعتراف تھا، نہ تمہاری محبت میں کمی ہے نہ میرے پیار میں کوئی کھوٹ، جبھی تو روح کو چین ہے نہ دل کو قرار۔ لوٹ آؤ میری جان لوٹ آؤ"۔ نفیس نے اسے دل میں مخاطب کرتے ہوئے کہا اور دکھ اور بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں۔

"چلیں پاپا! شام ہوگئی ہے"۔ روشی اور شان کی آواز پر انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور مسکرا کر ڈوبتے سورج کو سمندر کی آغوش میں چھپتا دیکھ کر بولے۔

"شام تو ہوگئی ہے بیٹا! صبح نجانے کب ہوگی؟"

"شام کے بعد رات ہوگی پھر صبح ہوگی پاپا!" روشی نے کہا۔

"یہ رات ہی تو نہیں کٹتی' بہت طویل ہو جاتی ہے"۔ نفیس نے معنی خیز لہجے میں کہا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ کنول پہلے ہی گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔ واپسی پر انہوں نے برگر کی فرمائش کر دی۔ نفیس نے دونوں کو برگر لے کر دیا اور آمنہ کے لئے بھی ایک برگر پیک کرا لیا۔

"آمنہ بیٹا! یہ لو یہ تمہارے لئے ہے"۔ انہوں نے گھر آ کر اسے برگر دیا تو وہ بہت خوش ہوئی۔ کنول کو یہ بہت عجیب لگا مگر وہ کہنے کی ہمت نہ کر سکیں۔

"شکریہ انکل جی"۔ اس نے برگر لے کر خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! جاؤ کھاؤ اور اپنا کام کرو"۔ نفیس نے شفقت سے کہا۔

"کنول! یہ بھی بچی ہے اور بچے سب کے ایک سے ہوتے ہیں' ہم اگر حیثیت میں زیادہ ہیں تو ہمیں ان کا خیال رکھنا چاہیے' یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اور چیزیں انہیں بہت خوشی اور اپنی اہمیت کا احساس دلاتی ہیں' ہمارا کیا جاتا ہے دعائیں' محبتیں اور مسرتیں ہی تو بدلے میں ملتی ہیں ناں' یہ تو لینا ہی لینا ہے"۔ نفیس جو کنول کے چہرے سے ان کے تاثرات سے ان کی سوچ پڑھ چکے تھے آمنہ کے جانے کے بعد انہیں نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولے تو وہ شرمندہ ہوگئیں۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں' ہم اگر کچھ دیتے بھی ہیں تو اس کے بدلے میں ہمیں بہت کچھ اللہ کی طرف سے مل بھی جاتا ہے"۔ کنول نے سنجیدگی سے کہا۔

"اس لئے شکر اور صبر سے کام لینا چاہیے"۔ نفیس نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دیں۔

☆

"عظیم ہاؤس" میں خوشیوں کی چہل پہل شروع ہوگئی تھی۔ ندا کے ہاں دو جڑواں بچوں نے جنم لیا تھا' ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی اور ردا بھی امید سے تھی' یہ ساری خوشیاں بھی عینی کی کمی پوری نہیں کر سکیں تھیں۔ ردا اور سمیرہ بیگم تو بہت روئیں اسے یاد کر کے۔ نفیس کی فیملی بھی وہاں موجود تھی۔ کنول سے کسی نے باز پرس نہیں کی' کسی نے انہیں برا بھلا نہیں کہا۔ نفیس کا اس خوشیوں بھرے آنگن میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا' ان کی خوشی تو عینی کے ملنے پر مکمل ہو سکتی تھی' وہ بے سکون "عظیم ہاؤس" سے بھی چلے آئے۔ گاڑی یونہی بے مقصد سڑکوں پر گھماتے رہے۔ دل کی بے قراری تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ انہیں عینی بہت شدت سے یاد آ رہی تھی۔

"میری باکردار بیوی میری عینی بھی تو ماں بننے والی تھی' نجانے کیا ہوا ہوگا وہ کس حال میں ہوگی؟ میرا بچہ کس حال میں ہوگا؟ عینی کے پاس تو رقم بھی نہیں تھی نہ اس نے اپنے بینک اکاؤنٹ سے کوئی رقم نکلوائی' کیسے گزر اوقات کر رہی ہوگی وہ...... اور وہ اسلام آباد کیسے پہنچ گئی؟ کس کے پاس چلی گئی' عینی جانو! واپس آ جاؤ پلیز۔ میں نے کہا تھا ناں تم سے کے تمہاری دوری میرے دل کی دیواروں میں دراڑیں ڈال دے گی' دیکھ لو عینی! میرا دل تمہارے غم میں کمزور پڑ گیا ہے' تم جانتی ہو پھر بھی نہیں آتیں' مجھے ہی اپنے پاس بلا لو میں خود تمہیں لینے آ جاؤں گا۔ تمہیں دیکھے بغیر مجھے سکون ہے نہ قرار"۔

(جاری ہے)

نایاب حسین

افسانہ

بارش، اُمید اور عہد

''اے بھائی روپیہ ہے' بھائی روپیہ ہے''۔ وہ ہر ایک کے سامنے ہاتھ پھیلائے ایک ہی سوال کیے جا رہی تھی' اُمید نے اس کو بہت حیرت سے دیکھا۔

''رکھی یہ کون ہے؟'' اس نے اپنے ساتھ موجو



ل سے پوچھا۔

''چھوٹی بی بی! یہ جھلی ہے جی' نزدیک کے گاؤں رہنے والی ہے' کبھی کبھار شہر بھی چلی آتی ہے بے چاری''۔ رکھی نے ساتھ چلتے ہوئے اسے تفصیل ای۔ اُمید کی نگاہیں بار بار اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں' عجب پاگل پن تھا' اس شدید گرمی میں بھی اس نے چار سے پانچ قمیصیں تو پہن رکھی تھیں' شکل و صورت سے کافی اچھی دکھائی دے رہی تھی مگر نجانے کن حالات کے تحت وہ اس نوبت تک پہنچی تھی' اُمید نے تاسف سے سوچا۔ وہ جھلی اب اُن کی طرف آ رہی تھی۔

''چلیں بی بی! ڈرائیور انتظار کر رہا ہے''۔ رکھی نے سامنے کی طرف اشارہ کیا جہاں ڈرائیور بمع گاڑی کے موجود تھا۔ وہ دونوں تیزی سے آگے بڑھیں۔ گھر پہنچ کر بھی اس کے حواسوں پر وہ پاگل ہی چھائی رہی۔

شام کو وہ جب سو کر اٹھی تو اُسی وقت حمزہ کی کال آ گئی جسے اس نے دل پر پتھر رکھ کر ریسیو کیا۔

''تم نے کیا سوچا مسز؟'' حمزہ کی چہکتی ہوئی آواز اس وقت اُسے زہر سے بھی زیادہ بری لگی۔

''میرا جواب اب بھی وہی ہے' میں کبھی بھی تمہیں دوسری شادی کی اجازت نہیں دے سکتی''۔ وہ اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے بولی وگرنہ آنکھیں تو برسنے کو تیار تھیں۔

''اُمید! یہ مت بھولو کہ میں بغیر اجازت کے بھی شادی کر سکتا ہوں اور تمہارے پاس سے دعا اور شزا کو لے کر بھی جا سکتا ہوں''۔ حمزہ نے دوسری چال چلی۔

''وہ دونوں میری بیٹیاں ہیں اور میں انہیں کبھی بھی تمہارے حوالے نہیں کروں گی''۔ اس نے روتے ہوئے فون بند کر کے دور پھینکا اور چہرے پر ہاتھ رکھے رونے لگی' تبھی رکھی دروازہ ناک کر کے کمرے میں داخل ہوئی۔

''دعا اور شزا واپس آ گئیں؟'' اس نے رکھی سے بچیوں کے متعلق پوچھا۔

''نہیں بی بی جی! بڑے صاحب ایک گھنٹے تک کا کہہ کر گئے تھے' آنے والے ہی ہوں گے''۔ وہ چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی تو اُمید نے ایک گہرا سانس بھرا۔

''بی بی! آپ پریشان نہ ہوں اللہ خیر کرے گا۔ حمزہ صاحب کی تو مت ماری گئی ہے' آپ جیسی بیوی کے ہوتے ہوئے انہیں دوسری شادی کی بھلا کیا ضرورت ہے''۔ رکھی ہمدردانہ لہجے میں بولی۔

''پتہ نہیں رکھی! کچھ ٹھیک ہو گا بھی یا نہیں' حمزہ کو وارث چاہیے جو میں اَب اس کو نہیں دے سکتی''۔ اُمید افسردگی سے بولی۔

''جانے مرد کیوں اپنا عہد بھول جاتا ہے' محبت میں دکھ صرف عورت کو ہی کیوں ملتا ہے' وہ اکیلی کیوں نارسائی کا بوجھ سہتی ہے''۔ وہ کام میں مصروف رکھی کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

☆

''ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل جاؤ''۔ قاسم اس وقت کسی درندے کی طرح غرا رہا تھا۔

''دیکھو ایسا مت کرو' میں اس وقت کہاں جاؤں گی' میرا تو اس گھر کے علاوہ کوئی گھر نہیں' اس بھری دنیا میں کوئی بھی میرا نہیں''۔ وہ گڑگڑا رہی تھی' دونوں بچے سامنے ہی سہمے کھڑے تھے اور ماں کو روتا ہوا دیکھ رہے تھے' قاسم نے ایک جھٹکے سے اُسے پرے کیا تو اس کا سر دیوار سے جا لگا' ماتھے سے بہتا خون بھی اس پتھر انسان کو موم نہ کر سکا۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے' میری زندگی عذاب بنا دی ہے''۔ وہ اسے گھسیٹتے ہوئے گیٹ تک لے آیا۔

''یہ عورت تمہیں کہیں کا نہ چھوڑے گی قاسم! مت اپنا گھر برباد کرو''۔ وہ روتے ہوئے بولی مگر جواب میں

قاسم نے اسے گیٹ سے نکال باہر کیا اور ساتھ ہی دروازہ بند کر دیا' وہ بند دروازے کو کھٹکھٹانے لگی' اندر سے بچوں کے رونے کی آوازیں بھی ماں کے ساتھ شامل ہو گئیں۔

''قاسم! کب تک یہ ڈرامہ چلے گا؟'' وحیدہ ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے بولی' چیخ و پکار کی آوازیں اس کی نازک مزاجی پر گراں گزر رہی تھیں' مسلسل دروازہ بج رہا تھا۔

''میرے بچے تو مجھے دے دو' اللہ کے واسطے میرے بچے تو مجھے دے دو''۔ پارو بلک بلک کر روئے جا رہی تھی اور اس کے لبوں پر صرف ایک ہی فریاد تھی۔

قاسم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا' تبھی غصے سے باہر کی طرف بڑھا' دروازہ کھلا تو پارو کو یوں لگا تھا جیسے اس شخص کو رحم آ گیا ہو۔

''اللہ کے واسطے مجھے اس گھر سے مت نکالو''۔ وہ دونوں ہاتھ باندھے اس کے سامنے بیٹھی تھی اور اپنے اُس قاسم کو ڈھونڈ رہی تھی جس نے پارس سے محبت کی تھی' وہ قاسم جس نے پارس سے ایک عہد کیا تھا۔

''قاسم! مجھے محبت کے ساتھ عزت بھی چاہیے' مجھے کبھی کم ذات ہونے کا طعنہ مت دینا''۔ اور قاسم اس کی یہ بات سن کر کتنا ہنسا تھا۔

''میں تمہاری عزت کرتا ہوں پارس! اور تبھی تمہیں اپنی عزت بنا رہا ہوں' میری محبت پر کبھی شک مت کرنا' یہ صرف تمہاری ہے''۔ وہ اُس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے بولا' یوں وہ ایک عہد لے کر اس کی زندگی میں شامل ہوئی مگر یہ عہد نہ پورا ہوا' وہ اپنے اعلیٰ طبقے کے زعم میں جلد ہی گرفتار ہو گیا' وحیدہ کب اُس کی زندگی میں شامل ہوئی کہ قاسم کی زندگی میں پارس کی جگہ ہی نہ رہی۔

''گھٹیا عورت تم ابھی تک گئی نہیں؟'' اس نے پارو کے بالوں کو شدید جھٹکا دیا' پارس دل کی خوش فہمی اور اپنی بے بسی پر رو دی۔

''دیکھو! مجھے میرے بچے دے دو میں چلی جاؤں گی''۔ اب وہ اس کے قدموں میں گری تھی۔

''بچے تو کیا میں تمہیں ایک روپیہ بھی نہیں دوں گا' کان کھول کر سن لو کچھ بھی نہیں دوں گا''۔ وہ وحشی انداز میں بار بار انہی لفظوں کی تکرار کر رہا تھا' اور پارس اسے بنا پلکیں جھپکائے دیکھتی گئی۔ اس کے دل و دماغ پر تو صرف ایک ہی فقرہ گونج رہا تھا۔

''ایک روپیہ بھی نہیں دوں گا''۔ اور پھر یہ اس کی پہچان بن گیا۔ دماغی توازن خراب ہونے سے وہ پارس سے پارو بن گئی ''جھلی پارو''۔

* * *

''عورت ہی کیوں دھوکا کھاتی ہے' کبھی محبت کے نام پر' کبھی عزت کے نام پر''۔ اس نے بھی تو حمزہ سے محبت کی تھی' اپنے دل کی تمام شدتوں سے اسے چاہا تھا' اور حمزہ بھی تو اسے کتنا چاہتا تھا مگر انجام کیا ہوا' دو بیٹیوں کی ماں ہونے کا جرم اس کے کھاتے میں ڈال دیا گیا' اب وہ اس سے دوسری شادی کی اجازت مانگ رہا تھا اور اجازت نہ ملنے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکیاں بھی دے ڈالیں' جن میں سرفہرست دعا اور شزا کو ملک سے باہر لے جانے کی دھمکی تھی' وہ کیا کرتی' نہ وہ حمزہ کو کسی سے شیئر کر سکتی تھی اور نہ بیٹیوں کی جدائی برداشت کر سکتی تھی۔ وہ بند کمرے میں مقید اپنے آپ سے لڑ رہی تھی' تبھی دروازہ کھول کر دعا اور شزا اندر آئیں۔

''سیر کر کے واپس آ گئے آپ نانا کے ساتھ؟'' اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے ان سے پوچھا۔

''جی ماما! ہم آپ کے لیے چاکلیٹ بھی لائے ہیں''۔ شزا نے ایک چاکلیٹ اسے پکڑاتے ہوئے کہا جس کو اُس نے آرام سے تھام لیا۔

''ماما! یہ پاپا نے دلائی ہے''۔ دعا فوراً بولی' تو اُمید

نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''وہ کہاں ملے آپ دونوں کو؟'' امید نے تیزی سے پوچھا۔

''ماما! مارکیٹ میں پاپا ملے تھے' ماما ہم گھر واپس کب جائیں گے؟'' 6 سالہ شزا نے اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''چلے جائیں گے مگر ابھی آپ دونوں اپنے کمرے میں جاؤ''۔ وہ بدقت خود کو کمپوز کرتے ہوئے بولی تو وہ بھی فوراً اٹھ گئیں۔

''حمزہ! تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا''۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے بولی' آنسوؤں نے باہر کا رستہ دیکھ لیا تھا۔

* * *

آج بہت دنوں بعد اسے پھر سے پارو نظر آئی' ہر ایک سے ایک ہی سوال کرتی۔

''اے بھائی روپیہ ہے''۔ وہ دم بخود اس عورت کو دیکھے گئی' نجانے کیسی کشش اسے اُس میں محسوس ہوئی تھی۔

''رکھی! تم کیا جانتی ہو پارو کے بارے میں؟ اس کے ساتھ ایسا کیا ہوا کہ یہ ایسی ہو گئی؟'' امید نے رکھی سے پوچھا۔

''کیا بتاؤں بی بی جی! نصیبوں جلی ہے بے چاری' نہ ماں نہ باپ' اس بے چاری کا تو اس بھری دنیا میں کوئی نہیں' کوئی ٹھکانہ نہیں' جہاں رات پڑتی ہے سو رہتی ہے''۔ رکھی دکھ سے بولتے ہوئے اسے پارو پر بیتی روداد سنانے لگی۔

* * *

''نہیں مجھے پارس نہیں بننا' نہیں...... میں اپنی بچیوں کے بغیر مر جاؤں گی حمزہ......'' پارس پر بیتی جب اُمید نے سنی تو اس کے ذہن پر کافی دنوں تک خوف کی کیفیت چھائی رہی' اور آج اس ذہنی دباؤ نے اپنا اثر کر دکھایا' رکھی کو جب امید کے شدید انداز میں چیخنے کی آوازیں سنائی دیں تو وہ اس کے کمرے میں دوڑی چلی آئی' مگر اسے اس حالت میں دیکھ کر فوراً مرزا صاحب کے کمرے کی طرف بھاگی' فوراً ہی اسے ہاسپٹل لے جایا گیا' شدید قسم کے ذہنی دباؤ کی وجہ سے اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

دعا اور شزا گھر پر رکھی کے ساتھ ہی تھیں' دونوں بچیاں ماں کی حالت دیکھ کر سہم سی گئی تھیں' دعا نے حمزہ کو کال کر کے روتے ہوئے ماں کی حالت کا بتایا اور پھر رکھی سے تمام تفصیل جان کر حقیقی معنوں میں وہ بھی شاکڈ سا ہو گیا۔

* * *

''پارس......!'' وہ اس عورت کو اس حال میں بھی پہچان گیا۔

''یہ...... یہ......'' اس کی زبان نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا' ایک دو لوگوں نے رُک کر اس ویل ڈریس شخص کو گومگو کیفیت میں دیکھا جو حیران نظروں سے اس جھلی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''کیوں صاحب جی! آپ کی اس جھلی سے کوئی پرانی واقفیت ہے؟'' ایک آوارہ سے لڑکے نے خباثت سے پوچھا' تو حمزہ کا غصہ اس کے چہرے سے چھلکنے لگا' تبھی وہ لڑکا وہاں سے کھسک گیا۔

''ایکسکیوزمی کیا آپ اس عورت کے بارے میں جانتے ہیں' کچھ بتا سکتے ہیں؟'' اس نے تہذیب سے ایک پاس سے گزرتے بزرگ سے پوچھا۔

''بیٹا! یہ پارو جھلی ہے' بے چاری کا اس بھری دنیا میں کوئی نہیں' اس کے شوہر نے بڑی زیادتی کی' طلاق دے کر دونوں بیٹے بھی چھین لیے' اسی صدمے سے بے چاری ذہنی توازن کھو بیٹھی''۔ وہ بزرگ اسے تفصیل بتا کر آگے بڑھ گئے مگر حمزہ کے قدموں سے حقیقی معنوں میں آج زمین سرکی۔

قاسم اس کا جگری دوست جس نے خاندان کی مخالفت لے کر اپنے گاؤں کے ایک غریب شخص کی

بیٹی پارس سے شادی کی۔ اللہ نے دو خوبصورت سے بیٹے دیئے' پھر نجانے کیسے اور کیوں کوئی اور عورت اس کی زندگی میں چلی آئی' پہلی محبت کا خمار جلد ہی آنکھوں سے اتر گیا۔ وہ اس حد تک گزر جائے گا یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا' آج وہ جان پایا تھا کہ قاسم اتنی عبرت ناک موت کا شکار کیوں ہوا کہ اس کی لاش تک کی شناخت نہ ہوسکی مگر اس ایکسیڈنٹ میں وہ دو معصوم بچے بھی اس کے ساتھ ہی راہِ عدم کے سفر پر روانہ ہوئے تھے۔

''یہ عورت پاگل نہ ہوتی تو کیا ہوتی' اس کے پاس بچا ہی کیا تھا''۔ حمزہ کو آج حقیقی معنوں میں خود سے بھی نفرت محسوس ہوئی' بھلا قاسم اور اس میں فرق ہی کیا تھا' وہ بھی تو ایک عورت کو پاگل پن کے دوراہے پر لے آیا تھا' اسے خود پر تاسف ہوا۔

☆

وہ جب ہاسپٹل پہنچا تو مرزا صاحب سے اس کی ملاقات آئی سی یو کے باہر ہوئی کیونکہ اندر جانے کی اجازت نہ تھی' دعا اور شزا بھاگتی ہوئی باپ تک آئیں اور باپ سے لپٹ گئیں' وہ انہیں ساتھ لیے آگے بڑھا۔

''انکل! اُمید اب کیسی ہے؟'' حمزہ نے نگاہیں چراتے ہوئے پوچھا۔

''اندر جا کر خود دیکھ لو''۔ مرزا صاحب شزا اور دعا کو ساتھ لئے باہر کی طرف چل دیئے تو وہ نیم جاں قدموں سے آگے بڑھا۔

اس نے گلاس ڈور سے امید کو دیکھا جو آنکھیں بند کیے بے سدھ پڑی تھی' دو گھنٹے بعد اس کی طبیعت بہتر ہونے پر اسے روم میں شفٹ کر دیا گیا مگر ابھی بھی وہ سکون آور انجکشن کے زیرِ اثر سو رہی تھی' حمزہ آج تیسرے دن بھی یہیں ہاسپٹل میں موجود تھا' اُمید نے سستی سے آنکھیں کھولنی چاہیں۔

''اُمید! اب کیسی ہو تم؟'' حمزہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

''حمزہ! مجھے پارو نہیں بننا' مجھے پارو بننے سے بچالو''۔ اُمید کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ اس کی روح پر تازیانے کی طرح لگے' حمزہ کی زبان گنگ سی ہوگئی۔

''مجھے اپنی بچیوں کے ساتھ رہنا ہے' تم مرد ایسا کیوں کرتے ہو؟ یہ تم لوگوں کی کیسی محبت ہے؟ جس کا انجام پاگل پن ہے' مجھے اس پاگل پن سے بچالو''۔ حمزہ کا ہاتھ تھامے وہ بلک بلک کر رو دی' وہ تو پہلے ہی پارس کو دیکھ کر اُمید سے اپنے رویے پر شرمندہ تھا' رہی سہی کسر اُمید کے الفاظ نے پوری کر دی تھی' پارس نے حقیقی معنوں میں اس کی آنکھوں سے دوسری شادی کا خیال نکال دیا تھا۔

''آئی ایم سوری اُمید!'' آج ایک مرد نے ایک عورت کو پاگل پن سے بچالیا تھا۔

''میں تمہیں چھوڑ کر کسی کا نہیں ہوسکتا' تم ہی میری پہلی اور آخری محبت ہو' حمزہ محبت کا عہد ضرور نبھائے گا''۔ مسکراتے لبوں اور بھیگی آنکھوں سے حمزہ نے اعتراف کیا' اُمید اندر تک شانت ہوگئی۔

''تم سچ کہہ رہے ہو' تم دوسری شادی تو نہیں کرو گے ناں؟'' اُمید ڈبڈبائی آنکھوں سے بولی' حمزہ نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کبھی نہیں''۔ مضبوطی سے اس کے ہاتھوں کو تھامے حمزہ یقین سے بولا تبھی دعا اور شزا بھاگتی ہوئی کمرے میں آئیں۔

''ماما...... پاپا......'' دعا اور شزا کی زندگی سے بھرپور آواز نے انہیں زندگی کا احساس شدت سے دلایا' کمرہ ان چاروں کی خوشیوں بھری آوازوں سے مہک اٹھا' مگر وہ دونوں اپنی خوشی میں پارس کو نہیں بھولے تھے' اسے زندگی کی طرف لے کر آنے کا دونوں ہی خود سے عہد کر چکے تھے اور اس عہد کو ضرور پورا ہونا تھا۔

☆

انعم خان

قسط نمبر 13

مکمل ناول

اس دل میں بس ہوئے

''پلیز!'' جھٹکے سے کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹاتی وہ سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمہاری خاموشی تمہاری سماعت کے سامنے دیوار نہیں بن سکتی اور ابھی تو شروعات ہے' دیکھتے ہیں میری چال تمہاری خاموشی کو توڑتی ہے یا تم اپنے ڈرامے سے سب نارمل رکھنے کی سعی کرتی رہوگی''۔ وہ رکھائی و سنجیدگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ماہی بالآخر پے درپے واروں سے جھنجلاہٹ کا شکار ہوئی۔

''سب آپ کے جیسے نہیں ہوتے' میں نے آج تک جو کیا وہ آپ کے لیے نہیں کیا' باقی سب کے لئے کیا ہے۔ خاندان اور اپنے گھر والوں کی عزت عزیز ہے مجھے' رشتوں کا پاس رکھنے کے لیے آپ کی اعلیٰ ظرفی سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے' نہ میں آپ جیسی ہوں نہ مجھے ڈرامے رچانے کا کوئی شوق ہے''۔ وہ پھٹ پڑی تھی البتہ آواز دھیمی اور لہجہ قابو میں تھا۔ مراد منصور کا قہقہہ یکدم کمرے کی فضا میں گونجا۔

''چلو شوق نہ سہی پر چپ کا قفل تو بالآخر ٹوٹا''۔ اس کے قریب جا کر چہرے پر آئی لٹ کو انگلی سے چھوتے ہوئے وہ دلفریب انداز میں بولا۔ ماہی نے دو قدم پیچھے کیے۔

''دور کیوں بھاگ رہی ہو مجھ سے؟ تمہیں چھونے' تم سے بات کرنے کا شرعی و قانونی حق رکھتا ہوں میری جان''۔ ٹون وہی رکھتے ہوئے لہجے میں طنزیہ چاہت بھرا استحقاق ظاہر کرتا وہ مسرور سا ہوا۔ بازو ماہی کی کمر کے گرد حمائل کرتا وہ گرفت مضبوط کر چکا تھا۔ ماہی اس کی حرکت پر کلبلاتی' کوفت میں مبتلا تھی۔



”کیسی محبت کرتی ہو مجھ سے؟“ اس کی مسلسل حرکت پر وہ معنوی زدھے پن سے استفسار کرنے لگا۔

”پلیز چھوڑیں مجھے“۔ وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی قدرے سخت و مضبوط آواز میں بولی۔

”دو دن کی دلہن ہو اور شوہر سے یوں بھاگ رہی ہو جیسے اس شادی میں تمہاری مرضی نہیں گھر والوں کی زبردستی شامل ہو“۔ وہ فل موڈ میں تھا۔

”پسند“ کا پہلا طعنہ ماہی نے کڑوے گھونٹ کی طرح پیا۔ اس معاملے میں وہ مراد کے ہاتھوں ذلیل نہیں ہونا چاہتی تھی اس نے مراد کی چال سے بے خبر نا سمجھی میں پیار کیا تھا۔ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا بولنا بے سود تھا۔ ضبط کرتی وہ اپنے آنسو روک رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے شدید رونا آتا تھا مگر ان تین دنوں میں اپنے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی پر خود کو رونے سے باز رکھا وہ مراد منصور کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔

”آج تمہارا پیارا بھائی نہیں آیا تمہاری خوشیوں میں شریک ہونے میں تو انتظار ہی کرتا رہا کب تم دونوں کا سامنا ہوگا اور میں تمہاری آنکھوں میں اس کے لیے نفرت دیکھوں گا“۔ مراد نے کچھ یاد آنے پر اسے پھر سے مخاطب کیا ساتھ ہی اسے اپنی مضبوط گرفت سے آزاد کیا۔

وقار عین وقت پر ولیمہ اٹینڈ کرنے کے بجائے اسپتال گیا تھا اس کے دوست کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا البتہ ماہی نے سانس بحال کرتے ہوئے برجستہ جواب دیا۔

”یہ موقع میں آپ کو کبھی نہیں دوں گی نہیں کرتی میں اپنے بھائی سے نفرت وہ میرے لیے اب بھی معتبر ہیں“۔ پختہ لہجے میں اگرچہ اس نے خود سے جھوٹ بولا تھا مگر یہ جھوٹ بولنا اس نے اُس لمحے ضروری سمجھا تھا۔ مراد کو تاؤ دلانا چاہ رہی تھی وہ۔ مراد سے خائف اپنی بے بسی کو لے کر وقار سے ان گزرے تین دنوں میں بے پناہ شکوے اس کو ہوئے تھے مگر وہ مراد پر اپنے بھائی سے ناراضی ظاہر نہیں کر سکی تھی۔

”البتہ آپ سے محبت کی جو غلطی مجھ سے سرزد ہوئی ہے اس کا خمیازہ بھگتنے کے بعد اب میری آنکھوں میں آپ کے لیے نہ کوئی سپنے ہیں نہ میرے دل میں آپ کے لیے اعتبار کی کوئی رمق باقی ہے“۔ بات جاری رکھے وہ دوٹوک کہتی آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اور بے دردی و غصے کے ملے جلے تاثرات سے تمام زیور اتارنے لگی۔

مراد کو اس کی بات ہضم نہیں ہوئی انا پسند بندہ تھا اپنے مقصد کی راہ میں دراڑ کیسے برداشت کرتا؟ فوراً سے اس کے سر پر پہنچا اور بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنی طرف موڑا۔

”اپنی آنکھوں میں تمہیں میرے خواب سجانے ہوں گے اپنے دل میں میری محبت کو زندہ رکھو گی تم..... عروش کو منہ توڑ جواب دینا ہے میں نے سمجھیں تم“۔ تنفر و تحکم سے کہتا اس کی آنکھوں میں گھورنے لگا۔

ماہی چپ توڑنے کے بعد مراد کا یہ روپ دیکھ کر محو حیرت ہوئی۔

”اسے جواب دینے میں مجھے کوئی مطلب نہیں“۔ پھر ریلیکس ہو کر جواب دیا۔

”ایک بات میں تمہیں بتادوں امہ روش! میرے سامنے زیادہ فضول اور عروش کے متعلق کچھ غلط بولنے کی غلطی کبھی مت کرنا میں یہ دونوں باتیں برداشت نہیں کر سکتا“۔ جواباً وہ اسے وارن کرتا بیڈ پر آلیٹا۔

مہ روش کچھ نہ بولی۔ تمام زیور اتارنے کے بعد سمیٹ کر ایک جگہ رکھے پھر الماری سے سادہ سا سوٹ نکال کر ڈریس چینج کرنے واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا۔ مراد سے بحث فی الحال وہ کرنا نہیں چاہ رہی تھی چاہ کر بھی وہ اس کڑوی حقیقت کے سامنے سے بھاگ نہیں سکتی تھی۔

زندگی میں پہلی مرتبہ خود کو اتنا بے بس و مجبور پایا تھا اس نے اور شومئی قسمت کے مقابل بھی وہ شخص تھا جس سے اس نے کئی بار اپنی چاہت کا اقرار کیا تھا۔

”کیوں نہیں سمجھ سکتی عورت مرد کی فطرت کو؟ مرد کی سوچ میں کیوں عورت بے وقوف بن جاتی ہے؟“ چہرے سے میک اپ اتارتی وہ گہرے افسوس میں غرق ہوئی۔

بہت سی باتوں کے ساتھ ایک سوچ ”مرد و عورت“ سے متعلق بھی ہلکورے لے کر اس کے ذہن میں جاگی تھی۔ عورت خود کو بہت سمجھدار تصور کرتی ہے مگر درحقیقت مرد کے شاطر دماغ کے سامنے اس کی ساری سمجھ بوجھ ریت کے ٹیلے کی طرح ہوتی ہے جسے باآسانی عرش سے فرش پر پٹخا جا سکتا ہے۔ عورت کی محبت محض کسی اق کی طرح ہوتی ہے جسے مرد یا تو سیریس لے لیتا ہے یا اس مذاق کو مذاق بنا کر عورت کے لئے اذیت ناک بنا دیتا ہے۔

مہ روش میک اپ اتارنے کے بعد منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ اس لمحے واش روم سے باہر نکلنے کو اس کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا کہ باہر مراد اپنی غرض کی خاطر اس کا منتظر ہوگا مگر اب اندر وہ کب تک رہتی۔ بچاؤ تو اب ناممکن تھا توقف کے بعد باہر نکلی کمرے میں سکوت تھا جو اسے دیکھتے ہی مراد نے توڑا۔

”اتنا انتظار چاہنے والوں کو نہیں کرواتے ڈیئر! بہت ظالم ہو تم میں کب سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں اور تم ایک نظر بھی نہیں دیکھ رہیں“۔ مراد نے ایک اور تیر اپنی فتح و برتری کا اس پر پھینکا۔ انداز میں غصہ تو نہ تھا مگر جس لگاوٹ کا تاثر اس نے دیا تھا وہ مہ روش کو زہر لگی تھی۔

”مجھے اگنور کر کے تم اپنا ہی نقصان کرو گی سو......“ مہ روش کو مسلسل دوسری جانب رخ موڑے دیکھ کر وہ اپنے فطری غصے کو روک نہ پایا اور جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

”پلیز......!“

”آئندہ جان بوجھ کر مجھے اتنا انتظار کروانے کی غلطی مت کرنا نہ یوں مجھے نظر انداز کیا جانا برداشت ہوگا“۔ اس نے صاف لفظوں میں اس پر واضح کیا۔

مہ روش ایک مرتبہ پھر خاموش رہی تھی البتہ اس کا دل اندر سے کلس کر رہ گیا تھا جبکہ مراد منصور پرسکون رات گزارنے کی مکمل تیاری میں تھا۔

☆

زندگی واقعی ایک پھول کی طرح ہے جس میں محبت وہ کانٹا ہے جو صرف درد دیتا ہے۔ دل میں پیوست ہو کر خواہشوں اور سپنوں کی خوشبو نچوڑ لیتا ہے۔ سانس لینا محال جینا عذاب کر دیتا ہے۔ محبت کا ڈسا دن کرب کے سمندر میں گزارتا ہے اور راتیں ہجر کی آگ میں جھلستے ہوئے گزارتا ہے مگر اس کے علاوہ بھی سنبھلنے کا ایک سرا اُس شخص کے اختیار میں ہوتا ہے۔ خود کو ایک حد میں محدود کیا جا سکتا ہے نہ ساری زندگی کا روگ پالا جا سکتا ہے غم اگرچہ بہت گہرا ہوتا ہے مگر اس سے نکلنے کی راہ محصور نہیں ہوتی۔ کہیں نہ کہیں سے کوئی راہ نکل آتی ہے۔

جسے عشق کی انتہا سے زیادہ چاہا جائے بے شک اسے بھولنا مشکل و دشوار نہیں ناممکن ہوتا ہے لیکن امید کی ساری کشتیاں جل جانے کے باوجود بعض اوقات اندھیرے میں محض ایک دیا روشن ہو جائے تو رنجشوں کی اذیت میں جکڑا دل سنبھل جاتا ہے۔ آنکھوں کے بجھتے چراغ روشنی کی جستجو میں مگن ہو ہی جاتے ہیں اور ویسے بھی مایوسی کسی کے لیے بھلے کی ہوتی کہاں ہے کہ ناامیدی سے پہلو بھر لیے جائیں۔ کتنے بھی حالات ذات کے گرد تنگ کیوں نہ ہوں

الجھنوں کا جال سلجھاؤ کی راہ ہموار کرنے کی سوچ پیدا کر دیتا ہے۔

علی آیان حسن گیلانی اپنے آپ سے آشنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے دل' جسم و روح سے مستبشرہ جمال کو الگ نہیں کر سکتا' اس کا عشق سچا تھا' جذبے بے لوث تھے جبھی مستبشرہ جمال کے فریب سے گھائل ہو کر بھی اپنے دل میں اس کے لیے کدورت نہ پال سکا۔ ابتداء میں رنج زیادہ تھا مگر تب بھی اس نے مستبشرہ کے لیے برا کہا نہ سوچا' صرف دل ہی دل میں اس سے شکوہ کناں تھا' لیکن اب وہ کسی شکوے و گلے کی پروا کیے بنا خود کو قائل کر رہا تھا۔ جو ہوا اس کے ساتھ وہ سب قسمت میں لکھا تھا' ہر ستم پر دل کراہتا رہا مگر اب وہ خود کو صابر ظاہر کرنا چاہتا تھا اپنے اندر برپا کائی و ٹھکرائے جانے کی تکلیف' آندھی و طوفان کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔

بہت سوچنے کے بعد وہ اس فیصلے پر پہنچا تھا اور اب اس فیصلے پر قائم رہتے ہوئے عمر کی مدد سے عمل پیرا ہونا چاہتا تھا کہ اب وہ اپنے لیے نہ سہی مگر خود سے جڑے رشتوں کے لیے جینا چاہتا تھا۔

☆

"اوہ...... تو اس سب کی وجہ تم ہو علی آیان حسن گیلانی"۔ پورے ایک ہفتے بعد وہ بالآخر نتیجہ اخذ کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ انکشاف اس کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔

"تم ہی تھے میری بے سکونی' بے چین راتوں کے سبب۔ سامنے نہ ہوتے ہوئے بھی ایک مرتبہ پھر تم نے میری زندگی میں دخل دیا۔ چپ چاپ دو ہفتوں سے میرا تعاقب کیا۔ میرے آس پاس نہ ہوتے ہوئے بھی میرے لیے وحشتوں کا سامان مہیا کرتے رہے' آخر کیوں علی آیان؟ کیوں لکھا یہ خط جو کسی آسیب کی طرح میرے ذہن سے چمٹ گیا ہے"۔ وہ تصور میں اس سے محوِ سوال تھی۔ ہاتھوں میں پکڑا خط اسے الجھا رہا تھا' خط پڑھنے کے بعد اس ایک ہفتے میں وہ چکرا کر رہ گئی تھی' عجب بے کلی اسے ہراساں کر رہی تھی۔

"کیوں سائے کی طرح اس ایک ہفتے میں اس کی یادیں میرے ساتھ ہیں؟ کوئی تو وجہ ہوگی؟" وہ اصل وجہ سے بے خبر تھی۔

اتنا عرصہ وہ اپنا دامن ماضی کی پرچھائیوں سے بچائے اسے بھولنے کی تگ و دو میں کامیاب رہی تھی۔ بظاہر شانت تھی اور اندر سے مطمئن تھی۔ اپنی ہی سوچ میں خود پر فخر محسوس کرتی شاداں تھی کہ اچانک سے ہواؤں کا رخ تبدیل ہوا اور اب وہ علی کی یادوں کی تیز ہواؤں کی زد میں گویا بے آسرا کھڑی تھی۔ ہار تو البتہ وہ اب بھی نہیں مان رہی تھی مگر اپنی بات' اپنے عمل کے حق بجانب ہونے پر اب بھی قائم تھی۔

"میں نے جو کیا ہم دونوں کی بھلائی اور بہتری کے لیے کیا' تمہارے جذبات اگر سچے تھے تو بابا جان سے کیا میرا وعدہ ان سے زیادہ میرے لیے اہم تھا"۔ اس کا لہجہ اب بھی مضبوط تھا' علی کے لیے اب بھی اس کے انداز میں کوئی لچک نہیں تھی نہ وہ شرمندگی فیل کر رہی تھی۔ اس کا دل ذرا برابر بھی نرم نہیں پڑ رہا تھا البتہ علی کے لیے غصہ ہنوز اس کے حواسوں پر چھایا ہوا تھا۔

"وعدہ نبھانا میری زندگی کا واحد اصل مقصد تھا' جس کی راہ میں تمہاری محبت حائل ہوئی اور جس بھی انجام کو پہنچی وہ سراسر اس کی اپنی غلطی تھی بلکہ تمہاری...... ہاں میں نے تو تمہیں مجبور نہیں کیا تھا"۔

سوال جواب کی کیفیت سے نکل کر بڑے دھڑلے سے وہ علی آیان کو اس کی محبت سمیت الزام دے گئی۔ اکتاہٹ الگ بڑھتی جا رہی تھی۔ اتنی فرصت سے تو وہ اپنے متعلق بھی کم ہی سوچتی تھی۔

"بس علی آیان حسن گیلانی! بہت ہوا' میں تمہیں مزید خود پر سوار نہیں کر سکتی"۔ جھنجھلاہٹ و بے زاریت سے

چھٹکارا پانے کے لیے وہ کڑے لفظوں میں اس سے دل میں مخاطب ہوئی۔

"میرے جواب کے بعد تم اب کس حال میں ہو' کس کیفیت میں جکڑے ہو گے مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں' میں میرے مقصد میں کامیابی کے بعد اپنی منزل پانے کے بے حد قریب ہوں' جہاں مزید مجھے آگے بڑھنا ہے بنا تمہاری یادوں کے۔ میں پشیمان نہیں ہوں میں نے اپنی ذات پر بابا جان کا اعتبار سلامت رکھنے کے لیے تمہیں تمہاری بھلائی کی خاطر محبت کے پُر فریب کھیل میں مات دی"۔ الجھن کو سلجھائے وہ حتمی قدم اٹھانے کے لیے تیار تھی۔ ابھی کے ابھی وہ اس کشمکش' کشش و پنج سے نکلنے کے لیے فیصلہ کرنے کے نزدیک تھی۔

"اور علی آیان حسن گیلانی! میں تمہارے دعوے کو غلط ثابت کر دوں گی' یہ میرا خود سے وعدہ ہے' میں کبھی بھی کسی بھی حال میں تمہیں یاد نہیں کروں گی"۔ وہ پُرعزم سوچ کے ساتھ اٹھی۔

بے شک علی کا خط پڑھنے کے بعد وہ راتوں کی بے چینی اور رت جگے سے آزاد ہوئی تھی مگر رات بھر جاگنے' وحشت زدہ ہونے سے بڑھ کر اس کے لیے یہ سچائی زیادہ اذیت و کربناک ثابت ہو رہی تھی کہ جس بے سکونی کی وجہ وہ تلاش کر رہی تھی اس کا جواب علی آیان حسن ہے۔

تنہا ہوتے ہی علی کی یادیں بنا دستک اسے احساس دلائے ستاتی تھیں' رات بھر جگاتی تھیں کہ وہ یہ ماننے پر مجبور ہو کہ اس نے وعدہ نبھانے میں کہیں نہ کہیں سفاکی کا مظاہرہ کیا ہے۔ علی کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔ اس کے اچھے کے لیے ہی سہی مگر اس کے ساتھ ناانصافی کی ہے' مگر اب سب جاننے کے باوجود اسے احساسِ ندامت نہیں ہو رہا تھا۔ واقعی مستبشرہ جمال اپنے کہے کی پکی تھی۔ علی کا آخری خط دراز میں ڈالتے ہوئے اس نے لاکٹ پر نگاہ مرکوز کی۔

"یہ لاکٹ ایک مذاق کی طرح ہے' میں اسے سنجیدہ نہیں لیتی۔ مستبشرہ علی کی کبھی نہیں ہو سکتی اور محبت تو دور کی بات رہی' میرا تمہاری طرف مائل ہونا' تمہارا خیال بھی نیند کے ادھورے خواب سے بڑھ کر کچھ نہیں"۔ ٹھوس انداز' بے لچک لہجے میں وہ اپنا ارادہ بتا گئی۔

منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی۔ گھڑی دس بجا رہی تھی' اس نے صبح سے ناشتہ نہیں کیا تھا' مگر اب ذہن بنانے کے بعد گویا چائے کی طلب بڑھ گئی تھی۔ شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر بالوں میں برش پھیرا۔

"آج آخری مرتبہ ہاں علی! آج آخری مرتبہ تمہارے تصور سے مخاطب ہوں' اس کے بعد میری سوچیں تمہارے خیال سے انجان رہیں گی' میں اپنے قدم پیچھے نہیں لے سکتی"۔ برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کھلے بالوں میں ہاتھ پھیرتی دو ٹوک بولی' پھر آہستگی سے باہر آئی۔ آج پچھلے سات دنوں سے چھائی بے زاریت چہرے سے ہٹاتی وہ بشاشت لاتی مسکراتے لبوں کے ساتھ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

ٹینشن کی وجہ سے وہ ان دنوں میں اسکول بھی نہیں گئی تھی' طبیعت خرابی کا بہانہ بنا کر وہ چھٹی پر تھی۔

"السلام وعلیکم اماں!" زہرہ بیگم کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

"وعلیکم السلام! اٹھ گئی ہو"۔ انہوں نے اسے پیار کیا۔

"جی اماں! ناشتہ تیار ہے؟" اس نے اپنی نشست سنبھالی' آج کل وہ دس بجے کے قریب ہی کمرے سے نکلتی تھی' ٹائم نوٹس میں رکھتے ہی وہ اس کے لیے ناشتہ تیار کر لیتی تھیں۔

"ہاں تیار ہے' آج کچھ طبیعت ٹھیک لگ رہی ہے تمہاری"۔ اس کے سامنے چائے و دیگر لوازمات رکھتے ہوئے وہ کہنے لگیں۔

"جی اماں!" فیصلے کے بعد اس کا ذہن بھی فریش تھا۔

"شکر اللہ کا' اپنا خیال رکھنا اب' ہر وقت کا کام ذہن پر بوجھ ڈالتا ہے"۔

"بہتر اماں جان! اس لیے آج میں سارا دن آپ کے ساتھ باتوں میں صرف کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں' کل سے انشاء اللہ اسکول بھی جاؤں گی اور ویسے بھی ایک دو ماہ تک میرے اسکول کا کام بھی مکمل ہو جائے گا"۔ وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے بتانے لگی۔

"بابا جان کیا کہتے ہیں؟ اور کتنا کام رہتا ہے؟" توقف کے بعد اس نے پوچھا۔

"بس تھوڑا سا رہتا ہے' مشارب بھی چکر وغیرہ لگاتا رہتا ہے وہاں"۔ بتاتے ہوئے انہوں نے اپنے لاڈلے بھتیجے کا ذکر کیا۔

"اچھا ہے ناں' بابا جان بھی بہت خوش ہیں اس سے"۔ وہ جواباً اتنا ہی بولی۔ زہرہ بیگم بھی اب کے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی تھیں وہ بھی خاموشی سے ناشتہ کرنے لگی۔

☆

الجھے ذہن کو وہ سلجھانا چاہ رہی تھی۔ ذہنی انتشار و قلبی الجھاؤ نے اس کے اعصاب گویا شل کر دیئے تھے۔ شادی کی رات کے بعد اس ایک ہفتے میں اس نے اپنی ذات پر عذاب جھیلا تھا اور وہ عذاب مراد کی حقیقت اور اپنی آئندہ زندگی میں مراد کی نظر میں اپنی اوقات کی صورت میں اس کی روح کو بے بسی سے روندرہا تھا۔ ایک ہفتے میں مراد نے ایک ایک لمحہ ایسا ضائع نہ ہونے دیا جب فرصت میں وہ ماہی کو ذہنی ٹارچر دے سکے۔ جذبات احساسات کی شدت کو تو وہ سوچ ہی نہ سکی' بس خاموشی سے دیکھتی رہی' مراد کی سچائی' اس کے روپ کا بہروپ' گزرے ڈھائی ماہ کی جھوٹی سچی باتوں سے اس ایک ہفتے کی تلخی کا موازنہ کرتی رہی اور اس موازنے نے اس کو جیسے نڈھال کر دیا تھا۔

جھوٹ' فریب' دھوکا' پیار کا ناٹک' بدلہ' انتقام' ٹھکرائے جانے کا ملال غبار کی مانند دل میں جمع کیے مراد منصور بناء قصور کے اسے سزا سنا گیا تھا۔

کیا وہ اس سزا کی مستحق تھی؟

مراد منصور کو ایسے سوالات اور ان سے متعلقہ جوابات دینے میں کوئی غرض اور ان میں کوئی دلچسپی نہیں تھی' دلچسپی تو اسے شاید مہ روش میں بھی نہ تھی مگر بناء دلچسپی کے اس نے اپنا سارا کھیل دلچسپ بنا دیا تھا۔ ماہی کو طغیانیوں میں دھکیلنے کے بعد وہ مطمئن تھا۔ شانت سا آئندہ کے لیے لائحہ عمل تیار کرنے میں مصروف تھا' ساتھ ہی آفس جانا بھی شروع کر دیا تھا۔

ادینہ ابھی تک میکے میں ہی تھی۔ معید بھی فی الحال واپس نہیں آیا تھا۔ ادینہ نے فون پر اس کے آنے تک میکے میں رہنے کی اجازت اس سے اور ساس سے لے لی تھی' ساس اس کی پھپھی بھی لگتی تھیں مگر قدرے تیز و تخت مزاج کی تھیں۔ کچھ اس کے شوہر معید کا بھی خاص الخاص حکم تھا کہ کہیں بھی آئے جائے خصوصاً میکے میں تو پہلے ساس سے پھر اس سے اجازت لے۔ عام روٹین میں کبھی اسے ایک ہفتے کی اجازت رہنے کے لیے نہ ملی تھی' اس مرتبہ معید بھی گھر میں نہیں تھا اور مراد کی شادی بھی تھی تو انہوں نے رہنے دیا البتہ خود وہ بھتیجے کی شادی میں بارات والے دن ہی آئی تھیں۔

مراد کے آفس جانے کے بعد کچھ دیر مہ روش' ادینہ کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی رہی پھر جب ادینہ' کلثوم بیگم

کے بلانے پر ان کے ساتھ کچن میں لنچ کی تیاری میں مدد کرنے چل دی تو مہ روش نے آہستگی سے گردن گھما کر کچن کی طرف دیکھا۔ مہ روش کو الجھن سلجھانی تھی' ذہن میں گردش کرتے سوالوں کا جواب پانا تھا۔ اس کی نظر ادینہ اور پھپھو دونوں پر پڑی' وہ گھر کے ہر فرد کا چہرہ بغور پڑھنے میں محو تھی۔ کلثوم پھپھو' ادینہ بھی اس کے قیاس کے شکی پہلو میں گردش کر رہی تھیں۔ شاہدہ پھپھو ولیمے کے بعد فیملی سمیت واپس جا چکی تھیں۔ مراد بھی آفس میں تھا۔ شاہزیب کے دوسرے روز اس نے دانستہ باقی افراد پر غور نہیں کیا تھا مگر اسے تصدیق چاہیے تھی۔

اس کے ساتھ جو ہوا اُس کا اصل ذمے دار' پلانر تو مراد منصور تھا مگر کیا مراد کو ماہی کی زندگی داؤ پر لگانے میں سپورٹ تھی؟ اگر تھی تو کس کی تھی؟ ادینہ کی جو اپنے ٹھکرائے جانے کا بدلہ وقار سے اس کی صورت لینا چاہ رہی تھی یا پھر پھپھو کی جن کے دل میں شاید بھانجے کے لیے تنفر تھا' جو شاید اس وقت کا دکھ اور صدمہ اپنے اندر پالے ہوئے تھیں جب ان کی بیٹی رسوائی میں گرنے والی تھی' جہاں ان کی بیٹی کی جگ ہنسائی کا پورا سامان وقار سعید تیار کر چکا تھا' اور اب اسی مقام پر وہ ماہی کو لا کر کہیں اس سب کا ازالہ تو نہیں چاہ رہی تھیں؟

شک کا بیج اس کے دل میں جنم لے چکا تھا' اسے اب اُس شک کے محض شک ہونے کا گمان نہیں بلکہ اس شک کے یقین میں ڈھلتے پہلو کا سرا پکڑنا تھا۔ تقدیر کے سنگین مذاق میں مراد کے ساتھ شامل اس فرد کے چہرے سے اپنائیت و محبت کا نقاب اتار کے اپنی عدالت میں پیش کرنا تھا' اپنے ناکردہ گناہ و جرم کا ثبوت لینا تھا' اگرچہ وہ چہرے پڑھنے میں ہرگز بھی ماہر نہ تھی نہ آنکھیں پڑھنے کا ہنر جانتی تھی' مگر اپنی زندگی سے اس طرح کھیلنے پر اسے غور کرنے پر مجبور کیا تھا۔

البتہ دو گھنٹے کی سعی میں وہ ناکام رہی تھی' نہ وہ ادینہ کی باتوں میں سچ جھوٹ کی کوئی رمق تلاش کر سکی تھی نہ کلثوم پھپھو کی باتوں' لہجے اور اپنائیت میں اسے کھوٹ کا کوئی عنصر شامل نظر آیا تھا۔

"مہ روش! کھانا تیار ہے آجاؤ"۔ ایک بجے کے قریب ادینہ نے اسے بلایا تھا۔ مراد کی واپسی 4 بجے کے قریب ہوتی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی' آنکھوں سے شک کی پٹی تھوڑی دیر کے لیے اتار دی کہ اب ان دونوں کی باتوں و لہجے سے اندازہ لگانا تھا۔

"مراد سے اتنا کہا میں نے کہ آفس سے چھٹی لے لو نئی نئی شادی ہوئی ہے کچھ وقت دونوں ساتھ میں گزارو مگر کام تو جیسے اس کی وجہ سے رُکے پڑے تھے' ایک کان سے مجھے سنا اور دوسرے سے بات نکال کر باہر کر گیا' بیوی سے زیادہ کام اس کے نزدیک اہم ہیں' اب بندے کو اتنا ذمے دار ایسے موقع پر نہیں ہونا چاہیے"۔ کھانے کے دوران ادینہ بولی تھی۔

"اس کی بھی اپنی ہی منطق ہے' کسی کی سنتا ہی کب ہے' اپنی مرضی کی کرتا ہے۔ میں نے بھی روکنا چاہا تھا مگر آفس کے اتنے کام گنوائے کہ مجھے چپ ہونا پڑا"۔ کلثوم بیگم بھی بولیں' البتہ وہ خاموش رہی۔

"شروع سے ایسا ہی ہے بدھو' ماہی! تم روک لیتیں ناں اسے"۔ ادینہ نے اسے خاموش نہ رہنے دیا۔

"میں......" وہ جو چپ رہ کر اندازہ لگانا چاہ رہی تھی' آواز پر سنبھلی۔

"ہاں۔ تمہارے کہنے پر رک جاتا' نئی نویلی دلہن کی بڑی سنتے ہیں مرد"۔

"لیکن میرا معاملہ باقی دلہنوں سے الگ ہے' میری وہ سنتے نہیں' بس اپنی سنانا جانتے ہیں"۔ ادینہ کی بات پر وہ اندر ہی اندر کسک کا شکار ہوئی تھی مگر بظاہر نارمل رہی۔

"وہ رکتا بھی کیسے؟" جبھی ادینہ نے مکمل جائزہ لیتی نظروں سے اسے دیکھا ساتھ ہی بولی۔

"جی!" ماہی متعجب سی اسے دیکھنے لگی' ذہن یکدم الرٹ ہوا' دل میں سوال بھی ابھرا۔

"کیا ادینہ واضح کردے گی کہ مراد کے پلان میں شریک تھی۔ اور اگر ادینہ بھی مراد کے فعل میں شامل نکلی تو؟ ادینہ بھی وقار بھائی کا بدلہ لینا چاہتی ہوگی"۔ ان سوالوں کے جواب جاننے کے لیے وہ مکمل اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"امی! دیکھیں تو ذرا اسے' شادی کو محض ایک ہفتہ ہی ہوا ہے اور یہ کتنی سمپل سی بیٹھی ہے' نہ نیوی ڈریس' نہ جیولری' نہ میک اپ' شروع کے چار دن جو میں نے زبردستی سے تیار کروایا تھا بس وہی لگ رہا تھا کہ نیولی میرڈ ہے' ایسے سمپل رہوگی تو مراد کیوں ان تمہارے اردگرد چکر کاٹے گا"۔ ادینہ کا انداز ہلکا پھلکا تھا' لہجہ بھی اس کے لیے خاص تھا' وہ کوئی جواب نہ پاسکی۔

"جی بھر کر تیار ہوا کرو آج کل"۔ ادینہ نے تاکید کی اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"بیٹا! اور بھی لو ناں"۔ کلثوم بیگم نے اس کی خالی پلیٹ میں چاول ڈالنے چاہے۔

"نہیں پھپھو تھینکس"۔ اس نے سہولت سے منع کیا۔ البتہ اب ذہن اُن کی طرف گیا تھا' کئی سوال آنکھ کے پردے پر ظاہر ہوئے تھے۔

"اگر پھپھو مراد کے ساتھ ہیں تو اب تک اپنائیت کا لبادہ کیوں اوڑھے ہوئے ہیں؟"

فی الحال اس کے دماغ میں محض منفی سوچیں ہی تھیں اور بناء تصدیق کے تھیں۔ دل ابھی اگرچہ صاف تھا لیکن شک کے صحیح یا غلط ہونے کے بعد ہی وہ نئے سرے سے ان کے مقام کا تعین کرسکتی تھی۔

کھانے کے بعد وہ ادینہ کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں ہی تھی۔ اپنے کسی سوال کا جواب اسے نہیں مل سکا تھا۔ 4 بجے کے قریب مراد کی آمد ہوئی تھی۔ اس سے پہلے ہی ادینہ نے اسے خوبصورت سا ڈریس پہن کر اچھے سے تیار ہونے کو کہا تھا' پنک سوٹ میں میک اپ کے ساتھ اس نے بالوں کو کیچر میں مقید کیا تھا۔

"چائے لاؤں؟" مراد ڈریس چینج کرکے باہر صوفے پر بیٹھا تو ادینہ نے پوچھا۔

"تم نہیں...... آج ماہی بنائے گی چائے' دیکھتے ہیں آج امی جان کی اکلوتی بہو کو چائے بنانی آتی بھی ہے کہ نہیں"۔ اسے روکتے ہوئے مراد نے ماں اور بہن کے سامنے مہ روش کو بہت پُرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں آتی اسے' ماشاء اللہ بہت ذائقہ ہے میری بہو کے ہاتھ میں"۔ جواباً کلثوم بیگم بہو کے لیے ستائشی انداز میں بولیں۔ سعید احمد کے گھر میں زیادہ تر مہ روش کے ہاتھ کی بنی چائے ہی انہوں نے پی تھی۔

"ابھی دیکھ لیں گے"۔ مراد بولا۔ نگاہیں ہنوز ماہی پر ہی تھیں۔ مہ روش خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ادینہ مسکراتے چہرے کے ساتھ اس کے ساتھ ہوئی' دونوں آگے پیچھے کچن کی طرف بڑھیں۔

"دیکھا تیار ہونے کا فائدہ' مراد کی چاہت بھری نظریں تم سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں اسی لیے فرمائش کرڈالی"۔ ادینہ نے کچن میں قدم رکھتے ہوئے کہا تو وہ زیرلب مسکرائی۔

"تم بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو ادینہ! ان کی فرمائش اور چاہت بھری نظریں تو محض دھوکا ہیں' میں جانتی ہوں وہ مجھے ستانے کے لیے یوں مخاطب کرتے ہیں' اُلجھن ہوتی ہے مجھے ان کی نظروں سے"۔ دل ہی دل میں کہتی وہ چائے کا پانی چولہے پر چڑھانے لگی۔

⟡⋯⋯☆⋯⋯⟡

شاور لینے کے بعد وہ ٹی وی لاؤنج میں آیا' ٹی وی آن کیا اور دیکھنے لگا' ساتھ ہی دھیان داخلی دروازے کی طرف بھی تھا۔ کچھ ہی دیر میں عمر آنے والا تھا مما اور ڈیڈ سے بات کرنے' انہیں اپنے فیصلے کے حق میں قائل کرنے کے لیے

اس نے عمر کو بلایا تھا۔ ساجدہ گیلانی لنچ تیار کررہی تھیں۔ حسن گیلانی آفس میں تھے۔ وہ عموماً شام کو ہی واپس آتے تھے۔ ایک بجے کے قریب عمر کی بھی آمد ہوئی۔ علی نے ٹی وی آف کیا اور اس کی جانب بڑھا' سلام دعا کے بعد اسے لیے صوفے پر آبیٹھا۔

"تیاری کیسی ہے؟" علی نے رازدارانہ پوچھا۔

"میں یہاں امتحان دینے تو نہیں آیا' لنچ کرنے آیا ہوں"۔ عمر نے اپنی شوخ طبع کے باعث گویا اس کی درستگی کی۔

"آئی ایم سیریس عمر!" علی نے اسے گھورا۔

"مذاق میں بھی نہیں کررہا"۔ عمر ہنسا۔

"عمر یار پلیز......!"

"اوکے سوری...... تم دیکھ لینا تمہارے سامنے ہی آنٹی سے بات کروں گا"۔

"پلیز عمر! کوشش کرنا کہ وہ تمہیں سن کر مان جائیں ورنہ یار میرے لیے انہیں سنبھالنا مشکل ہوگا"۔ اسے فکر تھی۔

"اوکے ریلیکس یار! لیکن وہ بچی تو ہیں نہیں کہ یہاں میں بات مکمل کروں گا اور وہاں وہ مان جائیں گی بلکہ مجھے شاباش دیں گی اور خود اپنے ہاتھوں سے تمہارا بیگ پیک کریں گی کہ علی ایسا تم نے پہلے کیوں نہ سوچا"۔ عمر سنجیدگی کو سائیڈ پر رکھتے ہوئے گویا اسے چڑانے کے موڈ میں تھا۔ علی اچھا خاصا چڑ بھی گیا تھا' کشن اٹھا کر زور سے اسے مارا البتہ لب مسکرائے تھے۔

"بہت گھٹیا ہو تم!"

"جبھی یہاں آیا ہوں تمہارے کہنے پر"۔ وہ برا مانے بغیر بولا اور سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"مجھے بہت مشکل لگتا ہے کہ آنٹی مانیں گی"۔

"مان جائیں گی' مجھے پہلے سا دیکھنے کے لیے انہیں تھوڑی دقت کا سامنا تو کرنا پڑے گا اور یہ فیصلہ میں نے انہی کے لیے کیا ہے"۔ علی سیدھا ہوکر بیٹھا' عمر کچھ نہ بولا۔

"چلو اٹھو آؤ کھانا تیار ہوگیا ہوگا"۔ علی نے بات بدلی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ عمر نے بھی اس کی پیروی کی' دونوں آگے پیچھے ڈائننگ روم میں داخل ہوئے' ساجدہ گیلانی کھانا و برتن وغیرہ سیٹ کرچکی تھیں۔

"مما! عمر آگیا ہے"۔ علی نے ماں کو متوجہ کیا۔

"السلام وعلیکم آنٹی!" ان کا رخ اپنی طرف دیکھ کر عمر نے احتراماً سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا! کیسے ہو؟" مسکراتے لہجے میں جواب دیتے ہوئے انہوں نے اسے ساتھ لگا کر پوچھا' عمر انہیں علی جتنا ہی پیارا تھا' اسے علی جیسے ہی ٹریٹ کرتی تھیں۔

"ایک دم فائن' آپ سنائیں؟" اس نے خوشگواریت سے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے بیٹا! آؤ بیٹھو"۔ انہوں نے چیئر کی طرف اشارہ کیا۔ عمر آہستگی سے چیئر کھینچ کر بیٹھا۔ علی نے اپنی نشست سنبھالی۔ ساجدہ گیلانی نے دونوں کو کھانا سرو کیا اور خود بھی اپنے لیے نکال کر دوسری سائیڈ پر بیٹھیں۔

"اور عمر بیٹا! کیا کررہے ہو آج کل؟" کھانے کے دوران وہ اس سے مخاطب ہوئیں۔

"ابھی اسی مہینے سے فیملی بزنس جوائن کیا ہے' پاپا کے ساتھ آفس جاتا ہوں"۔ اس نے مختصراً بتایا۔ علی ان دونوں کو خاموشی سے سن رہا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹا!" انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور بات جاری رکھی۔
"اللہ تمہیں ہر میدان میں کامیاب و کامران کرے لیکن کچھ اسے بھی سمجھایا کرو۔"
"جی آنٹی؟" نا سمجھنے کے انداز میں عمر نے استفسار کیا۔
"مما! مجھے کیا ہوا ہے؟" جبکہ علی نے منہ کی طرف لے جاتے نوالے کو پیچھے کرتے ہوئے چونک کر انہیں دیکھا' ماں کے لیے وہ بہ مشکل ہی تو سنبھل گیا تھا۔
"اسے سمجھاؤ کہ یہ بھی حسن کے ساتھ آفس جایا کرے' 2 ماہ ہونے کو آئے ہیں اور یہ دنیا سے بیزار گھر میں ہی مقید ہو کر رہ گیا تھا۔ حالات کیسے بھی ہوں ان کا مقابلہ کرنا چاہیے' اب ساری عمر کا روگ لگانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ حسن کو بھی اب اس کی ضرورت ہے آفس میں۔" انہیں تو موقع ملا تھا خاصی تفصیل سے بولیں۔ علی نے لمبی سانس خارج کی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی' جبکہ عمر سنجیدہ ہوا تھا۔ علی نے آنکھ کے اشارے سے عمر کو چپ رہنے کی تاکید کی۔
"علی کو بھی احساس ہے اب اس بات کا۔" تو عمر نے آنٹی کو اپنی طرف متوجہ پا کر علی کی تاکید کو فی الحال سائیڈ پر رکھا۔
"ہونا بھی چاہیے اسے' سب کچھ اسی کا تو ہے' ایک دن ساری ذمے داری اس کے کندھوں پر ہوگی' ابھی سے سیکھے گا تو آئندہ آسانی رہے گی۔ یہ وقت اس کے لیے مفید ہے' حسن کا بوجھ بھی ذرا کم ہوگا۔" کہتے ہوئے ان کی نگاہیں علی پر مرکوز تھیں جو خود کو کھانے میں منہمک ظاہر کر رہا تھا بلکہ اپنے تئیں عمر کو موقع دے رہا تھا کہ وہ اسی کڑی کو لے کر اصل بات کی طرف آئے۔
"جی آنٹی بالکل۔" جبکہ عمر رسان سے ان کی تائید میں بولا۔ علی نے ماں سے نظر چرا کر اسے گھورا' عمر اسے صبر کا اشارہ کرتا اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوا۔
باقی کا کھانا ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران کھایا گیا' کھانے سے فراغت کے بعد تینوں لاؤنج میں آئے۔
"مما! آپ اور عمر باتیں کریں' میں زبردست سی چائے بنا کر لاتا ہوں۔" مزید آدھا گھنٹہ گزرنے کے باوجود بھی جب عمر اصل مدعا کی طرف آنے سے قاصر رہا تبھی علی اٹھ کھڑا ہوا۔
ساجدہ گیلانی نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا کہ جب بھی علی موڈ میں ہوتا اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر دیتا تھا اور آج اتنے عرصے بعد جب وہ ذہنی و قلبی دباؤ اور اذیت کے بعد بیماری سے اٹھا تھا' کافی فریش بھی لگ رہا تھا' انہوں نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ آہستگی سے قدم اٹھاتا جب ماں کی نظروں سے اوجھل ہوا تو پلٹ کر ہاتھ جوڑتا عمر کو اشارہ کرنے لگا۔
"پلیز......!"
"اوکے!" عمر نے اثبات میں سر ہلایا' وہ کچن میں چلا گیا۔
"آنٹی! مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی علی کے سلسلے میں۔" توقف کے بعد عمر نے ذہن میں الفاظ ترتیب دیے۔
"کہو بیٹا!" ان کا انداز نارمل تھا۔
"دراصل آنٹی! علی اب جینا چاہتا ہے' آئی مین وہ اپنی اصل زندگی میں واپس آنا چاہتا ہے' اس کے ساتھ جو ہوا' جس کیفیت سے وہ اب تک گزرا ہے' اس سے آپ کے لیے چھٹکارا پانا چاہتا ہے' خود ساختہ بے بسی سے نکل کر نارمل

روٹین کی طرف قدم بڑھانا چاہتا ہے۔" عمر کو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ ڈائریکٹ کیسے انہیں علی کے فیصلے سے آگاہ کرے سو تمہید باندھی۔ ساجدہ گیلانی نے چپ رہ کر تحمل سے اسے سنا۔ ان کی بھی تو یہی خواہش تھی' علی کو کب وہ اس حال میں دیکھنا چاہتی تھیں اور کب تک دیکھ سکتی تھیں۔ بات سن کر ان کے چہرے پر ٹھہراؤ اور اطمینان در آیا تھا۔ عمر کو ان کے انداز و تاثرات سے تقویت ملی تھی۔ مدھم لہجے میں بات جاری رکھی۔
"علی اب مستبشرہ کو بھولنا چاہتا ہے' اسے اپنے دل سے نکالنا چاہتا ہے۔" انہیں مطلع کرتا وہ کچھ پل کو رکا۔
ساجدہ گیلانی کی سماعتوں پر یہ انکشاف خوشگوار احساس بن کر ٹکرایا۔
"اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے؟" اپنی خوشی کا اظہار انہوں نے فوراً کیا۔ دوسری طرف چائے کا پانی چولہے پر چڑھانے کے بعد علی کچن کے دروازے میں ایستادہ اپنا مکمل دھیان ان کی طرف رکھے ہوئے تھا۔
"اس کے لیے علی نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" وہ آگے بڑھا۔
"کیسا فیصلہ؟" اب کے وہ سوالیہ ہوئیں۔
"آنٹی! علی یہاں رہ کر مستبشرہ کو نہیں بھول سکتا۔" براہ راست بتانے کے بجائے وہ سنبھل کر بولا کہ اصل مدعا سننے کے بعد ان کا ری ایکشن ہرگز بھی طمانیت بھرا نہیں ہو سکتا۔
"پھر......؟" وہ ناسمجھی کے عالم میں تھیں۔
"علی کچھ عرصے کے لیے اس ملک سے دور' کہیں اور دوسرے ملک میں جانا چاہتا ہے۔" بالآخر وہ بتا گیا۔
"کیا......؟" حسب توقع سنتے ہی ان کی آنکھیں حیرت سے باہر نکلیں۔ عمر نے کچھ پل کے لیے نظر علی پر ڈالی جو اب دروازے سے ہٹ کر اندر کو ہو لیا تھا۔
"پاگل تو نہیں ہو گیا وہ۔" ساجدہ گیلانی کا حیران کن تاثر اگلے ہی لمحے غصے میں بدلا تھا۔ عمر اب کیا بولتا' چپ ہی رہنا اس نے مناسب سمجھا۔
"سب باتیں جائز ہیں مگر یہ کہاں کی عقلمندی ہے' ذرا خیال نہیں ہے اسے اپنا نہ ہمارا۔" ان کا ردعمل شدید تھا۔ غصہ یکدم سوا نیزے پر جا پہنچا تھا۔
"اس نے یہ فیصلہ آپ لوگوں کی خاطر کیا ہے۔" عمر نے بولنے کی سکت جمع کی' پھر انہیں بولنے کا موقع دیے بناء مزید بولا۔
"اور یہ فیصلہ اس کے حق میں بہترین ہے' محض کچھ مہینوں کے لیے آنٹی! اسے اجازت دے دیں' یہاں رہ کر مستبشرہ کو اس کے دل سے نکالنا ناممکن ہے' میں نے کئی مرتبہ کوشش کی ہے' کئی دلائل دیے' میں اسے' مستبشرہ کے خلاف اس کو ہر بار بھڑکانا چاہا تاکہ وہ اس سے متنفر ہو' اسے خود پر حاوی نہ کرے مگر ہر بار میں ناکام رہا کیونکہ اس نے مستبشرہ سے سطحی پیار نہیں کیا بلکہ عشق کی انتہا سے زیادہ چاہا ہے اسے' ہم اس کی حالت کو محض فریب کا اثر یا ناکامی کا دکھ کہہ سکتے ہیں مگر درحقیقت وہ مستبشرہ سے زندگی کی مات کھا بیٹھا ہے۔ پلیز آنٹی! ایک ماں ہونے کے علاوہ بھی سوچیں' وہ اگر واپس زندگی میں کسی بھی طرح آنا چاہتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے؟ وہ ہمیشہ کے لیے تو یہ ملک نہیں چھوڑ رہا بہت جلد واپس ہم سب کے بیچ پہلے جیسا بن کے آئے گا' انشاء اللہ۔" عمر نے اچھا خاصا بول کر انہیں جذباتی کرنا چاہا تھا۔
"میں اب اسے خود سے دور نہیں بھیج سکتی' ماں ہوں میں اس کی صرف ماں بن کر ہی سوچ سکتی ہوں' اتنا عرصہ اپنے بچے کو اذیت میں دیکھا ہے' اسے خود سے دور کیسے کروں؟ وہ یہاں بھی اس لڑکی کو بھول سکتا ہے' اسے اپنی زندگی

سے نکال سکتا ہے' جب تک وہ خود کو اندر سے مضبوط اور قائل نہیں کر لیتا' چاہے کہیں بھی جائے وہ لڑکی اس کے دل و دماغ پر حاوی رہے گی"۔ ساجدہ گیلانی کسی طور راضی نہیں ہونا چاہ رہی تھیں صاف لفظوں میں بولیں۔

"یہ علی کی زندگی کا سوال ہے اور سچ بھی یہی ہے کہ یہاں وہ چاہ کر بھی مبشرہ کو اپنے تصورات سے نہیں نکال سکتا"۔ عمر بے حد سنجیدہ تھا۔

"تو کیا اب اس لڑکی کی وجہ سے ہم اپنے بیٹے کو خوار ہونے کے لیے چھوڑ دیں' یہاں سب اس کا خیال رکھتے ہیں اور اب تو وہ بہتر بھی ہو گیا ہے"۔ ان کی بے چین ممتا کو بیٹے سے دوری گوارا نہ تھی۔

"ہاں مگر بظاہر..... آپ اور انکل کے لیے سنبھلنا چاہتا ہے آنٹی! بے شک آپ اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتیں' مگر اس کا بھی تو خیال کریں' قیامت ٹوٹی ہے اس کے اعصاب و قلب پر"۔ عمر انہیں علی کی خاطر ہر صورت میں قائل کرنا چاہتا تھا۔ آہستہ اور ٹھہری ہوئی آواز میں گویا ہوا۔ تب علی بھی ٹرے لیے وہاں خاموشی سے آیا۔

"روگ یہ خود لگائے بیٹھا ہے' سچ تسلیم کر چکا ہے مگر حقیقت سے جان چھڑانا چاہ رہا ہے' اب باہر جانے کی کیا تک بنتی ہے' اس شہر میں مبشرہ کا نام ہے نہ اس کی خوشبو بسی ہے جو یہ دامن بچا کر بھاگنا چاہ رہا ہے"۔ بیٹے پر نظر پڑتے ہی وہ پھٹ پڑیں۔

"مما! کیا آپ نہیں چاہتیں کہ میں......" علی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ جب وہ اس کی بات کاٹ گئیں۔

"علی! تم پلیز چپ رہو' مجھے تم سے ہرگز یہ امید نہیں تھی"۔ ناراضی سے اسے ڈانٹا۔

"آنٹی! اگر علی کو لگتا ہے کہ یہ یہاں سے دور جا کر مبشرہ کو بھول سکتا ہے تو اسے صرف ایک موقع دیں' کچھ عرصے کے لیے"۔ عمر پھر سے بولا تھا' علی کی حالت ذرا اس سے بھی دیکھی نہیں جاتی تھی۔

"پلیز مما! جب مجھے لگا کہ میں مبشرہ کو بھول گیا ہوں تو میرا وعدہ ہے میں اسی وقت واپس آ جاؤں گا"۔ علی التجائیہ بولا ساتھ ہی ان کا ہاتھ پکڑ کر یقین دلانا چاہا۔

"میں تمہیں کسی بھی وجہ سے خود سے دور نہیں کر سکتی' تمہیں کھونا نہیں چاہتے ہیں' ہم' ایک ہی تو بیٹے ہو تم ہمارے۔ ان دو ماہ میں تمہاری حالت نے ہمیں نڈھال کر دیا ہے بیٹا' کیسے پھر تمہیں خود سے دور بھیجیں"۔ ان کا دل راضی ہونے کو تیار نہیں تھا' نہ وہ رضامندی دے رہی تھیں۔

"میں نے بھی یہ فیصلہ اپنی خوشی سے تو نہیں کیا ہے مما! آپ سے دور رہنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا' اگر حالات عام ہوتے لیکن ابھی آپ کے ساتھ پہلے جیسا رہنے کے لیے میرا یہاں سے جانا ضروری ہے۔ ملک کے جس کونے میں وہ بسی ہے وہاں اب بھی میرا دل جانے کو کرتا ہے۔ ایسے میں' میں کیسے خود کو سمجھاؤں؟ پلیز مما! مجھے جانے دیں' نہ روکیں"۔ وہ ان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھا۔

"تم فیصلہ کر چکے ہو تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے بیٹا؟ بس صرف اپنی من مانی کرو' اب بتانے کا کیا فائدہ"۔ ساجدہ گیلانی فوراً سے کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتی تھیں' نہ ان کا دل مان رہا تھا' ناراضی سے اٹھتے ہوئے طنزیہ بولیں اور وہاں سے چلی گئیں۔

"کیا کروں میں؟" علی مایوس سا ہونٹ بھینچ گیا۔

"میں نے کہا تھا وہ اتنی آسانی سے نہیں مانیں گی"۔ عمر نے اپنی بات دہرائی۔

"پھر اب کیا کروں؟" وہ فکرمندی سے پوچھنے لگا۔

"آئی تھنک تم انکل سے بات کرو وہ شاید آنٹی کو قائل کر سکیں"۔ عمر نے صلاح دی۔

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا' پر کہیں ایسا نہ ہو وہ بھی میرے فیصلے کی مخالفت کر دیں' اگر مما اور ڈیڈ بخوشی راضی نہ ہوئے تو جا نہیں سکوں گا میں"۔ کہتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھا۔ ماں باپ کو دکھ دینا نہیں چاہتا تھا اور خود یہاں کچھ عرصے کے لیے رہنا نہیں چاہتا تھا۔

"تھوڑا انسسٹ کرنا مان جائیں گے' اچھا اب میں چلتا ہوں' مجھ سے جو ہو سکا وہ میں نے کر لیا' آگے بھی اگر میری مدد کی ضرورت ہوئی تو میں حاضر ہوں گا"۔ عمر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تھینک یو یار! اور دیکھو میں نے چائے بنائی تھی' باتوں میں دھیان ہی نہیں رہا' اب تو ٹھنڈی بھی ہو گئی ہے تم تھوڑی دیر بیٹھو میں اور بنا کر لاتا ہوں"۔ علی کو چائے کا خیال آیا تو فوراً بولا' عمر مسکرایا۔

"آج رہنے دو پھر کبھی آنٹی کے ساتھ پئیں گے' ابھی میں نکلوں گا اللہ حافظ"۔

"اللہ حافظ.....!" عمر کے جاتے ہی علی نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

☆

سردیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ موسم بدلنے لگا تھا' ہوا میں خنکی بڑھ سی گئی تھی اور سرد ہوا اس نے گویا اس کے دل کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا' اس کا دھڑکتا دل سرد ہوتے جذبات کے ساتھ محض دھڑک رہا تھا۔ یخ بستہ فضا میں صبح و شام چھائی دھند جیسے اس کی آنکھ کے پردے پر گہری ہوتی جا رہی تھی' خواب سپنے سب فسانہ بن کر بکھر چکے تھے۔

لوگوں کے نزدیک اس کی زندگی اپنے خوشگوار یادگار موڑ پر اسے لائے اس پر محبتوں کی بارش برسا رہی تھی مگر اپنی نظر میں وہ تڑپ رہی تھی۔ محبتوں کی بارش تو کچھ دن پہلے تک دھوکا تھی جو اب اپنی اصلیت دکھاتی آگ کی مانند برستی اس کا انگ انگ جلا رہی تھی' ایسے میں بے بسی بھی حد سے سوا تھی۔ کسی سے کچھ کہنے کی یا فریاد کرنے کی سکت بھی اس میں دم توڑ چکی تھی ساتھ ہی شک اسے الگ کھائے جا رہا تھا۔

ذہن میں سوال بہت تھے مگر جواب سب کے ندارد تھے۔ وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی' ابھی کی خاموشی اسے شک میں ڈالے پاگل کر سکتی ہے' پھپھو یا دینہ سے وہ فی الوقت پوچھ بھی نہیں سکتی تھی مگر مراد منصور شاید اس کے ہر سوال کا جواب دے سکتا تھا۔

"اپنی تسلی کے لیے مجھے مراد سے پوچھنا ہو گا' خاموشی کا کوئی فائدہ نہیں' میں بے بس نہیں بن سکتی"۔ مہروش نے فیصلہ کیا۔ مراد کے کمرے میں آنے تک ذہن میں الفاظ و سوال ترتیب دیئے اور جب وہ کمرے میں آئی تو کافی سوچ بچار کے بعد اسے ہمت کر کے مخاطب کر ڈالا۔

"مجھے کچھ پوچھنا ہے آپ سے؟" انداز دوٹوک تھا۔ مراد جو ڈریسنگ کی طرف بڑھ رہا تھا چونک کر اس کی طرف مڑا۔

"سب کچھ تو میں تمہیں بتا چکا ہوں ڈیئر!" پھر اپنے مخصوص انداز میں اسے ہرٹ کرنے سے باز نہ آیا۔

"آپ کے ساتھ اور کون کون شامل تھا؟" وہ اس کی بات نظرانداز کرتی سنجیدہ تھی۔

"کس سلسلے میں......؟" وہ اول تو سمجھا نہیں اور سے حیران الگ تھا۔ ماہی کے سوال کرنے کا انداز اسے بہت عجیب لگا تھا۔

"لوگوں کی نظر میں اعلیٰ ظرفی کی مثال بننے میں' اپنے' امیج کو معتبر بنانے میں"۔ وہ طنزیہ ہوئی۔

"کہنا کیا چاہتی ہو تم؟"

"مجھے وضاحت دینے کی ضرورت نہیں' آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں"۔ آواز میں لچک تھی نہ

آنکھوں میں خوف۔ اس نے مراد کی اصلیت کو قبول کرلیا تھا۔

''مجھے پہیلیاں بوجھنے کا اول تو کوئی شوق نہیں اور دوسرا مجھے اس انداز میں مخاطب کر کے جو تم چاہ رہی ہو اُس کا جواب دینے سے پہلے میں تمہیں بتا دوں' اگر اس کمرے کی فضا کو شانت دیکھنا ہے تو آنکھ نیچی' آواز دھیمی ہو۔ دو ماہ میں جہاں تم نے مجھے نرم دیکھا وہاں ایک منٹ مجھے گرم ہونے میں نہیں لگے گا' میرے غصے سے تمہیں اب تک واقف ہو جانا چاہیے''۔ مراد منصور جو اَب تک خود اس کے لیے ایک پہیلی بن کر رہ گیا تھا اس کے قریب ہوتے ہوئے انتہائی کڑوے و سخت لہجے میں بولا۔ آواز دھیمی تھی مگر رعب لیے ہوئے تھی۔ ماہی نے اس لمحے دانشمندی کا مظاہرہ کیا اور رخ دوسری جانب کرگئی۔

''اور ہاں..... میرے سامنے خود کو روگ لگانے کی ضرورت نہیں' تم پہلے جیسی تھیں مجھے ویسی ہی نظر آنی چاہیے البتہ باقی لوگوں خصوصاً اپنے میکے والوں کے سامنے رونا چاہو تو رولو' انہیں بھی تو پتہ چلنا چاہیے کہ میری بہن کی زندگی داؤ پر لگا کر انہوں نے تمہیں برباد کر دیا ہے' تمہارے بھائی کو سب کی نظروں میں ذلیل دیکھنا چاہتا ہوں میں''۔ اپنے غصے و انتقام کی آگ میں وہ اب تک جل رہا تھا۔ ماہی' وقار کے ذکر پر توجہ نہیں دینا چاہتی تھی' وقار سے متعلق معاملہ الگ تھا' فی الحال اسے اپنی ذہنی الجھن سلجھانا تھی۔ مراد کے لہجے سے چھلکتی اپنی تحقیر کو بھی نظر انداز کرگئی۔

''مجھ سے جڑے رشتے کو پلان کرنے میں آپ کا ساتھ کس نے دیا تھا؟'' اس مرتبہ بلا تمہید پوچھا۔

''تمہیں کس پر شک ہے؟''

''شک تو مجھے آپ پر بھی نہیں تھا''۔ طنز میں لپٹا جملہ پھر اس کی زبان سے پھسلا۔ مراد نے بغور اسے دیکھا پھر اسے تپانے کے لیے سراہا۔

''چپ کیا تو ڑی ہر سوال کا جواب تیار کر رکھا ہے تم نے''۔

''پھپھو یا ادینہ؟'' اس کی بات اگنور کی' مختصر اور دوٹوک پوچھا۔

''آئی ایم شاکڈ مس مہ روش سعید!'' مراد حقیقتاً حیران ہوا تھا۔

''بتا دیں مجھے' سچ سہنے کی ہمت ہے مجھ میں''۔

''اس ایک ہفتے میں تمہارے ذہن میں کس قدر فتور بھر گیا ہے' تمہیں امی کی محبت اور ادینہ کے خلوص پر یقین نہیں رہا''۔ وہ دنگ سا گویا اسے شرمندہ کر رہا تھا۔

''آپ پر بھی میں نے یقین کیا تھا' اس کا کیا صلہ ملا مجھے جو اَب خود کو مزید خوش فہمی کا شکار رکھوں''۔ اس نے شک میں رعایت نہیں برتی' صاف بولی۔

''امی نے ہمیشہ تمہیں بیٹی کہا ہے' سب سے زیادہ چاہتی ہیں وہ تمہیں' شاید ادینہ سے بھی بڑھ کے اور میں پاگل تھوڑی تھا جو اُن سے ذکر کر کے تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دیتا''۔ وہ بتانے لگا۔ مہ روش نے خاموشی سے سنتے ہوئے اسے دیکھا۔

''وقار نے انہیں دکھ پہنچایا تھا مگر انہوں نے کبھی ماموں سے شکوہ نہیں کیا' نہ تمہارے بارے میں کچھ برا سوچا' وہ تو سب کچھ قسمت کا لکھا مان کر تعلق ختم بھی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ میری وجہ سے تین سال تک وہ سب سے دور رہی تھیں' میں اپنی بہن کی ذلت برداشت کر سکتا تھا نہ اپنی ماں کو روتا دیکھ سکتا تھا''۔ تمام سچائی وہ اسے بتا رہا تھا۔ کچھ پل رکنے کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''اگر امی میرا ارادہ جان لیتیں تو آج تم یہاں ہرگز نہیں ہوتیں''۔ مراد کے لہجے نے جانے انجانے میں ماہی کے

اندر اطمینان سا بھر دیا تھا مگر ماہی کے لیے وہ نرم نہیں پڑا تھا۔

''جیسے تمہارا بھائی گھٹیا نکلا تھا ویسے ہی تمہاری سوچ بھی گھٹیا نکلی''۔ اسے سنانے سے باز نہ آیا۔ ماہی نے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا۔ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا' وہ مزید کہنے لگا۔

''اور ادینہ جس پر تم شک کر رہی ہو وہ تو پاگل ہے اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی نہ وقار کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہے نہ تمہارا برا چاہتی ہے''۔ اپنی ذات کو سائیڈ پر رکھے وہ اُن دونوں کی محبتوں سے ماہی کو شرم دلانے میں جت گیا تھا' اپنا کیا اس لمحے بھولے اسے ماں اور بہن کی سچائی اور خلوص سے روشناس کرواتا اس کے بھائی کے کیے کا آئینہ دکھا رہا تھا۔

''میں نے ایک دو دفعہ اسے اپنی سوچ میں شامل کرنا چاہا تھا مگر بات نہ بنی' میری سوچ سے بے خبر بس امی میں خوش ہوگئی کہ میرے تمہارے رشتے سے سب ٹھیک ہو جائے گا' تمام رنجشیں اور اختلاف مٹ جائیں گے''۔ اسے تمام سوالوں کا جواب دینے کے بعد وہ اب ماہی کی طرف دیکھ رہا تھا جو آنکھیں بند کیے اپنے شک کو ختم کرتی ہر سانس کے ساتھ اپنے اندر سکون اترتا محسوس کر رہی تھی۔

''اپنی گھٹیا سوچ کی تسلی کے لیے کسی اور سوال کا جواب بھی چاہیے تمہیں؟'' فوراً سے مراد اپنی ٹون میں واپس آیا۔ ماہی نے آواز پر آنکھیں کھولیں۔ پھپھو اور ادینہ کی طرف سے ذہن و دل صاف ہو چکا تھا۔ وہ مطمئن تھی ایسے میں مراد بھی اگر چپ رہ جاتا تو کم از کم آج کا باقی دن وہ بے حد خوشگوار گزار سکتی تھی مگر شومئی قسمت...... البتہ خاموشی سے فرار چاہتی دروازے کی طرف بڑھی' جبھی لپک کر مراد نے اس کا بازو گرفت میں لیا اور اسے اپنی طرف موڑا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے نظر انداز کرنے کی غلطی کبھی مت کرنا' تمہارا یہ فعل تمہارے حق میں برا ہو سکتا ہے''۔ اُسے وارن کیا۔

''اب شاید میرے سارے فعل بھی آپ کے حق میں مثبت نہ ہوں''۔ وہ برجستہ مگر تحمل سے بولتی ہوئی شاید اُسی لمحے کچھ سوچ چکی تھی۔

''مطلب......؟''

''میرا بازو چھوڑیں' مجھے باہر جانا ہے''۔

''پہلے اپنی بات کی وضاحت دو''۔ وہ اٹل ہوا۔

''کوئی وضاحت نہیں ہے میرے پاس' غلطی سے میرے منہ سے نکل گئی تھی بات''۔ اس نے فوراً جان چھڑانی چاہی۔

''بہت چالاک سمجھتی ہو خود کو؟'' وہ غصہ ہونے لگا۔

''آپ کے سامنے میری کیا اوقات''۔

''باتیں تمہیں بھی بہت آتی ہیں''۔ ماہی کی جرح وہ بمشکل سن رہا تھا۔

''خاموش رہوں تب بھی اعتراض' بولوں تو بھی طنز......'' اس نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بڑبڑاہٹ کی۔

''کیوں مجھے غصہ دلاتی ہو ماہی!'' وہ اب واقعی غصے میں آ رہا تھا۔

''میں ادینہ کے پاس جا رہی ہوں پلیز!'' اسے لاحاصل بحث سے اکتاہٹ سی ہونے لگی۔ بے چارگی سے اسے دیکھا۔ مراد سے طویل بحث گویا اس کی بے بسی کا امتحان تھی۔

"میرے سامنے ہمیشہ سیدھی بات کرنا' نانک مجھے پسند نہیں"۔ اسے اپنے طور میں ڈھلنے کی تاکید کی' اپنے سامنے تو وہ کسی کی کبھی چلنے دیتا کہاں تھا' خوامخواہ کا غصہ تو شروع سے اس کی سرشت میں شامل رہا تھا۔ مہ روش کیا جواب دیتی' خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر لان میں چلی آئی جہاں ادینہ موبائل پر کسی سے بات کر رہی تھی' ماہی کو دیکھ کر اس نے توقف کے بعد کال ڈسکنیکٹ کی۔

"بیٹھو ناں تم"۔

"شکریہ"۔ ماہی نے کرسی سنبھالی۔

"معید کی کال تھی"۔ ادینہ نے خود ہی بتایا۔

"تین دن بعد ان کی واپسی ہوگی' پرسوں مجھے ان کے آنے سے پہلے گھر جانا ہوگا"۔

"اتنی جلدی کیوں؟ معید بھائی کے آنے کے بعد چلی جانا"۔

"نہیں میاں جی کا استقبال ضروری ہے' معید آئے تو ان کے ساتھ چکر لگاؤں گی"۔ شوخی سے کہتی وہ بولی' اتنے میں مراد بھی وہیں چلا آیا اور بیٹھتے ہی ٹیبل پر سے اخبار اٹھایا۔ کلثوم بیگم بھی تھوڑی دیر بعد وہیں آ گئی تھیں' ادینہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"امی! معید کی کال آئی تھی وہ تین دن میں واپس آ رہے ہیں' پرسوں میں پھر جا رہی ہوں"۔

"ٹھیک ہے چلی جانا' مگر آج پہلے تم سسرال والوں کے لیے سوٹ وغیرہ بھی چھن کرا لگ کر لو' کب سے تمہیں کہہ رہی ہوں اور تم ٹالے جا رہی ہو' معید کے لیے بھی دو تین اَن سلے جوڑے دیکھ لینا' میں نے الگ سے نکال کر رکھے ہوئے ہیں"۔ انہوں نے ادینہ کو پھر سے یاد کروایا۔

"امی! اس سب کی کیا ضرورت ہے"۔ اسے جیسے کوئی دلچسپی نہ تھی' ماں کو پھر سے منع کرنے لگی۔

"کیوں نہیں ضرورت' خوشی کا موقع ہے اور تمہارے سسرال کا معاملہ ہے' اتنے دن بعد وہ بھی خالی ہاتھ جا کر ہمیں شرمندہ تو نہ کرواؤ۔ جیٹھانی' دیورانی مذاق بنائیں گی' ساس بھی تمہاری کم نہیں ہیں"۔ کلثوم بیگم صاف کہتیں اسے ڈانٹنے لگیں۔

"امی پلیز-----!" ادینہ نے خفیف نظروں سے انہیں دیکھا۔ مہ روش نے البتہ ادینہ کی طرف دیکھا' مراد نے بھی توجہ دی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں امی' پھپھو کو جیسے کوئی جانتا نہیں ہے ناں' چھوٹی چھوٹی بات پکڑنے کی پرانی عادت ہے ان کی' یوں خالی ہاتھ جا کر انہیں موقع نہ دو کہ وہ ساری جگہ کہتی پھریں کہ بھتیجے کی شادی پر بھائی کے گھر سے بہو کچھ نہیں لائی"۔ سنجیدگی سے بولا۔

"اچھا بس----- لے جاؤں گی"۔ ادینہ نے ہار مانی اس سے پہلے کہ مزید کچھ سنتی۔

"اتنی بیزار کیوں ہو جاتی ہو اپنی ساس کی طرح' وہ بھی شادی میں آئیں تو بیزار شکل لے کر جیسے آ کر احسان کیا ہو بھئی ہم نے کوئی زبردستی تھوڑی کی تھی کہ آنا ہے' نہ آتیں۔ ساری عمر اپنے خول میں قید رہیں اب زور بھی ہمیں دے رہی ہیں' ایسے موقعوں پر لوگ خفت مٹاتے ہیں پر ان سے اتنا نہ ہوا کہ سیدھے منہ بات کریں' اگر تم بیچ میں نہ ہوتیں تو میں تو انہیں مخاطب بھی نہ کرتا"۔ مراد نے کوئی بھی لحاظ کیے بغیر کہا۔ وہ تھا ہی ایسا' ہر بات صاف اور سیدھی کرتا' اسی لیے شاید سب اس کی طبیعت سے خائف اس کی سنجیدگی کو دور سے سلام کرتے تھے۔ ادینہ نے کچھ کہنے کے بجائے ماں کی طرف دیکھا' البتہ مہ روش اس کی باتوں پر چونکی تھی۔

"یہ شخص تو کسی کا بھی لحاظ نہیں کرتا"۔ دل میں سوچا۔

"بس کرو مراد! کیوں ایک بات کا سرا دوسری بات سے جوڑتے ہو' کیا فائدہ کچھ بولنے کا"۔ کلثوم بیگم نے اسے ٹوکا اور بات جاری رکھی۔

"کل فروٹس اور مٹھائی بھی لے آنا' ادینہ ساتھ لے کر جائے گی"۔

"اوکے"۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا اخبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کلثوم پھپھو کسی کام سے اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ ادینہ نے مراد کے چپ ہوتے ہی شکر کا کلمہ پڑھا اور ماہی کی طرف متوجہ ہوئی جو مراد کے کھردرے لہجے کو سوچتی ادینہ سے باتوں میں محو ہوئی۔

شام کو شاہدہ پھپھو کی طرف سے کال آئی تھی۔ کل لنچ کے لیے انہوں نے سب کو مدعو کیا تھا' دعوت قبول کر لی گئی تھی' مہ روش خوش تھی کیونکہ وہاں امی ابو تو نہیں البتہ پریشے بھی جا رہی تھی' اسے امید تھی کہ ان دنوں کی الجھن پریشے سے مل کر کچھ کم ہو سکتی ہے' یہاں اسے موقع نہیں ملا تھا کہ فون پر پریشے سے تفصیلی بات کر سکتی' وہ سوچ چکی تھی کہ کل اپنے ساتھ ہوئی قسمت کی سنگینی بہن کو بتائے گی کہ شاید دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔ اسی انتظار میں اس نے کل کا انتظار کیا۔

پھپھو کے گھر پہنچے تو پہلے دولہا دلہن کا شاہانہ استقبال کیا گیا' سب کزنز اور خصوصاً پریشے سے مل کر وہ بہت خوش ہوئی تھی' ذہن مراد کی باتوں سے آزاد ہو گیا تھا۔ کھانا بہت شاندار تھا' تمام وقت سب کے ساتھ باتوں میں گزرا اور ایسے میں اُسے کوئی موقع نہ مل سکا تھا کہ وہ پریشے سے اپنی دو چار باتیں کرتی سو خواہش دل میں ہی دبا کر رہ گئی اور گھر واپس آنے سے پہلے پریشے سے جلد آنے کا وعدہ کیا اور تمام باتیں وہیں کرنے پر ٹال گئی۔

◆-----------☆-----------◆

علی آیان نے دوبارہ سے ماں سے بات کرنے کے بجائے حسن گیلانی کی طرف رخ کیا۔ عمر کی مدد سے تمام حالات اور اپنی کیفیت بتائی کہ جب تک وہ اپنے فیصلے پر کھرا اتر کر مستبشر و حال کو بھلا نہیں دیتا تب تک وہ انگلینڈ میں رہنا چاہتا ہے' ساتھ ہی ان کی مدد طلب کی۔ حسن گیلانی باریک بین اور متحمل مزاج انسان تھے' ہر چیز کے مثبت و منفی پہلو کو نظر میں رکھ کر راہ متعین کرتے تھے اور یہاں تو ان کے اکلوتے لاڈلے بیٹے کی زندگی کا سوال تھا' اگر علی واقعی بہتری کی امید اُن سب اور اپنے لیے رکھے بیٹھا تھا تو وہ کیونکر انکار کرتے۔

"ٹھیک ہے علی بیٹا! میں ساجدہ سے بات کروں گا' مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے اور تمہاری بہتر زندگی کے لیے ساجدہ بھی مان جائیں گی"۔

"تھینک یو سو مچ ڈیڈ"۔ علی تشکر سے بولا۔

"مگر ایک بات ہے"۔

"کون سی بات؟" وہ سوالیہ ہوا۔

"یہی کہ انگلینڈ میں ہمارے رشتہ دار نہیں ہیں اور ساجدہ تمہیں کبھی بھی کسی ایسی جگہ بھیجنے کے لیے رضامند نہیں ہو سکتی جہاں تم اکیلے رہو اور سب سے بڑی بات اپنے کام خود کرو گے' پہلا نقطہ وہ یہی اٹھائیں گی کہ تمہارا وہاں خیال رکھنے والا کوئی نہیں ہوگا' تمہارا کھانا بنانے اور کپڑے دھونے' استری کرنے والا کوئی نہیں ہوگا"۔ بیوی کی بیٹے کے لیے فکرمندی کو پُرمزاح انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے قابل غور بات سامنے لائی تھی۔

"یہ بات تو ہے"۔ وہ باپ کی بات سے متفق تھا۔

''پھر کیا کہوں.....؟''

''اٹلی بیسٹ رہے گا' وہاں تمہاری پھپھو اور چچا اپنی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں' ساجدہ مان گئیں تو مطمئن بھی رہیں گی اور تم بھی گھر جیسے ماحول میں رہو گے' ویسے بھی سب تم سے محبت کرتے ہیں' کافی عرصے سے بلا بھی رہے ہیں اور اب جبکہ تم کچھ عرصے کے لیے جانا بھی چاہتے ہو تو اٹلی ٹھیک رہے گا''۔ کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے علی کو بہترین صلاح دی۔

''واقعی ڈیڈ! یقیناً مما کو بھی پھر اعتراض نہیں ہوگا''۔ علی نے خوشی و طمانیت سے کہا۔

''اور وہاں تم مصروف بھی ہو جاؤ گے' سرمد کے ساتھ اس کے آفس جانا' کچھ نہ کچھ بزنس کے بارے میں سیکھ بھی جاؤ گے' سرمد کو بھی ہیلپ کی ضرورت ہے' ابھی اس کے دونوں بیٹے چھوٹے ہیں اور پھر واپس آ کر تم یہاں پاکستان میں بزنس سنبھال لینا''۔ وہ مکمل سوچ چکے تھے۔

سرمد گیلانی اور حسن گیلانی کا مشترکہ بزنس تھا۔ پاکستان میں بزنس حسن گیلانی اکیلے سنبھال رہے تھے اور ساتھ ہی ہر دوسرے مہینے وہ اٹلی سرمد گیلانی کی طرف بھی چکر لگاتے' وہاں کے معاملات میں سرمد گیلانی کے ساتھ صلاح مشورے اور کاروبار میں مزید بہتری کی راہ نکالتے۔ یونیورسٹی آف ہونے کے بعد سے وہ علی کی طرف سے مایوس تھے۔ مبشرہ سے جدائی میں بیٹے کو نڈھال دیکھ کر وہ ایک لمحہ بھی چین سے نہیں رہے تھے' اس دوران اٹلی بھی نہ جا سکے مگر اب علی کی خواہش سے انہیں امید کی کرن نظر آئی تھی' اپنے جوان جہان بیٹے کو وہ بیکار نہیں جانے دے سکتے تھے۔

''ٹھیک ہے ڈیڈ! میں تیار ہوں''۔ علی کو کوئی انکار نہیں تھا۔

''گڈ! میں ساجدہ سے بات کر لوں پھر سرمد سے بھی رابطہ کرتا ہوں''۔

''تھینک یو ڈیڈ!'' علی ان کے گلے لگا۔

''خوش رہو''۔ وہ مسکرائے۔ حسن گیلانی نے جہاں بیٹے کو خوش کر دیا تھا وہاں بیوی کو راضی کرنے کا طریقہ بھی سوچ لیا تھا۔

☆

''مبشرہ جمال اس کی پہلی محبت' وہ پہلی لڑکی جس نے اس کے احساسات و جذبات کو انجانے میں اپنی اداؤں سے جگایا تھا اور جب سے اب تک اسے دیوانہ بنائے رکھا تھا مگر اس دیوانگی میں بہت گہری خاموشی تھی۔ پچھلے کئی سالوں سے وہ بڑی خاموشی سے اسے دل میں بسائے اپنی یکطرفہ محبت کے سفر میں آگے بڑھا جا رہا تھا' نہ اسے اعتراف کی جلدی تھی نہ اقرار کی' بس دل میں چاہت کے ہزاروں دیپ مبشرہ جمال کے نام کے جلائے ہوئے تھا۔

کزنز ہونے کے ناتے ملنے ملانے پر کوئی پابندی کبھی نہ تھی۔ وہ پھپھو کے گھر شروع سے زیادہ آنا جانا کرتا تھا' احسان سے بھی دوستی تھی' زہرہ پھپھو بھی اس سے بے انتہا پیار کرتی تھیں۔ سید جمال شاہ بھی گھنٹوں اس سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے اور مبشرہ جمال سے باتوں کے دوران وقت گزرنے کا مشارب شاہ کبھی اندازہ ہی نہ کر پایا تھا۔ مشارب کو اس سے مخاطب ہونا اچھا لگتا تھا' چھوٹی سے چھوٹی بات اس سے شیئر کرتا تھا۔ جب وہ فائنل ایئر میں تھا تب اسے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس کے اندر کچھ کچھ بدل رہا ہے' مبشرہ کو لے کر اس کی فیلنگز میں بدلاؤ آتا جا رہا تھا' وہ عجب کشمکش کا شکار تھا جبھی معمولی سی کوشش کے بعد وہ جان چکا تھا' اپنے اندر بدلاؤ کی وجہ معلوم کر چکا تھا۔

وہ جان چکا تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں' قہقہوں کے دوران محبت کے خوبصورت' پُرفسوں جذبے نے اس کے دل پر دستک دے دی تھی اور پہلی ہی دستک پر اُس نے اپنے دل کے تمام دروازے مبشرہ کے لیے وا کر دیئے تھے' اپنے تمام جذبے اس کے نام کر دیئے تھے۔ اپنی آرزوؤں' ارمانوں میں اسے بسا لیا تھا۔ خون کے ہر قطرے کے ساتھ اسے جسم میں گردش کرتے پا لیا تھا' اپنی روح کو آئندہ کی بے لوث محبتوں کے سمندر میں اپنی تمام کیفیات سونپ کر خود وہ ہواؤں میں رقص کرنے لگا تھا' محبت کا احساس اس کے لیے خوبصورت تھا۔ مبشرہ حسین تھی' دل کیا جواز اٹھاتا؟

اس نے انتظار کا فیصلہ کیا' تب مبشرہ کالج میں تھی۔ وہ اس کے خواب' خواہش سے واقف تھا۔ اسے دل میں بڑھتے محبت کے طوفان پر قابو پانا پڑا۔ مبشرہ اسلام آباد پڑھنے کے لیے یونیورسٹی گئی' مشارب شاہ نے 4 سال شدتِ جذبات سے اس کا انتظار کیا۔

اس دوران اس کی ننھی سی دوست فلک شاہ بھی کالج میں آ پہنچی۔ فلک سے اس کی دوستی خوب تھی' گھنٹوں اس سے باتیں کرنا مشارب کا معمول تھا۔ فلک کی نادانیاں' مستیاں' بات بے بات چھیڑنا اسے لطف دیتا تھا۔ چچی جان کی فکر کو دیکھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کرتا مگر وہ بات ہی ٹال جاتی۔ فلک کو کام کرنا پسند نہ تھا' وہ فلک سے کام کرواتا تھا۔ اسے تنگ کرتا' وہ ناراض ہوتی' اسے مناتا' آئسکریم کھلانے لے جاتا۔ فلک اس سے بہت خوش تھی مگر اس دوران وہ اپنے دل کی بھی خوب خبر رکھے ہوئے تھا' جہاں مبشرہ کے انتظار کے ساتھ مشارب کو ننھا منا سا خدشہ ڈھیرے ڈھیرے سوچنے پر مجبور کرتا۔

کیا فلک اس کی دوستی کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں تو نہیں تول رہی؟ کہیں فلک ہنسی مذاق' مشارب کی گفتگو کو محبت کا رنگ تو نہیں دے رہی؟ کہیں فلک دوستی کے رشتے پر محبت کی پوشاک تو نہیں ڈال رہی؟ ایسے بہت سے خدشات کے حل کے لیے اس نے جانتے بوجھتے فلک کے سامنے معنی خیز گفتگو کی۔ اپنے متعلق اس کے جذبات جاننے چاہے اور بہت جلد اس کے تمام خدشات ہوا ہوئے۔ فلک کے دل میں اپنے لیے اسے کوئی خاص الگ قسم کی فیلنگز کا احساس نہ ہوا' وہ ریلیکس سا ہوا ورنہ وہ سوچے ہوئے تھا کہ اگر فلک ایسا کچھ سوچے ہوئے ہے تو وہ آرام سے اسے سمجھا کر اپنا راستہ اس سے الگ کر لے گا' مگر ایسا نہ ہونے کی تسلی بخش یقین کے بعد وہ اپنے سابقہ رویے میں فلک سے باتیں کرتا' مگر اسی جان پرکھ سے جہاں وہ مطمئن ہوا تھا وہیں یہ جاننے میں بالکل ناکام ہوا تھا کہ اس کی معنی خیز گفتگو سے فلک شاہ کے دل میں پُرسحر سا بھونچال آیا تھا۔ اس کی سوچوں کا محور محض مشارب کی ذات رہ گئی تھی جس کا کھلا اظہار خود سے تو اُس نے بہت دھڑلے سے کیا تھا مگر مشارب کے سامنے چپ کے قفل ڈالے وہ مشارب کے منہ سے اقرار و اعتراف سننے کے لیے طویل تر انتظار کرنے کے لیے بھی تیار ہو گئی تھی۔

اس دوران مبشرہ جمال پڑھائی مکمل کرنے کے بعد ملتان واپس آئی تو مشارب نے اپنا اولین ارادہ اس سے بات کرنے کا بنایا مگر اس سے پہلے وہ کم از کم مبشرہ کی سوچ جاننا چاہتا تھا۔ مبشرہ اپنا اسکول بنانا اور چلانا چاہتی تھی' شادی بھی تین چار سال تک کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی جس کا ذکر باتوں ہی باتوں میں اس نے مشارب سے کیا اور مشارب نے جواباً چپ سادھتے ہوئے انتظار کا فیصلہ کیا۔

آصفہ بیگم اپنے اکلوتے بیٹے کے دل کا حال جان گئی تھیں۔ وہ بھی ماں کے سامنے اقرار کر گیا۔ اپنی منزل کے تمام راستے اسے صاف دکھائی دے رہے تھے یہ جانے بغیر کہ امی فلک کو بہو بنانا چاہتی ہیں اور وہ مبشرہ سے شادی

کرنا چاہتا ہے۔ اپنی زندگی میں اسے سب پرفیکٹ لگ رہا تھا' اپنی خوش بختی پر وہ بہت خوش تھا۔

☆

منصور عالم اور کوثر بیگم دو ہی بہن بھائی تھے۔ ماں باپ کے حیات ہوتے ہی منصور عالم کی شادی کلثوم بیگم سے ہوئی تھی' دونوں ایک دوسرے سے خوش تھے۔ ان کی دو اولادیں مراد منصور اور ادینہ تھیں۔ منصور عالم کی بہن کوثر نے بھی ماں باپ کی زندگی میں ہی پسند کی شادی کرنی چاہی تھی مگر تب منصور عالم نے بہن کی شدید مخالفت کرتے ہوئے انہیں پسند کی شادی سے باز رہنے کو کہا تھا۔ وہ شروع سے شدید غصیلے اور اپنی من مانی کے قائل تھے' گھر بھر میں اُن کا رعب تھا' ان کی بات کو اہمیت دی جاتی تھی مگر بہن نے اپنے معاملے میں بھائی کو ذرا برابر بھی اہمیت نہ دی اور کسی بھی طرح ماں باپ کو راضی کر لیا۔ منصور عالم بے طرح کے طیش کا شکار کوثر کی شادی کو اپنی بے عزتی سمجھتے رہے وہ شدید رنج میں ڈوبے رہے' بہن سے کلام اس کی شادی کے دن کے بعد سے نہ کیا اور جب ماں باپ یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہوئے تو انہوں نے بہن سے گویا ہر رشتہ ختم کر لیا تھا۔ کوثر کو بھائی کے قطع تعلق سے ذرا بھی دکھ نہ ہوا۔ بھائی اگر اپنی اَنا و عزت کے خول میں قید تھا تو بہن نے بھی دوبارہ بھائی سے رابطے میں اپنی تذلیل سمجھی۔ یونہی دن' مہینے اور سال گزرتے گئے' دونوں میں ملنا ملانا نہ تھا' اسی دوران منصور عالم بھی خالق حقیقی سے جا ملے مگر ان کی جگہ اُن کے بیٹے مراد منصور عالم نے سنبھال لی تھی۔ منصور عالم اگر سیر تھے تو وہ اپنی ذات میں سوا سیر تھا۔ کوثر بیگم بھی بھائی کے مرنے کے بعد اپنے لہجے میں لچک نہ لا سکیں' بھاوج اور بھائی کی اولاد سے بھائی کے جیسا سلوک روا رکھا۔ کلثوم بیگم اور ادینہ تو نہ کچھ کہتیں نہ مزید بدمزگی چاہتی تھیں مگر مراد' کوثر بیگم سے باپ کی طرح بیر پالے ہوئے تھا' سنجیدہ و غصیلا وہ بھی تھا۔

وقت یوں ہی گزرتا رہا۔ کلثوم بیگم اور سعید احمد نے بڑی چاہ اور سب کی رضامندی سے ادینہ اور وقار کا رشتہ طے کیا' سب خوش تھے۔ شادی کی تمام تیاریاں مل کر کی گئی تھیں۔ مہندی سے دو دن پہلے نکاح کی تقریب رکھی گئی تھی مگر عین نکاح کے وقت وقار نے ادینہ سے شادی سے انکار کر دیا۔ سب نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ اپنی بات پر قائم رہا' کلثوم بیگم تو سکتے میں چلی گئی تھیں۔ بیٹی کی رسوائی کا ڈر ان کا دل دہلا گیا تھا۔ مراد الگ اندر ہی اندر جل رہا تھا' ایسے میں کوثر بیگم کے بیٹے معید نے ادینہ سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ کوثر بیگم نے معید کو بہت روکا' جس بھائی نے ساری عمر اپنی زندگی میں انہیں پوچھا تک نہ تھا وہ اُسی بھائی کی بیٹی کو کسی صورت میں بہو نہیں بنانا چاہتی تھیں مگر اُن کا بیٹا اپنی بات پر بضد رہا۔ تمام گزری باتیں ایک طرف' معید نے کڑے وقت میں پیچھے ہٹنا مناسب نہ سمجھا اور ادینہ کو اپنا لیا۔ مراد نے ماموں کے گھر سے تعلق توڑ لیا' معید نے تب نہ صرف ادینہ کو اپنایا بلکہ اسے ہر خوشی دی۔ کلثوم بیگم اور مراد مطمئن ہو گئے مگر وہاں سے کوثر بیگم نے اپنا کرنا شروع کیا' انہیں ادینہ کا وجود آنکھوں میں چبھنے لگا' ایسے میں معید نے ماں کے بجائے بیوی کا ساتھ دیا۔ ادینہ نے پھپھو کی پروا نہ کی کہ محض معید کا ساتھ اس کے لیے بہت تھا' لیکن ادینہ سے پھپھو کا اختلاف اور رویہ مراد کی برداشت سے باہر تھا۔ دونوں پھوپی' بھتیجا ایک دوسرے کو دیکھنے کے روادار نہ تھے البتہ کلثوم بیگم ادینہ کو سمجھاتی رہتیں کہ کچھ بھی ہو جائے کوثر بیگم سے نہ اُلجھے' شاید یہی وجہ تھی کہ آج تک کوئی بات یا مسئلہ سنگین حالات تک نہ گیا تھا۔ شادی کے تین سال گزرنے کے باوجود ادینہ کے ہاں اولاد نہ ہوئی اس بات پر بھی معید نے اس کا ساتھ دیا کہ بے شک اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

"ادینہ! میں نے سب کے سوٹ اور باقی چیزیں گاڑی میں رکھوا دی ہیں' مراد گاڑی اسٹارٹ کر رہا ہے تم بھی جلدی کرو"۔ کلثوم بیگم نے آ کر اسے کہا تھا۔

"اچھا امی! بس دو منٹ"۔ اس نے موبائل پرس میں رکھتے ہوئے کہا پھر مزید بولی۔

"امی! تم بھی چلو ناں"۔

"اس کی کیا ضرورت ہے اور یوں اس کا تمہارے ساتھ جانا مراد کو بھی اچھا نہیں لگے گا"۔ امی کی جگہ کلثوم پھپھو نے کہا۔

"افوہ امی! میں یہ تو نہیں کہہ رہی کہ یہ میرے ساتھ گھر کے اندر بھی جائے' بس مجھے گھر کے باہر ڈراپ کر کے واپس آ جائے"۔ وہ بولی۔

"اتنی سی دیر کے لیے جا کر میں کیا کروں گی؟" امی نے اب کے منع کرنا چاہا۔

"کچھ خاص نہیں بس مجھے ڈراپ کرنے کے بعد مراد کے ساتھ تھوڑا گھوم پھر لینا' شادی کے بعد تم دونوں ایک مرتبہ بھی باہر نہیں گئے' آج موقع مل رہا ہے تو فائدہ اٹھاؤ"۔ وہ کہتے ہوئے مسکرائی۔

"ہاں بیٹا! ادینہ ٹھیک کہہ رہی ہے' تم بھی ساتھ جاؤ' تھوڑا گھوم پھر لینا' کتنے دن ہوئے گھر میں ہی ہو تم"۔ اس سے پہلے کہ وہ منع کرتی پھپھو نے بھی ادینہ کی تائید کی۔

"جیسے آپ چاہیں"۔ وہ بحث یا انکار کرنے کے بجائے اثبات میں سر ہلانے لگی حالانکہ دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ مراد کے سنگ اکیلے سفر کرے۔

"یہ ہوئی ناں بات"۔ ادینہ مسکرائی۔

"اچھا امی چلتی ہوں' اللہ حافظ"۔ پھر اجازت لیتی ماں کے گلے لگی۔

"اللہ حافظ! اپنا خیال رکھنا"۔ اس کی پیشانی چومتے ہوئے وہ بولیں۔ انہیں ہمیشہ ادینہ کی فکر رہتی تھی۔ اللہ کی شکر گزار بھی تھیں کہ معید ماں کی باتوں میں نہیں آتا ورنہ تو ادینہ کی زندگی دوبھر ہو جاتی۔ وہ دونوں آگے پیچھے گاڑی تک آئیں۔ مراد جو ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا مہ روش پر نظر پڑتے ہی فوراً بولا۔

"آپ کہاں کی تیاری میں ہیں بیگم صاحبہ؟" انداز و آواز چاہت بھری تھی۔ ادینہ مسکراتے ہوئے دروازہ کھول کر بیٹھنے لگی' البتہ مہ روش اس دھوکے باز شخص کے بناوٹی پیار بھرے سوال کا جواب دینا نہیں چاہتی تھی ابھی بھی خاموشی سے بیٹھنے لگی۔

"امی کو میں نے کہا ہے ساتھ چلنے کو اور مجھے ڈراپ کرنے کے بعد تھوڑا گھوم پھر لینا دونوں"۔ ادینہ نے کہا۔

"بہت اچھا کیا تم نے' میں رات میں ہی اس سے ڈسکس کر رہا تھا"۔ گاڑی روڈ پر ڈالتے ہوئے وہ بولا' بلکہ مبالغہ آرائی سے کام لیا۔ امی نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر باہر دوڑتے مناظر دیکھنے لگی۔

"ڈسکس کرنے سے کیا ہوتا ہے' ایک دفعہ بھی لے کر تو گئے نہیں اسے"۔

"آج کے بعد روز لے جاؤں گا"۔ مراد نے بیک ویو مرر سے امی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا مراد! تم دونوں ہنی مون کے لیے کہاں جاؤ گے؟" ادینہ نے یاد آنے پر پوچھا۔ امی ہنوز باہر دیکھ رہی تھی مگر اس کا سارا دھیان ان دونوں کی گفتگو پر تھا۔

"کہیں بھی نہیں"۔ اس نے ٹکا سا مگر غیر متوقع جواب دیا۔

(جاری ہے)

☆

تبسم فیاض

افسانہ

عذاب لمحے گلاب یادیں

''ارے زارا آپی! انھیں نا اتنی زبردست نیوز ہے اور آپ سو رہی ہیں''۔ زویا چیخ و پکار کرتی ہوئی زارا کے سر پر سوار تھی۔

''کیا ہے بھئی کیا بات ہے......؟'' زارا جھنجھلاتی ہوئی اٹھی، زرشا بھی وہیں آ گئی۔

''ارے آپی! وہ سارہ آنٹی ہیں نا اسلام آباد میں ان کے بیٹے آج رات سات بجے کی فلائٹ سے کراچی آ رہے ہیں اک خاص کام کے لئے''۔ زرشا نے اپنے طور پر جلدی جلدی زارا کے گوش گزار کیا کہ کہیں زویا نہ بتا دے۔ زارا نے ذہن پر زور ڈالا تو اسے یاد آیا کہ امی کی اکلوتی رشتے دار ان کی دور کی چچازاد بہن جن کا نام وہ بچپن سے سنتی آ رہی تھی مگر دیکھا کبھی نہیں۔

''سارہ آنٹی...... اوہو تو کیا وہ بھی آ رہی ہیں......؟'' زارا نے سرسری سا پوچھا۔

''نہیں آپی! خالی آریان بھائی آ رہے ہیں''۔ زویا نے ایک اور معلومات میں اضافہ کیا۔

''چلیں آپ کو امی بلا رہی ہیں''۔ یہ کہہ کر زویا اور زرشا چلی گئیں۔

''زارا بیٹا! کھانے میں رات میں کباب پلاؤ اور کڑاہی بنا لینا اور میٹھے میں کسٹرڈ بنا لینا' آریان پہلی دفعہ آ رہا ہے خوب اچھی تواضع ہونی چاہئے''۔ نورین بیگم بڑے رسان سے بولیں۔

''لیکن امی! اتنی چیزیں آپ کو پتہ ہے مہینے کا آخر ہے اور آپ ایک ہفتے کا کھانا ایک دن میں بنوا





رہی ہیں......؟'' زارا نے اپنے گھر کے حالات کے پیش نظر بتایا۔

''ارے بیٹا! کیا ہوا' وہ کوئی زیادہ دن نہیں رہے گا بس تین دن کی بات ہے''۔ نورین بیگم محبت سے بولیں۔

نورین بیگم اک متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھیں شوہر منیب احمد ایک سرکاری اسکول میں ٹیچر تھے' نہ تو منیب احمد کا کوئی رشتے دار تھا اور نہ ہی نورین بیگم کا' اگر تھے تو بہت دور کے رشتے دار تھے جن کے گھر نہ کبھی آنا ہوا نہ جانا بس باتوں اور یادوں میں ہی ان کا تذکرہ ہوتا تھا۔ تنخواہ کی کمی کے باعث گزارہ کھینچ تان کر ہی کرتے تھے' زارا' زرشا اور زویا اس دنیا میں آ گئیں۔ منیب احمد پر خرچوں کا ایک بار سا پڑ گیا' وہ اب پارٹ ٹائم بھی کرنے لگے۔

ایک دن منیب احمد گھر آ رہے تھے کہ راستے میں ہنگامہ ہوا اور منیب احمد بھی نامعلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں گولیوں کا نشانہ بن گئے اور اس طرح نورین بیگم کی دنیا اندھیر ہو گئی۔ چھت ایک واحد آسرا تھی ان کے پاس۔ انہوں نے ایک کمرہ واش روم اور کچن اپنی تحویل میں لے لیا اور باقی پورا گھر کرایہ پر چڑھا دیا' آمدنی کا کچھ ذریعہ بنا تو انہوں نے سلائی شروع کر دی' اس طرح کچھ اور بہتری آئی اور وہ اپنی بچیوں کی کفالت کرنے لگیں۔ انہوں نے بہت محنت سے بچیوں کو پڑھایا اور اب زارا اور زرشا نے ایک پرائیویٹ اسکول اور کوچنگ سینٹر میں پڑھانا شروع کر دیا اور نورین بیگم کو سلائی کا کام چھوڑوا دیا۔ ایک کمرے میں گزارہ نہ ہونے کی صورت میں اب گھر کے دو حصے کر کے ایک حصہ کرائے پر اور ایک میں خود رہنے لگیں۔ اب نورین بیگم کو بس ان تینوں کی شادی کی فکر کھائے جاتی تھی ایسے میں آریان انہیں ایک روشن ستارہ لگا۔

☆

''اسلام علیکم آنٹی!'' آریان نے دروازہ کھلتے ہی نورین بیگم کو سلام کیا۔

''وعلیکم اسلام بیٹا! جیتے رہو''۔ نورین بیگم اسے دیکھ کر پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ گھر میں داخل ہوتے ہی نورین بیگم نے تینوں کا تعارف کروایا آریان اپنی مردانہ وجاہت اور ڈریسنگ سے واقعی بہت اونچے گھر کا لڑکا لگ رہا تھا۔

''آنٹی پلیز! آپ مجھے روم بتا دیجئے میں پہلے فریش ہونا چاہتا ہوں''۔ آریان تھکن سے چور بولا۔

''روم......'' یہ کہتے ہوئے زویا کا ہنسی کا فوارہ چھوٹ گیا اور بولی۔

''آریان بھائی! اس گھر میں بس دو ہی روم ہیں' ایک اب آپ کا ہوگا اور ایک ہمارا اور یہ تو ایک چھوٹا سا صحن تھا جس پر ہم نے چھت ڈال کر روم بنا لیا ہے' اسے ہم ڈرائنگ روم' ڈیننگ روم اور لاؤنج کے طور پر استعمال کرتے ہیں''۔ آریان جھینپ گیا' زرشا کو زویا کا گھر پر تذکرہ کرنا اس طرح اچھا نہیں لگا فوراً ڈپٹا اور بولی۔

''بری بات زویا! جیسا بھی ہے تمہیں اس پر شکر کرنا چاہئے''۔

''بالکل......'' زارا نے بھی زرشا کا ساتھ دیا۔ آریان بہت دلچسپی سے ان تینوں بہنوں کی باتیں سننے لگا۔

''اچھا چھوڑو بیٹا! کھانا گرم کرو۔ آریان! آپ کمرے میں سامان رکھ کر منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ بیٹا' میں کھانا لگواتی ہوں''۔ نورین بیگم نے بات ختم کی۔

کھانے کے دوران آریان کھانے کی تعریف ہی کرتا رہا اور اپنے بارے میں بہت بے تکلفی سے بتایا۔ آریان اسلام آباد کے ایک کالج میں لیکچرار تھا۔ سارہ آنٹی کو اس کی شادی کی بہت فکر تھی' کیونکہ گرلز کالج میں لیکچر شپ کرتے کرتے کہیں آریان الٹی سیدھی لڑکی پسند نہ کر لے بس یہی بات انہیں تنگ کرتی اور ایسے میں انہیں 20 سال پرانی اپنی چچا زاد بہن یاد آ گئی اور اس خاص کام کے لئے انہیں وہ ہی موزوں لگیں کیونکہ نورین بیگم سادہ طبیعت کی خاتون تھیں تو لہٰذا ان کی

بیٹیاں بھی انہیں کا پرتو ہوں گی اس لئے آریان کو انہوں نے یہاں خاص کر لڑکی پسند کرنے بھیجا۔

☆

زارا اور زویا' نورین بیگم کے گرد نہ جانے کن باتوں میں مصروف تھیں اور آریان بیڈ پر لیٹا پردے کے پیچھے سے اس محبت سے گوندھے ہوئے آشیانے کا جائزہ لے رہا تھا۔ آج دوسرے دن اسے اندازہ ہوا کہ گھر میں مرد نہیں لیکن پھر بھی گھر کا کوئی کام رکتا نہیں۔ زارا اندر اور باہر کے کام بڑی پھرتی سے نمٹاتی تھی' زویا میں الہڑپن تھا شاید چھوٹی تھی یا وہ گھر کو اپنی چھیڑ چھاڑ سے پر مزاح بنا کر رکھتی تھی۔ ابھی وہ زرشا کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ بال کھولے آئی اور اپنی سینڈل صوفے کے نیچے سے نکال کر پہننے لگی۔ آریان بیڈ سے اٹھ کر بیٹھ گیا' اتنے بڑے بال اس نے ابھی تک پورے اسلام آباد میں کسی لڑکی کے نہیں دیکھے تھے' ٹخنے تک آئے براؤن اور بلیک مکس بال آریان کا سکون لے گئے۔ بال اور آنکھیں تینوں کی بڑی تھیں' نارمل شکل و صورت کی یہ زارا' زویا اور زرشا اپنی ان ہی دونوں خصوصیات کی وجہ سے تمام لڑکیوں میں نمایاں نظر آتی تھیں۔ آریان نے دوسرے دن ہی سارہ آنٹی کو فون کر کے زرشا کے لئے اوکے کر دیا۔ اس طرح بہت جلد شادی کی تاریخ طے ہو گئی اور شادی کا دن آ پہنچا۔

☆

زرشا کو اپنی قسمت پر ناز ہو رہا تھا 500 گز کا بنگلہ' اکلوتا اور خوبصورت لڑکا' نہ نند اور نہ ہی سسر بس اکلوتی ساس اور 8 سے 10 نوکر یہ تو کبھی خواب میں بھی زرشا نے نہیں سوچا تھا۔ آریان بہت محبت کرنے والا اور خیال کرنے والا شوہر ثابت ہوا۔ زرشا بھی سب کا خیال رکھتی اور سارہ آنٹی کے ہر کام میں ساتھ دیتی۔ ان کی فرینڈز سے تعلقات پارٹیز' سیمینارز سب میں زرشا ان کے ساتھ ساتھ ہوتی۔ یہ ساری باتیں زرشا کے لئے ٹریکٹو تھیں کیونکہ زرشا نے پہلے کبھی یہ نہیں دیکھا تھا۔

آہستہ آہستہ زرشا پر سوسائٹی کا رنگ چڑھنے لگا اور وہ گھر پر کم باہر زیادہ نظر آتی۔ اسی دوران زرشا پر ماں بننے کا انکشاف ہوا۔

''آریان پلیز! میں ابھی ماں نہیں بننا چاہتی''۔ زرشا ڈھٹائی سے بولی۔

''واٹ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو......؟'' آریان چیخ پڑا۔

''لیکن کیوں......؟ اولاد تو تحفہ ہے ہمارے لئے اس گھر میں کتنی ضرورت ہے کہ بچے لان میں کھیلتے ہوئے نظر آئیں اور یہ ماما کی بھی خواہش ہے''۔

''ماما کے چکر میں' میں اتنی جلدی ان جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہتی' ابھی میں کچھ دن اور آزادی سے گھومنا پھرنا چاہتی ہوں''۔ زرشا نے نہایت بیزاری سے کہا۔

''زرشا! میں بہت دن سے تمہیں چینج دیکھ رہا ہوں' گھر میں عدم دلچسپی' میرے ہونے یا نہ ہونے کا تمہیں کوئی احساس نہیں ہوتا' ماما کے بہت سے معاملات میں لاپروائی لیکن میں سب اگنور کرتا رہا' لیکن میں اس معاملے میں چھوٹ نہیں دے سکتا' یہ اولاد میری ہے' میں اسے تمہاری ذہنی بے راہ روی کا شکار نہیں ہونے دوں گا''۔ آریان کی برداشت کی حد ختم ہو گئی۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور زرشا نے اس کی ان باتوں کو بھی سیریس نہیں لیا۔ کافی دن تک آریان اور زرشا کے درمیان بحث رہی' آخر ایک دن زرشا نے آریان کی بحث کے خاتمے کا حل ڈھونڈ ہی لیا۔

''آریان! میں نے تمہاری روز روز کی ٹینشن ختم کر دی' میں نے ابارشن کروا لیا ہے''۔

''چٹاخ''۔ یہ خبر سنتے ہی ایک زوردار تھپڑ زرشا کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔ اندر آتی سارہ بیگم کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس چھوٹ گیا' انہیں زرشا سے یہ امید نہیں تھی۔ آریان اور زرشا کے بیچ چپقلش بڑھتی جا رہی تھی اور زرشا اسے آریان کا وقتی غصہ سمجھ رہی تھی لیکن آریان' زرشا سے بہت بددل ہو گیا تھا کیونکہ زرشا کی

روٹین میں کوئی فرق نہیں آرہا تھا۔ آریان اگر گھر میں رہتا تو زرشا کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر کڑھتا رہتا' اگر کچھ بولتا تو گھر میں اک ٹینشن کا ماحول ہو جاتا جو کہ سارہ بیگم کی صحت پر بہت برا اثر ڈالتا۔

''آریان! میں پارلر جارہی ہوں' تم ماما کے پاس بیٹھ جاؤ کیونکہ آج زوبینہ نہیں آئی جو انہیں دوائی پلا سکے یہ کہہ کر زرشا چلی گئی اور آریان اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔

''کیا زرشا اتنی کیئرلیس ہوگئی کہ ماما کو دوائی بھی ٹائم پر دینے کے لئے رک نہیں سکتی''۔ آریان الجھا الجھا سا سوچنے لگا۔ زرشا پہلے سے بہت اچھی ہوگئی تھی' اس نے اپنے آپ کو بہت نکھار لیا تھا' اب وہ بھی خوبصورت لڑکیوں میں شمار ہونے لگی تھی۔ پڑھی لکھی تو تھی' اس لئے جلد ہی اس ماحول میں اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرلیا تھا۔ پارلر سے آنے کے بعد آریان اس کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اس کی نگاہ زرشا کے بالوں پر پڑی۔ آریان ایک جھٹکے سے کھڑا ہوگیا۔ زرشا کے ٹخنے تک آتے بال اب صرف شولڈر سے تھوڑا نیچے تھے۔ آریان نے زرشا کو جھنجھوڑ دیا۔

''زرشا! یہ تم نے کیا' کیا......؟'' آریان دکھ سے بولا۔

''آریان! میں جب پارلر جاتی تھی تو سب میرے بال دیکھ کر مسکراتے تھے اور پارلر والی یہی کہتی تھیں کہ یہ سب مڈل کلاس لڑکیوں کے چونچلے ہیں آپ انہیں کیسے مینٹین کرتی ہیں؟ میں کیا کرتی اب میں اتنے بڑے بالوں کی کیئر نہیں کر پارہی تھی اس لئے میں نے یہ جھنجھٹ ختم کردیا''۔ زرشا نے انتہا کردی۔

''زرشا! یہ تمہارے ٹکٹ ہیں آج شام کی فلائٹ سے تم کراچی واپس جارہی ہو''۔ آریان نے آخر حل ڈھونڈ ہی لیا۔

''کیا......؟ لیکن مجھے کراچی نہیں جانا' میں کراچی کس کے پاس جاؤں گی......؟ امی دنیا میں نہیں ہیں اور زارا اور زویا اپنی اپنی سسرالوں میں ہیں' میں کس کے پاس رہوں گی......؟'' زرشا کو آریان کی بات سے شاک لگا۔

''وہ سب ٹھیک ہے تم اپنے پرانے گھر میں رہو گی' وہ تو وہیں ہے''۔ آریان قطعیت سے کہتا ہوا چلا گیا۔

☆

اور آج زرشا اپنے انہیں دو کمروں کے گھر میں تنہا بیٹھی آنسو بہا رہی تھی اور اپنا وقت اور آریان کی محبت یاد کر کر کے دل ہی دل میں پچھتا رہی تھی۔ آریان نے بالکل ٹھیک فیصلہ لیا تھا' زرشا کو ماضی کا آئینہ دکھانا بہت ضروری تھا' کیونکہ آریان کو اندازہ ہوگیا تھا کہ زرشا بہت آگے بڑھ چکی ہے' اس کی سمجھ اب باتیں سننے سمجھنے اور عمل کرنے سے بہت دور ہوگئی ہے' اس لئے اپنی محبت بچانے کا ایک یہی راستہ نظر آیا جس پر اس نے سارہ آنٹی کی مخالفت کے باوجود عمل کیا۔ زرشا نے نماز ادا کی اور اپنے رب سے تہہ دل سے معافی طلب کی اور پھر سے آریان کو پانے کی دعا کی۔ آج اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ کتنا بھٹک گئی تھی' اسٹیٹس کے چکر میں اس مادی دنیا کے چکر میں اس نے اپنا گھر کا سکون اپنے شوہر کی محبت اور سب سے بڑھ کر اپنا بچہ کھو دیا تھا۔ موبائل پر زرشا کا نمبر دیکھ کر آریان نے فون اٹینڈ کیا۔ آریان کی آواز سن کر زرشا پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ آریان بھی چاہتا تھا کہ وہ اپنی تمام غلطیاں ان آنسوؤں میں بہا دے۔

''مجھے معاف کردو آریان! مجھے گھر لے چلو میں اب سمجھ گئی ہوں کہ محبت اور گھر کا سکون کیا چیز ہے' یہ پارٹیاں' پیسہ' سوشل ورک گھر اور شوہر سے بڑھ کر نہیں ہیں''۔

''اچھا ٹھیک ہے میں کل آرہا ہوں تمہیں لینے' اپنی تیاری کرلو''۔ آریان اپنی محبوب بیوی کو صرف اس کی غلطی کا احساس دلانا چاہتا تھا' اسے شرمندہ کرنا نہیں۔

اگلے دن زرشا ایک نئے عزم کے ساتھ اس گھر سے رخصت ہو رہی تھی' اپنا محبت بھرا آشیاں بنانے۔ یہ سوچ کر زرشا نے آریان کے شانے سے سر ٹکا دیا اور آریان نے بھی اس کی ہر غلطی بھلا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

☆

صدف سعد

ردا کی ڈائری

ثنا خان صنعا کی ڈائری سے

احمد فراز کا کلام

اب ہم ہیں اور سارے زمانے کی دشمنی
اس سے ذرا سا ربط بڑھانا بہت ہوا
اب کیوں نہ زندگی پہ محبت کو وار دیں
اس عاشقی میں جان سے جانا بہت ہوا
کیا کیا نہ ہم خراب ہوئے ہیں مگر یہ دل
اے یادِ یار تیرا ٹھکانہ بہت ہوا

سعدیہ عابد کی ڈائری سے

نوشی گیلانی کی نظم

کبھی ہم بھیگتے ہیں
چاہتوں کی تیز بارش میں
کبھی برسوں نہیں ملتے
کسی ہلکی سی رنجش میں
تم ہی میں دیوتاؤں کی خو بو نہ تھی ورنہ
کمی کوئی نہیں تھی میرے اندازِ پرستش میں
یہ سوچ لو پھر اور بھی تنہا نہ ہو جانا
اسے چھونے کی خواہش میں
اسے پانے کی خواہش میں
بہت سے زخم ہیں دل میں
مگر اک زخم ایسا ہے
جو جل اٹھتا ہے راتوں میں
جو لو دیتا ہے بارش میں

مسز ریما رضوان کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی نظم

تمہارے بن نہیں رہنا

تمہارے بن نہیں رہنا
مجھے تم سے محبت ہے
ہے تم سے بس یہی کہنا
مجھے تم سے محبت ہے
زباں تو کہہ نہیں سکتی
تمہیں احساس تو ہوگا
میری آنکھوں کو پڑھ لینا
مجھے تم سے محبت ہے
تمہارے نام کر دی ہے
یہ پوری زندگی اپنی
بھلے ہی دکھ پڑیں سہنا
مجھے تم سے محبت ہے
ہمیں احساس ہے
کہ تم کو بھی ہم سے پیار ہے

لیکن......

یہ میرے سامنے کہنا
مجھے تم سے محبت ہے......!

سیدہ امبر اختر کی ڈائری سے

خالد احمد کی غزل

ربط کس سے تھا کسے' کس کا شناسا کون تھا؟
شہر بھر تنہا تھا' لیکن مجھ سا تنہا کون تھا؟
میں سمندر تھا' مگر ویراں تھا صحرا کی طرح
میرے گھر تک چل کے آتا' اتنا پیاسا کون تھا؟
ریزۂ سنگِ انا تھا' راہ کا کوہِ گراں
بڑھ کے لگ جاتا مرے سینے سے' ایسا کون تھا؟
پاؤں دھرتی پر تھے لیکن ذہن تھے آکاش پر
سب کے سب میری طرح بکھرے تھے' یکجا کون تھا؟
کچھ برے تھے کچھ بھلے تھے' خار کچھ' گلزار کچھ
ہر کوئی انسان تھا' آخر فرشتہ کون تھا؟
وہ بھڑک اٹھا تو خالد سوچتا ہی رہ گیا
خوب رُو پیکر کے اندر' تندخو سا کون تھا؟

سحر انجم کی ڈائری سے

محمود غزنوی کی نظم

یہ آج کیا تم نے کہہ دیا ہے
تمہاری سوچوں کی نیم تاریک وادیوں میں
سفر ہے میرا
تمہاری آنکھوں کی بالکونی سے جھانکتے ہیں
تمہارے جذبے
تمہارے تیور میری نظر سے
کم التفاتی کی کچھ شکایت سی کر رہے ہیں
میں سوچتا ہوں
کہ اس شکایت کا فیض کیا ہے
میری امنگوں کی ساری شمعیں
غمِ زمانہ کی آندھیوں نے نہ جانے کب کی
بجھادی ہیں

ام فروہ کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی نظم

ہم لوگ نہ تھے ایسے
ہیں جیسے نظر آتے
اے وقت گواہی دے
ہم لوگ نہ تھے ایسے
یہ شہر نہ تھا ایسا
یہ روگ نہ تھے ایسے
دیوار نہ تھے رشتے
زنداں نہ تھی بستی
خلجان نہ تھی بستی
یوں موت نہ تھی ہستی
یہ آج جو صورت ہے
حالات نہ تھے ایسے
تفریق نہ تھی ایسی
سنجوگ نہ تھے ایسے
اے وقت گواہی دے
ہم لوگ نہ تھے ایسے

.........☆☆☆☆☆.........

اشعار

سیدہ امبر بخاری .... چنڈی پور
منت کیوں مانگتے ہو اوروں کے دربار پہ اقبال
وہ کون سا کام ہے جو ہوتا نہیں تیرے پروردگار سے

اقرا چنہ .... کراچی
بیٹھی تھی چاند سے کوئی چہرہ تراشنے
لیکن اسے بھی آخرِ شب ڈوبنا ہی تھا

سپاس گل .... رحیم یار خان
وہ ملے بھی تو فقط خدا کے دربار میں محسن
اب تم ہی بتاؤ؟ عبادت کرتے یا محبت

رضوانہ اکبر .... کہروڑپکا
ہم ٹیڑھے تھے کمان کی طرح
محبت نے سیدھا کر دیا تیر کی طرح

مسز ریما نور رضوان .... کراچی
بے وفائی کا دکھ نہیں مجھے محسن
بس کچھ لوگ ایسے تھے جن سے امیدیں بہت تھیں

سعدیہ عابد .... کراچی
اس نے مجھے چھوڑ دیا تو کیا ہوا فراز
میں نے بھی تو چھوڑا تھا سارا زمانہ اس کے لئے

نگہت توقیر .... چیچہ وطنی
گزرو گے تو ہر موڑ پر مل جائیں گی لاشیں
ڈھونڈو گے تو اس شہر میں قاتل نہ ملے گا

عانیہ نیازی .... ربوہ
زندگی کے ہر موڑ پر کچھ اس طرح آزمایا گیا مجھے
زندگی دے کے پھر زندگی کے لئے ترسایا گیا مجھے
لوگوں کے لئے وہ رکھتے تھے پیار کا سمندر
مگر ایک ایک بوند کو ترسایا گیا مجھے

رابعہ منیر .... سرگودھا
محبت کی کہانی میں کوئی ترمیم مت کرنا
مجھے تم توڑ دینا مگر تقسیم مت کرنا
بہت ہو نگے ہمارے بعد دعویٰ محبت کرنے والے
یادِ وفا رکھنا کسی کو تسلیم مت کرنا!

ثنا شیخ .... رحیم یار خان
اپنے حالات کا بھی احساس نہیں ہے مجھ کو
میں نے اوروں سے سنا ہے کہ پریشان ہوں میں

سونیا خان .... بھکر
تفصیلیں چھوڑو بس اتنا سنو
تم بچھڑ گئے ہم بکھر گئے

عینی مرتضیٰ .... سیالکوٹ
کون کہتا ہے کہ نفرتوں میں درد ہے
حد سے زیادہ محبت بھی تکلیف دیتی ہے

ہانیہ سید .... لیہ
عجیب ہے عشق کا معیار انسان کے لئے
کہ اپنے آپ سے بیزار ہے کسی کے لئے
جانتا ہے کہ مقدر میں نہیں ہے جو
تڑپ رہا ہے محبت میں اسی کے لئے

بشریٰ خالد .... ملتان
کرتا تو ہے وہ یاد مجھے چاہت سے مگر
ہوتا ہے یہ کمال بڑی مدت کے بعد

تعظیم ملک .... کراچی

بہت سوچا، بہت سمجھا، بہت ہی دیر تک پرکھا
کہ تنہا ہو کے جی لینا، محبت سے تو بہتر ہے

عائشہ نواز .... سیالکوٹ

محاورتاً ہی سہی مگر اک بات بتلاؤ
مصروف ہو یا بھولنا چاہ رہے ہو

زینب شاہ .... سرگودھا

جھوٹی تسلیوں کی ضرورت نہیں مجھے
کہہ دو کہ میرے لئے فرصت نہیں تجھے
میں بھی تمہاری یاد کو دل سے بھلا تو دوں
پر کیا کروں کہ بے وفائی کی عادت نہیں مجھے

شازیہ مبشر .... وہاڑی

وہ مجھ سے سارے رشتے توڑ کے چلا گیا بس یہ کہہ کر
میں تو تم سے محبت سیکھنے آیا تھا کسی اور کے لئے

حنا علی .... ملتان

محبت کا دھواں آنکھوں میں پانی چھوڑ جاتا ہے
جس رستے سے غم گزرے نشانی چھوڑ جاتا ہے
ہماری گفتگو سے بھی وہ قائل نہیں ہوتا
اور اپنی خاموشی کے بھی وہ معانی چھوڑ جاتا ہے

خولہ معین .... گجرات

یہی سوچتے سوچتے ہم اک دوسرے کو کھو دیں گے اک دن
وہ مجھے یاد نہیں کرتا تو میں اسے کیوں یاد کروں

نورین نور .... کراچی

تو ملے تو کوئی مرض نہیں
نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

ثناء ملک .... کراچی

مجھے تیرے قافلے میں چلنے کا کوئی شوق نہیں مگر
تیرے ساتھ کوئی اور چلے مجھے اچھا نہیں لگتا

شازیہ رحمت .... سرگودھا

بھول کر بھی محبت کے جنگل میں نہ جانا
وہاں سانپ نہیں انسان ڈسا کرتے ہیں

نگہت توقیر .... چیچہ وطنی

بڑی تبدیلیاں آئی ہیں اپنے آپ میں لیکن
تمہیں یاد کرنے کی وہ عادت اب بھی باقی ہے

وانیہ .... ملتان

ہم نے اس کے بعد نہ دیکھی کسی سے محبت کی آس وصی
اک شخص ہی بہت تھا جو سب کچھ سکھا گیا

کہکشاں علی .... اسلام آباد

چراغوں سے اگر دور ہو جاتے اندھیرے
تو چاند کی چاہت کسی کو نہ ہوتی
کاٹ سکتا اگر کوئی اکیلے یہ زندگی
تو محبت نام کی کوئی چیز نہ ہوتی

مریم نواز .... فیصل آباد

محبت بھی کیا چیز تو نے بنائی ہے یا رب
لوگ تیرے در پہ آ کے روتے ہیں کسی اور کے لئے

حمنیٰ نور .... کوئٹہ

مل ہی جائے گا ہم کو بھی کوئی ٹوٹ کے چاہنے والا
اب شہر کا شہر تو بے وفا نہیں ہوتا

زینب علی .... ملتان

بے وفائی تو رسم دنیا ہے
تم نے بھلا کر کون سا کمال کر دیا

شمائلہ ملک .... کراچی

اب اس کے ساتھ رہیں یا کنارہ کر لیا جائے
ذرا ٹھہر میرے دل، استخارہ کر لیا جائے

☆☆☆☆☆☆

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

محبت اتنا بڑا سانحہ نہیں جس قدر لوگ اسے اہمیت دیتے ہیں، یہ حادثہ اسی کے لیے اہم ہوتا ہے جو اس سے گزرتا ہے، اس کی مقناطیسی فیلڈ میں یہ کمال ہے کہ عموماً اس فیلڈ میں آ کر لوگ شاعری کرنے لگتے ہیں، بڑے بڑے افسانے رقم کرتے ہیں اور اس طرح جو سانحہ بہت ذاتی، انفرادی حیثیت رکھتا ہے بڑی عمومی چیز بن جاتا ہے۔ محبت میں ایک اور کشش بھی ہے۔ کچھ لوگ خود محبت کرنے کے اہل نہیں ہوتے یا اس میدان میں پچھاڑ کھانے کے بعد اپنے آپ کو نئے تجربات کے لیے تیار نہیں کر سکتے ایسے لوگ عموماً اپنی تخلیقی قوتوں کو دوسروں کی محبت کو بلیک میل کرنے پر صرف کرتے ہیں۔ انہیں شہر کے تمام اسکینڈل، ملاقاتوں کی جگہیں اور یہ تک معلوم ہوتا ہے کہ فلاں کی محبت کس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ جب کوئی شخص خود محبت کرتا ہے تو وہ سرنگوں قطرے کی طرح کشش محبت سے نیچے کی طرف گرتا ہے جب لوگ کسی اور کی محبت میں دلچسپی لیتے ہیں تو فوارے کی بوندوں کی طرح اوپر اچھلتے ہیں اور دور دور تک پھیل جاتے ہیں۔ پہلا احساس آنسو سے مشابہ ہوتا ہے اور دوسرا جذبہ کھلکھلاہٹ ہے۔

اقتباس "راجہ گدھ"

انتخاب: عانیہ نیازی...... ربوہ

اس ماہ کی خوبصورت باتیں

☆ ماں محبت کا ایسا مہکتا پھول ہے جو کبھی نہیں مرجھاتا اور اس کی خوشبو ہمارے وجود کا حصہ بن جاتی ہے۔

☆ خوبصورتی کی تلاش میں آپ چاہے پوری دنیا کا چکر لگائیں لیکن اگر وہ آپ کے اندر نہیں تو کہیں نہیں ملے گی۔

☆ دوسروں کی خوشیوں کی خاطر اپنی خوشیاں قربان کر دینا ہی انسانیت کی معراج ہے۔

☆ جن لوگوں میں زیادہ خوبیاں دیکھو ان کی خامیاں نظر انداز کر دو۔

☆ اگر آپ اپنی آخرت سنوارنا چاہتے ہیں تو والدین کی خدمت کریں۔

☆ جو زندگی کو مقدس فریضہ سمجھ کر بسر کرتے ہیں وہ کبھی ناکام نہیں ہوتے۔

☆ برائی کرنے والے سے نہیں برائی سے نفرت کرو۔

☆ آنسو اس وقت مقدس ہوتے ہیں جب دوسروں کے دکھ میں نکلیں۔

☆ زندگی نہ جانے کس کس کا انتظار کرتی ہے لیکن موت کسی کا انتظار نہیں کرتی۔

☆ دوسروں کی ذات میں برائیاں تلاش کرنے کی بجائے اپنی برائیاں دور کرو۔

نور بانو۔۔۔۔۔کوئٹہ

اس ماہ کی بے چارگی

اس کے چھوڑ جانے کے بعد اب محبت نہیں کرتے کسی سے
تھوڑی سی تو عمر ہے کس کس کو آزماتے پھریں

بسمہ علی۔۔۔۔۔سکھر

اس ماہ کا فلسفہ

جب دیواروں میں دراڑیں پڑتی ہیں تو دیواریں گر جاتی ہیں اور جب دل میں دراڑیں پڑتی ہیں تو دیواریں بن جاتی ہیں۔

نورین نور۔۔۔۔۔کراچی

اس ماہ کی نظم

محبت یاد رکھتی ہے

وصال و ہجر میں
یہ خواب سے محروم آنکھوں میں
کسی عہدِ رفاقت میں
کسی تنہائی کے جنگل میں
خیالِ خال و خد کی روشنی کے گہرے بادل میں
چمکتی دھوپ میں یا پھر
کسی بھی ابر سائے میں
کہیں بارش میں بھیگے جسم و جاں کے شہ پاروں میں
کہیں ہونٹوں پہ شعروں کی مہکتی آبشاروں میں
چراغوں سے سجی شاموں میں
یہ بے نور راتوں میں
سحر ہو رہا جیسے کہیں باتوں ہی باتوں میں
کوئی لپٹا ہوا ہو جس طرح
صندل کی خوشبو میں
کہیں پہ تتلیوں کے رنگ تصویریں بناتی ہوں
کہیں پہ جگنوؤں کی مٹھیوں میں روشنی خود کو چھپاتی ہو
کہیں کیسا ہی منظر ہو
کہیں کیسا ہی موسم ہو
تیرے سارے حوالوں کو
تیری ساری مثالوں کو
محبت یاد رکھتی ہے

ناصر عباس۔۔۔۔۔کراچی

اس ماہ کی غزل

اب اس کو وہ بھولی باتیں یاد دلانا ٹھیک نہیں
ناحق وہ افسردہ ہو گا اسے رُلانا ٹھیک نہیں
فون کے آگے چپ بیٹھا میں کتنی دیر سے سوچ رہا ہوں
ابھی وہ تھک کر سویا ہو گا اسے جگانا ٹھیک نہیں
اک روشن کھڑکی کہتی ہے دیکھ آگے دریا ہے
جاگ رہے ہیں سب گھر والے لان میں آنا ٹھیک نہیں
اس کے سپنے ٹوٹ گئے تم کو کیا نیند آئے گی
گڑیا جیسی ایک لڑکی کو آس دلانا ٹھیک نہیں
گھر والے ناراض تو ہوں گے اتنی دیر سے آنے پر
چاند کے ساتھ سفر میں تھے تم یہ تو بہانہ ٹھیک نہیں

شاعر: اعتبار ساجد
انتخاب: عینی مرتضیٰ۔۔۔۔۔سیالکوٹ

اس ماہ کی کرنیں

پیاری باتیں

☆ حیا اور پردہ وقار میں اضافہ کرتا ہے۔

☆ حسد دل کو تباہ کرتا ہے۔

☆ اولاد کیلئے جو بھی چیز گھر پر لاؤ پہلے لڑکی کو دو پھر لڑکے کو۔

☆ دنیا میں سب سے خطرناک غصہ ہے جوانی کا۔

☆ کسی کا دل دُکھانے سے پہلے اتنا ضرور سوچو کہ اگر تم اس کی جگہ ہوتے تو آپ پر کیا بیتتی۔

☆ گفتگو چاندی ہے اور خاموشی سونا ہے۔

صبا۔۔۔۔۔لاہور

اس ماہ کی خوبصورت یاد

اگر تم اپنی مسکراہٹ کو نہیں استعمال کرو گے تو۔۔۔۔ تم اس شخص کی طرح ہو جس کے بینک میں ملین ڈالر ہیں لیکن۔۔۔۔اس کے پاس چیک بک نہیں ہے۔ مسکراہٹ ایک انمول تحفہ ہے اس لئے ہمیشہ مسکرایئے کیونکہ مسکرانا صدقہ جاریہ بھی ہے۔

ماہ نور۔۔۔۔۔کراچی

اس ماہ کی نظم

چٹ پٹی

ایک بوڑھا نحیف و خستہ زار
اک ضرورت سے جاتا تھا بازار
ضعفِ پیری سے خم ہوئی تھی کمر
راہ بے چارہ چلتا تھا جھک کر
چند لڑکوں کو اس پہ آئی ہنسی
قد پہ پھبتی کہاں کی سوجھی
کہا اک لڑکے نے اس سے کہ بول
تو نے کتنے کو لی کمان یہ مول
پیر مرد لطیف و دانش مند
ہنس کے کہنے لگا کہ اے فرزند
پہنچو گے میری عمر کو جس آن
مفت مل جائے گی تمہیں یہ کمان

(اکبر الہ آبادی)

مریم۔۔۔۔۔کراچی

اس ماہ کے دلچسپ سوال و جواب

O اگر عورت وفا کی دیوی ہوتی ہے تو مرد کیا ہوتا ہے؟

☆ بے چارہ۔۔۔۔۔ جو ساری عمر اس وفا کی دیوی کی انگلیوں پر ناچتا ہے۔

O زندگی میں کتنی بار محبت کرنی چاہیے؟

☆ ایک دفعہ فیل ہو جانے پر تین مواقع یونیورسٹی بھی دیتی ہے۔

O کیا عشق کے کوچنگ سینٹرز بھی ہوتے ہیں؟

☆ یہ سی این این، ایچ بی او، این ٹی ایم، پی ٹی وی، فلمیں اور ڈش پھر کیا ہیں۔

O لڑکے اپنی محبت کا ثبوت کب دیتے ہیں؟

☆ محبوب کی شادی میں کرسیاں لگا کر۔

حا علی۔۔۔۔۔شیخوپورہ

اس ماہ کے اقوال

☆ موت کو ہمیشہ یاد رکھو مگر موت کی آرزو کبھی نہ کرو۔

☆ انسان اپنی توہین معاف کر سکتا ہے بھول نہیں سکتا۔

☆ کبھی نہ گرنا کمال نہیں بلکہ گر کر سنبھل جانا کمال ہے۔

☆ اپنے دشمن کو ہزار موقعے دو کہ وہ تمہارا دوست بن جائے۔

☆ لوگوں کو اُسی طرح معاف کرو جیسے تم اللہ سے امید رکھتے ہو کہ وہ تمہیں معاف کرے گا۔

☆ انسان دکھ نہیں دیتا' انسان سے وابستہ امیدیں دکھ دیتی ہیں۔

☆ تم گلاب کا پھول بن جاؤ کیونکہ یہ پھول اس کے ہاتھوں میں بھی خوشبو چھوڑ جاتا ہے جو اسے مسل کے پھینک دیتا ہے۔

☆ جب تم دنیا کی مفلسی سے تنگ آ جاؤ اور رزق کا کوئی راستہ نہ نکلے تو صدقہ دے کر اللہ سے تجارت کرو۔

☆ آزادی کی حفاظت نہ کرنے والا غلامی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

☆ یہ زندگی دو دن کی ہے' ایک دن تمہارے حق میں ایک دن تمہارے مخالف' جس دن تمہارے حق مین ہو اُس دن غرور مت کرنا اور جس دن تمہارے مخالف ہو اُس دن صبر کرنا۔

☆ لمبی امیدوں سے پرہیز کیا کرو' کیونکہ یہ دوسری نعمتوں کو تمہاری نظر میں حقیر بنا دیتی ہیں اور تم ان کی شکر گزاری نہیں کرتے۔

☆ دنیا تمہیں اس وقت تک نہیں ہرا سکتی جب تک تم خود سے نہ ہار جاؤ۔

☆ جو تمہیں خوشی میں یاد آئے' سمجھو تم اُس سے محبت کرتے ہو اور جو تمہیں غم میں یاد آئے' تو سمجھو وہ تم سے محبت کرتا ہے۔

☆ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ گناہ گار چیز جھوٹ بولنے والی زبان ہے۔

اقوال: حضرت علیؑ

سعدیہ عابد...... کراچی

اس ماہ کی مزاحیہ غزل

چمچہ گیر

گزارہ نہیں تنخواہ پہ سرکار کی
اٹھا کر رکھنا ہے پگڑی سردار کی
جو بچے کچے ہوں جیب میں ڈال
یوں ہی کٹے زندگی ادھار کی
دو بول لگا اور کھاتا چل......
یوں رقم ملے دیدار کی......
مہینے کے ہیں شروع دن
بس ختم ہوئی گھڑی انتظار کی
رئیس ہاں ہاں جناب کہتا جا
کوئی فکر نہ کر سنسار کی......
سر جھکا اور سنتا چل
جب گڈی ہو ہزار کی

شاعر: رئیس خان امیر بہادر

انتخاب: کرن امیر بہادر...... کراچی

......☆☆☆☆☆......

خوشبو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے فرمایا

☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے مرتبے میں کم وہ شخص ہوگا جس کی فحش گوئی اور بدزبانی کے ڈر سے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا ہو"۔ (بخاری مسلم)

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

"جس وقت کوئی مسلمان اپنے بھائی کی مزاج پرسی کرتا ہے یا ویسے ہی ملاقات کے لیے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" تو پاکیزہ ہے تیرا چلنا بھی پاکیزہ ہے' تو نے جنت میں اپنا مقام بنا لیا ہے"۔ (ترمذی شریف)

نورین ملک...... کراچی

لفظوں سے روشنی

☆ عقلمند سوچ کر بولتا ہے اور بے وقوف بول کر سوچتا ہے۔

☆ جو درخت پھل نہ دے وہ کم از کم سایہ ضرور دیتا ہے۔

☆ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اس چیز کو مت چاہو جو تمہاری پہنچ سے دور ہو۔

☆ جس جگہ اپنی بات کی قدر نہ ہو وہاں چپ رہنا ہی بہتر ہے۔

☆ دنیا کی سب سے بڑی آبی طاقت عورت کے آنسو ہیں۔

☆ خوشامد سے پرہیز کرو' یہ جہالت سے شروع ہوتی ہے اور ندامت پر ختم ہو جاتی ہے۔

☆ اگر تمہیں اپنی زندگی سے پیار ہے تو ہمیشہ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے رکھو۔

☆ نیکی کی طرف بلانے والے نیکی کرنے والے کے برابر ہیں۔

☆ عقلمند وہ ہے جو دوسروں کی نصیحت سنتا ہے۔

بشریٰ خالد...... ملتان

ہری مرچیں

☆ پہلے نوجوان ہمیشہ جیب میں قلم رکھتے تھے کہ نا جانے کب لکھنا پڑ جائے۔

○ آج کل ٹی ٹی رکھتے ہیں کہ پتہ نہیں کب لڑنا پڑ جائے۔

☆ پہلے لڑکیاں نماز پڑھ کر سوتی تھیں تاکہ انہیں ڈر نہ لگے۔

○ مگر آج کل میک اپ کر کے سوتی ہیں تاکہ دوسرے نہ ڈر جائیں۔

☆ وہ زمانے گئے ۔۔۔ جب لڑکے اور "بابے" سیدھی نظر رکھ کر چلا کرتے تھے۔

O اُن زمانوں میں لڑکیاں بھی تو "حیادار" ہوا کرتی تھیں نا کہ "مس ویکم"

☆ ان نوجوانوں پر بڑا ترس آتا ہے جو محبت بھرا دل رکھتے ہیں مگر کسی حسینہ کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔

O ان حسینوں کا معیار گاڑی' بنگلے اور بینک بیلنس کے علاوہ بھی تو کچھ ہو۔

زینب شاہ ۔۔۔ سرگودھا

خچر آن ڈیمانڈ

کسی گاؤں میں ایک کسان کے سرکش خچر نے اس کی ساس کے اتنی زور سے لات ماری کہ وہ بے چاری چل بسی۔ جنازہ اٹھتے اٹھتے بہت ہجوم جمع ہو گیا۔ مولانا بولے: "معلوم ہوتا ہے کہ مرحومہ اس گاؤں میں کافی ہردلعزیز تھیں' جبھی اتنے بہت سے لوگ اپنا کام چھوڑ کر جنازے میں شرکت کے لیے آئے ہیں"۔

کسان بولا: "اس کی وجہ مرحومہ کی ہردلعزیزی نہیں ہے۔ یہ سب لوگ یہاں اس لیے آئے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص میرے خچر کو خریدنے کے لیے بے تاب ہے"۔

مریم نواز ۔۔۔ فیصل آباد

رشتے

ہم سے وابستہ بہت سے رشتے کئی صورتوں میں ہماری زندگی میں کردار ادا کرتے ہیں۔ کہیں ماں باپ کی صورت میں' کہیں بہن بھائی کی شکل میں تو کہیں میاں بیوی اور بچوں کی صورت میں۔ رشتے اعتبار کی فضا میں پل کر مضبوط ہوتے ہیں اگر انہیں بدگمانی کی ہوا جھونکا دے تو یہ کچے دھاگے کی مانند ٹوٹ جاتے ہیں۔ سب سے پیارا رشتہ والدین کا اولاد سے ہوتا ہے۔ بہن بھائیوں کے رشتے میں بے لوث محبت ہوتی ہے۔ یہی رشتے ہماری زندگی میں خوشی کا باعث ہوتے ہیں اور ان ہی کی وجہ سے ہم کبھی کبھار رنجیدہ بھی ہو جاتے ہیں۔ رشتے ہمیں جینے کا ڈھب سکھاتے ہیں اور زندگی جیسا مشکل سفر انہی رشتوں کے ساتھ مل کر ہم گزارتے ہیں۔

شازیہ مبشر ۔۔۔ وہاڑی

اقوالِ علیؓ

☆ اللہ تعالیٰ کی رضا کی علامت ہے کہ بندہ اس کی تقدیر پر راضی ہو۔

☆ زمانہ بدن کو پرانا کر دیتا ہے اور خواہشات کو نیا موت کو قریب کر دیتا ہے اور تمناؤں کو دور۔ یہاں جو کامیاب ہے وہ بھی خستہ حال اور پریشان ہے اور جو اسے (دنیا) کو کھو بیٹھتا ہے وہ بھی تھکن اور شکست کا شکار ہے۔

☆ مجھے اس شخص کی حالت پر تعجب ہوتا ہے جو استغفار کی طاقت رکھتے ہوئے بھی رحمت خدا سے مایوس ہو جاتا ہے۔

☆ انسان کی تمام پریشانیاں دو باتوں کی وجہ سے ہیں:

(1) تقدیر سے زیادہ چاہتا ہے۔

(2) وقت سے پہلے چاہتا ہے۔

روشنی فاطمہ ۔۔۔ کراچی

سنہری باتیں

رشتے اور راستے زندگی کے دو پہلو ہیں۔ کبھی کبھی رشتے نبھاتے نبھاتے راستے کھو جاتے ہیں اور کبھی راستہ چلتے چلتے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔

خوبصورت الفاظ

☆ میں نے اللہ سے طاقت مانگی' اس نے مجھے مضبوط کرنے کے لیے مشکلات دیں۔

☆ میں نے اللہ سے دانش مانگی' اس نے مجھے حل کرنے کے لیے مسائل دیے۔

☆ میں نے اللہ سے خوشحالی مانگی' اس نے مجھے کام کرنے کے لیے دماغ دیا۔

☆ میں نے اللہ سے حوصلہ مانگا' اس نے مجھے خطرات دیے تاکہ میں ان پر قابو پاسکوں۔

☆ میں نے اللہ سے محبت مانگی' اس نے مجھے مصیبت زدہ لوگ دیے کہ میں ان کی مدد کر سکوں۔

☆ میں نے اللہ سے عنایات مانگیں' اس نے مجھے مواقع دیے کہ میں ان سے فائدہ اٹھاؤں۔

فرزانہ عمر دراز ۔۔۔ کراچی

آنکھ سروے

آنکھ ایک دوربین ہے جو دور سے ہی اپنے شکار کو دیکھ لیتی ہے۔ لوگ آنکھوں سے بہت سارے کام لیتے ہیں۔ مثلاً آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کرنا' آنکھیں چار کرنا وغیرہ۔ اس کی مختلف قسمیں درج ہیں۔

رنگین آنکھیں: یہ قسم ہر وقت لڑکیوں کے جھرمٹ میں رہنا پسند کرتی ہے۔ یہ آنکھیں وہاں نظر آئیں گی جہاں لڑکیوں کا ہجوم مثلاً مین مارکیٹ' پارک' کالج وغیرہ۔

شرابی آنکھیں: یہ آنکھیں ہر وقت کسی نہ کسی کے خمار میں ڈوبی رہتی ہیں۔ جہاں خوبصورت لڑکی دیکھی فوراً آنکھوں میں لالی آجاتی ہے۔

دلربا آنکھیں: یہ آنکھیں لیلیٰ مجنوں' ہیر رانجھا' سسی پنوں' یہ آنکھیں آج کل ناپید ہیں۔

بھیگی آنکھیں: یہ آنکھوں کی سب سے خطرناک قسم ہے جو سنگدل افراد سے بھی اپنا مطالبہ پورا کروالیتی ہیں۔

شرمیلی آنکھیں: یہ آنکھیں بغیر کچھ کہے شرم شرم میں ہی اپنا مطلب نکال لیتی ہیں۔ یہ قسم اکثر کزنز میں پائی جاتی ہیں۔

فرزانہ شوکت ۔۔۔ کراچی

سمجھ لیں ۔۔۔!

☆ فاصلے جو برسوں نہیں مٹ پاتے اپنوں کی زیادتی کو معاف کرنے سے مٹ جاتے ہیں۔

☆ غم کے پنچھی کو سر پر اڑنے دو مگر گھونسلا نہ بنانے دو۔

☆ اپنی زندگی کو خدمت' محبت اور عبادت سے عبارت کیجیے۔

☆ کمینے شخص سے دوستی کبھی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ کوئلہ اگر جلتا ہوا ہو تو ہاتھ کو جلا دیتا ہے اور اگر ٹھنڈا ہو تو ہاتھ کو کالا کر دیتا ہے۔

☆ آنسو ان موتیوں کا نام نہیں جو پانی بن کر آنکھ سے ٹپکتے ہیں بلکہ آنسوؤں کی سچائی میں دل کی آواز شامل ہوتی ہے۔

☆ زندگی میں کبھی کسی سے توقعات وابستہ مت کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص تمہارے لیے بے حد مخلص ہو لیکن وہ کسی مجبوری کے تحت تمہاری توقعات پر پورا نہ اتر سکے۔

☆ اپنے ارمانوں کے پاؤں اتنے مت پھیلاؤ کہ اس سے آپ کی چادر کی لمبائی کم لگنے لگے۔

☆ شک کی دہلیز پار کرنے والا شخص ایسے ہوتا ہے جیسے کہ اس نے خود کو ایک موذی مرض میں مبتلا کر لیا ہو جس کا کوئی علاج بھی نہ ہو۔

ایس امتیاز احمد...... کراچی

غم

ہماری خوشیاں ہی رخصت ہو کر ہمیں غم دیئے جاتی ہیں
جتنی بڑی خوشی اتنا بڑا غم خوشی چھن جانے کا نام ہے
(واصف علی واصف)

سیدہ امبر ہاشمی...... کراچی

سنہری باتیں

☆ ایمان کا مدار امانتداری پر ہے کشادہ روی سے پیش آنا بھی ایک نیکی ہے۔

☆ غور کرنے سے (آدمی کو حق) اور کامیابی کی راہیں نظر آتی ہیں۔

☆ تواضع سے آدمی کا مرتبہ بڑھتا ہے اور تکبر سے گھٹتا ہے۔

سارہ سعون...... ضلع نوشہرو فیروز

ماں

کسی نے پوچھا: ''ماں کیا ہے، کون ہے؟''

استاد نے کہا: ''ماں ایک ایسی ہستی ہے کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی رشتہ عزیز نہیں''۔

اولاد نے کہا: ''ممتا کی انمول داستان ہے جو ہر دل پر قربان ہے''۔

شاعر نے کہا: ''ایک ایسی غزل ہے جو سننے والوں کے دل میں اتر جاتی ہے''۔

مالی نے کہا: ''ماں گلشن کا وہ دلکش پھول ہے جس میں خوبصورتی ہوتی ہے''۔

بادلوں نے کہا: ''ایک دھنک ہے جس میں ہر رنگ نمایاں ہوتا ہے''۔

سمندر نے کہا: ''ماں ایک ایسی ہستی ہے جو اولاد کے لاکھوں راز سینے میں چھپا لیتی ہے''۔

مصنف نے کہا: ''ماں وہ ہستی ہے جس کی تعریف میں دنیا میں الفاظ نہیں ملتے''۔

دعا نے کہا: ماں وہ شخصیت ہے جو ہر وقت اپنی اولاد کے لیے خوشحالی کی دعا مانگتی ہے''۔

اللہ نے کہا: ماں میری طرف سے ایک قیمتی اور انمول تحفہ ہے''۔

جنت نے کہا: ''ماں وہ ہستی ہے جس کے قدموں تلے میں ہوں''۔

ام فروہ...... کراچی

لفظ لفظ حقیقت

☆ زندگی کی شاہراہ ون وے ہے جہاں آپ جا سکتے ہیں آ نہیں سکتے۔

☆ زندگی کی گاڑی میں فالتو ٹائر نہیں ہوتا جہاں پر پنکچر ہو گئی وہیں پر ختم۔

☆ زندگی کے رنگ محل، محبت کا رنگ نہ ہو تو وہ ویران رہتا ہے۔

☆ نظر کمزور پڑ جائے تو عینک کام آئے گی، منظر گم ہو جائے تو کوئی کام نہیں آئے گا۔

☆ محبت کی کشتی میں پہلا سوراخ پہلا شک ہے۔

مستنصر حسین تارڑ

ماہین زہرہ...... کراچی

............☆☆☆☆☆............

ماں کی دعا

دل کی ٹھنڈک دل کا سکوں جس کو کہوں
الٰہی یہ ٹھنڈک سکوں ہمیشہ قائم رہے
رحمت کے پھول ہمیشہ برستے رہیں
دل کا ہر خانہ روشن روشن رہے
خوشی کی ہوائیں ہمیشہ چلتی رہیں
پھولوں کی بہاریں ہمیشہ آتی رہیں
الٰہی تیرے سایہ کی التجا تجھی سے میری
ماں کی حقیقت ہے مجھ پر کھلی
اس دل کا تعلق تجھی سے ہے میرا
انسان کے دل میں تو ہی ہے سدا

فرخ سلطانہ

غزل

نگار خانۂ ہستی میں کو بہ کو ہوئے ہم
تیری تلاش میں خود اپنی جستجو ہوئے ہم
ہمیشہ دور ہی سے دیکھتے تھے آئینہ
نہ جانے کیا ہوا پھر اس کے روبرو ہوئے ہم
تیرے اشارے پہ خاموش ہو گئے لیکن
گلی گلی یہاں موضوع گفتگو ہوئے ہم
یہی تو دستِ ہنر کی کرشمہ سازی ہے
کہ زخم کوئی نہیں اور لہو لہو ہوئے ہم
فضائے کوچہ دربار ہو کہ مقتل ہو
بس ایک جرمِ صداقت پہ سرخرو ہوئے ہم
ہمارا کیا ہے کہ ہم تو ہوائے صحرا تھے
تمہاری بزم میں آئے تو مشک بُو ہوئے ہم

ناصر عباس

بہار

ہم سے راضی ہے پروردگار
دیکھو آئی ہے تازہ بہار
گلاب و سنبل، سرو و صنوبر
خوش رنگ، خوبصورت و خوش تر
ہر شجر پہ چھا رہے ہیں میوے بے شمار
دیکھو آئی ہے تازہ بہار
پھول کھلے ہیں چمن میں خوشبو مہک رہی ہے
ہر سمت بلبل و چڑیا چہک رہی ہے
گلشن سجا ہے ہر طرف ہے سبزہ زار
دیکھو آئی ہے تازہ بہار
یہ میری التجا ہے، بچھڑے ہوؤں کو ملا دے
دکھ درد سب کے دور کرا دے
مدت سے ہے ناز کو یہ انتظار
دیکھو آئی ہے تازہ بہار

فریدہ جیلانی

غزل

ہم اگر سایوں کے پیچھے بھاگتے رہ جائیں گے
راستے کٹ بھی گئے تو فاصلے رہ جائیں گے
کوئی پتا گر کے پت جھڑ کی کہانی کہہ گیا
اب جلی شاخوں پہ اجڑے گھونسلے رہ جائیں گے
اپنی خاموشی پہ نادم تھے مگر سوچا نہ تھا
حرف بولیں گے تو سب مطلب بھرے رہ جائیں گے
گر یونہی پلکوں پہ تارے ٹوٹ کر گرتے رہے
صبح تک منظر میں سارے رت جگے رہ جائیں گے
لکھ نئے انسان کی تاریخ، ورنہ دہر میں
کاغذوں پر دائرے ہی دائرے رہ جائیں گے

فرزانہ شوکت

غزل

کسی کی آنکھوں میں خواب سجا کے ہم
پیار کی تعبیر ڈھونڈتے رہے ہیں ہم
جو کھو گیا تھا تیز ہواؤں میں تو پھر
رہ رہ کے اسے تلاش کرتے رہے ہیں ہم
شب کے آنگن میں اندھیرا ہے مدت سے
آنسوؤں کے چراغ جلاتے رہے ہیں ہم
اس کے پیار کی انتہا ہو گئی تھی آج
گزرے ہوئے ایام یاد دلاتے رہے ہیں ہم
ہجر میں جل کے اس کے یہ دل راکھ ہوا
اسے تنہائی میں قصہ غم سناتے رہے ہیں ہم
اس کا کیا ذکر کریں بچھڑ گیا جو بہار میں جاوید
روٹھے ہوئے دوست کو مناتے رہے ہیں ہم

محمد اسلم جاوید

گماں

گرمیوں کے موسم میں
گھر کے سونے آنگن میں
نیم کے پیڑ کی چھاؤں میں
آنکھوں میں کچھ خواب سجائے
گم صم اپنے غم کے اندر
جب میں بیٹھا ہوتا ہوں
اور سے کی گرم ہوا
گلی کے بند دریچے پر
جب دستک دینے لگتی ہے
مجھ کو ایسے لگتا ہے
شاید!
تم لوٹ آئے ہو

حکیم خان حکیم

غزل

حد نگاہ تک ہے جو منظر دھواں دھواں
شاید ہوا ہے جل کے کوئی گھر، دھواں دھواں
بجھنے کے بعد شمع کا عالم عجیب ہے
رخ پر نمی سی ہے سر پر دھواں دھواں
کہتے ہیں جس کو کہر کوئی اور شے نہیں
شبنم ہے آفتاب سے جل کر دھواں دھواں
کیا جانے کیسی خوشہ گندم کی آگ تھی
پھیلا ہوا ہے آج بھی گھر گھر دھواں دھواں
دو رخ ہیں بادلوں کے بھی تصویر کی طرح

اندر سے آب آب ہیں باہر دھواں دھواں
آتش فشاں پہاڑ کی زندہ مثال ہے
ہوتا ہے دل کی آگ سے پتھر دھواں دھواں
پچھتائے آسماں کی طرف اڑ کے ہم امتیاز
ہر شے دکھائی دی ہے زمیں پر دھواں دھواں

ایس امتیاز احمد

غزل

ہر دعا ہر سجدے میں مانگا تجھے
تب کہیں جا کر پایا ہے میں نے تجھے
مجھ سے مل کر اب نہ بچھڑ جانا کہیں
جان سے جاؤں گی اگر اب کھویا تجھے
لوگ ہر طرف ڈھونڈتے تھے چاند کو
میرے دل نے تو صرف ڈھونڈا تجھے
تیری محبت کی گہرائی کا جب اندازہ ہوا
دل نے چپکے سے کر لیا سجدہ تجھے
ہیر، شیریں، سوہنی کی محبت بنی مثال
میں نے تو بس اے صنم پوجا تجھے

سحر انجم

غزل

اب یہ عالم ہے کہ غم کی بھی خبر نہیں ہوتی
اشک بہہ جاتے ہیں لیکن آنکھ تر نہیں ہوتی
پھر کوئی کمبخت کشتی نذرِ طوفاں ہو گئی
ورنہ ساحل پر اداسی اس قدر نہیں ہوتی
تیرا اندازِ تغافل ہے جنوں میں آج کل
چاک کر لیتا ہوں دامن اور خبر نہیں ہوتی
میری نظریں جرأت نظارہ کی مجرم ہی سہی
احتیاط تم سے بھی حسن کی نہیں ہوتی
ہائے کس عالم میں چھوڑا ہے تمہارے غم نے ساتھ
اب قضا بھی زندگی کی چارہ گر نہیں ہوتی
رنگ محفل چاہتا ہے زندگی میں ایک مکمل انقلاب
چند شمعوں کے بھڑکنے سے سحر نہیں ہوتی
تیری ہستی ہے نہایت رگ جاں تیرے جلوے ہیں بے شمار
ہر نظر واجد کلیمانہ نظر نہیں ہوتی

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی

بیتے لمحے

چند لمحوں کی گردش
ہمیں کتنا دور کر گئی
نہ تو میرا رہا نہ میں ہی تیری رہی
ہم تم کھو گئے اتنا زمانے کی بھیڑ میں
کہ ہمیں ایک دوسرے کی خبر ہی نہ رہی
منزلیں پا لینے کی جستجو میں
ایک دوسرے سے آگے نکلتے رہے
اسی خواہش میں دھول اتنی اڑائی کہ......
ماضی کے سب آئینے دھندلاتے گئے
منزلیں تو ہم نے پا لیں لیکن
اب پیچھے دیکھنا چاہتے ہیں
مگر! آہ دھول تک نہ رہی باقی
پھر کیوں اب شکستہ حال بیٹھے ہیں
منزلیں تو پا لیں ہم نے!
کیا کھو دینے کا ملال دل میں آن ٹھہرا ہے؟
چند لمحوں کی گردش نے

کس مقام پر لا پھینکا ہے......؟

صائمہ ناز

ایسا کیوں ہوتا ہے

ایسا کیوں ہوتا ہے؟
دل کیوں روتا ہے؟
قسمت میں لکھے غم تو ملتے ہی ہیں
پھر ان غموں کے ملنے سے دل کیوں روتا ہے؟
ایسا کیوں ہوتا ہے؟
جسے چاہا جائے دل کی گہرائیوں سے وہی مجھ کو نہیں ملتا
کیا؟ یہ پیار کھونا ہوتا ہے؟ اگر ہاں تو؟
پھر دل کیوں روتا ہے؟
ایسا کیوں ہوتا ہے؟
جسے مانگا میں نے سجدوں میں دعاؤں میں
وہی مجھ کو نہ ملا دنیا کی فضاؤں میں
اگر منظور خدا نہیں
تو
دل کیوں روتا ہے؟
ایسا کیوں ہوتا ہے؟
ایسا کیوں ہوتا ہے؟

عفیفہ مریم عفی

غزل

یاد کی لہر جب اٹھتی ہے میرے سینے میں
درد کا پھٹ جائے لاوا میرے سینے میں
زندگی خوشیاں بہاریں میں تجھ سے کیا مانگوں!
ہر پل ہر لمحہ ہے دکھ میرے جینے میں
میں کس کی بات مانوں اور کسے خوش کروں
ہر اک کو خامی نظر آئے میرے قرینے میں
پہنچی منجدھار میں جب ناؤ میری خوشیوں کی
کہاں سے بھر گیا پانی میرے سفینے میں
بکھیرتے ہیں ماہ آنسو موتیوں کی طرح
کمی پھر بھی نہیں آتی میرے خزینے میں

تبسم فیاض

آخر کیونکر

نہ تجھے چھوڑ سکتے ہیں تیرے ہو بھی نہیں سکتے
یہ کیسی بے بسی ہے آج ہم رو بھی نہیں سکتے
یہ کیسا درد ہے پل پل ہمیں تڑپائے رکھتا ہے
تمہاری یاد آتی ہے تو پھر سو بھی نہیں سکتے
کہا تھا چھوڑ دیں گے تمہیں
پھر رک گئے لیکن
تمہیں پا تو نہیں سکتے مگر کھو بھی نہیں سکتے

حنا گلشن

''پیارے شہید بھائی اسرار احمد کے نام''

گر وہ ملے تو
اسے کہنا
کہ! لوٹ آؤ
کوئی بڑی شدت سے
بڑی مدت سے
بڑی محبت سے
امید کا دامن تھامے

تمہارے لئے
بانہیں پھیلائے کھڑا ہے
اسے کہنا
کہ جن ہونٹوں کی لوریاں
تجھے تھپک تھپک کر سلاتی تھیں
کہ جس انگلی کو تھام کر
تم نے چلنا سیکھا تھا
اک تیرے جانے سے
وہ لوری خشک ہونٹوں پر
سسکی بن کر ٹوٹتی ہے
وہ بوڑھی آنکھیں
تجھے چہار سو کھوجتی ہیں
اسے کہنا
کہ! لوٹ آؤ
اک تیرے جانے سے
تیری اماں کی گود خالی ہے
گر وہ ملے تو
اسے کہنا
کہ! لوٹ آؤ
اس گھنے آم کے پیڑ تلے
بان کی چارپائی پر بیٹھی
وہ تیری بہنا
جو بڑے ناز سے
بڑے لاڈ سے
بڑے پیار سے
تیرے مہرباں کندھے پہ
جھولتی تھی
روٹھتی تھی
ہنستی تھی
بولتی تھی
پر اَب!
نہ روٹھتی ہے
نہ جھولتی ہے
نہ ہنستی ہے
نہ بولتی ہے
وہ شوخ آنکھیں
بس رو رہی ہیں
وہ تیری لاڈلی بہنا
بس تیرے لئے ہی
مچل رہی ہے
بلک رہی ہے
تڑپ رہی ہے
کہ لوٹ آؤ
او بھائی میرے تم لوٹ آؤ
اسے کہنا
کسی کی باتیں
کسی کی یادیں
کسی کی راتیں
اک تیرے جانے سے
بہت ادھوری ہیں

لوٹ آؤ
کہ کوئی
تم بن پل پل ہر پل
ہر آج اور ہر کل تنہا ہے
لوٹ آؤ کہ!
وہ تیری چاہت
تیری امانت
تیری محبت
رات کی کالی آنکھوں کے سنگ بین کرتی
تجھے بلا رہی ہے
تجھے پکار رہی ہے
تجھے یاد کر رہی ہے
لوٹ آؤ تم بس
اب لوٹ آؤ
گر وہ ملے تو اسے کہنا
تیرے ویراں سونے آنگن میں چلتے
اس دو پیارے قدموں کی دھمک
کمرے کے ہر پردے کے پیچھے
اس کی معصوم آنکھوں کی چمک
اپنے پیارے بابا کو
ڈھونڈتا ہے
تلاشتا ہے
وہ ننھا مجاہد
بابا پکارتا ہے
لوٹ آؤ کہ
تیرے نہ ہونے سے
کسی کی آنکھوں میں نمی

اور
کسی کی زندگی میں کمی ہے
گر وہ ملے تو
اسے کہنا
کہ لوٹ آؤ
بس اب
لوٹ آؤ

غزالہ شہزاد ناصر

نظم

میری چاہت کا
وفاؤں کا
اتنا تو صلہ دیتے
مجھ کو فاتحہ کی تمنا
نہ دعاؤں کی طلب
وقتِ رخصت ہی سہی
تم ہونٹ ہلا دیتے
ہلکی سی سسکتی سی
تم مجھ کو صدا دیتے
دو اشک بہا دیتے
پھر شوق سے اے جاناں
تم مجھ کو بھلا دیتے

شاعر: سید بشارت شاہ

☆☆☆

سندیسے

فرزانہ عمر دراز .... کراچی

صالحہ آپی اینڈ ردا اسٹاف! السلام وعلیکم۔ مجھے پوری امید ہے کہ آپ اور ہمارے ردا کی پوری ٹیم خیریت سے اور شاد وآباد ہوگی۔ کچھ دنوں کے بعد لکھ رہی ہوں امید ہے آپ ناراض نہیں ہوں گی۔ چاہنے کے باوجود میں خط پوسٹ نہیں کروا سکی۔ آج دل میں تہیہ کر ہی لیا کہ اب کی بار تو خط ضرور پوسٹ کرواؤں گی۔ اس ماہ کا شمارہ بہت دلکش لگا۔ گوشہ آگہی میں آپی کے لفظوں کا چناؤ بہت عمدہ ہوتا ہے' ہر بار کوئی نہ کوئی میسج ضرور ہوتا ہے۔ ردائے جنت کو پڑھ کر تو دل شاد شاد ہو جاتا ہے۔ آپی آپ کی باتوں میں دل کو چھو لینے والی کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو آپی تو ہیں ہی لفظوں کی جادوگر۔ سلسلے وار ناول پڑھ کر تو واقعی ہم پر سحر ذر طاری ہو جاتا ہے۔ آپی! آپ کا ناول تو بہت زبردست جا رہا ہے' مجھے روبی کا کردار بہت اٹریکٹ کرتا ہے۔ شازیہ مصطفیٰ' عمران' نائلہ طارق' سباس گل اور دیگر تمام رائٹرز بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ ردا ڈائجسٹ کا تو ہر ماہ بے چینی سے ویٹ کرتے ہیں کہ کب آئے گا اور اگلی قسط میں کیا ہوتا ہے۔ اللہ اللہ کر کے ایک ماہ بعد ردا آتا ہے' اسے پڑھ کر پھر اگلے ماہ کا ویٹ کرنا شروع کر دیتے ہیں' یہ سلسلہ تو چلتا ہی رہتا ہے' کیا کریں ردا ہے ہی اتنا اچھا کہ ویٹ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ (کیا کریں ویٹ کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ جو نہیں ہوتا) ردا کی ڈائری اور اشعار تو ہماری جان ہیں' ہم بھی اشعار اور غزلیں بنانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جب لکھتے ہیں تو (کسی کا سر نہیں نہ تو کسی کی ٹانگ) اس لیے پڑھ کر ہی خوش ہو جاتے ہیں۔ خوشبو تو ہر ماہ مہکتا ہوا ہی نظر آتا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ ردا ہمیشہ ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے' آمین۔

رضوانہ عمر دراز .... کراچی

سوئٹ آپی! بہت محبت کے ساتھ پُرخلوص دعاؤں سے سجا سلام قبول کیجیے: آپی! نہایت مصروفیت کے باوجود خط لکھنے کا ٹائم نکال ہی لیا ہے کیونکہ آج کل میرے میٹرک کے ایگزام ہو رہے ہیں' اتنی ٹینشن ہو رہی ہے کہ کیا بتاؤں پھر سوچا خط کے ذریعے ہی صالحہ آپی' تمام رائٹرز اور تمام پڑھنے والیوں سے اپنے لیے دعائیں کروا لوں۔ آپ سب سے گزارش ہے کہ میرے لیے دعا ضرور کیجیے گا تاکہ میں اچھے نمبرز سے کامیابی حاصل کر سکوں۔

اب آتی ہوں ردا کے تبصرے کی طرف تو آپی! آپ گوشہ آگہی میں جس طرح مخاطب ہوتی ہیں وہ

سارے ہی الفاظ سیدھے دل میں اتر جاتے ہیں۔ ردائے جنت کو پڑھ کر تو ہماری روح تک سرشار ہو جاتی ہے۔ ردا کے تمام سلسلے وار ناولز اچھے جا رہے ہیں اس وجہ سے ایک کی تعریف کرنا تو بہت مشکل ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام ناول' ناولٹ اور افسانے تو ہر ماہ ہی اچھے ہوتے ہیں۔ خوشبو تو پورا ہی مہکتا رہتا ہے۔ دوستوں کے نام پیغام پڑھ کر تو بہت اچھا محسوس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ردا ہمیشہ ترقی کرتا رہے' آمین۔

سحر انجم .... کراچی

صالحہ آپی السلام وعلیکم! کیا حال ہے' اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے اور ردا کے تمام اسٹاف ممبرز کے لیے خیر و عافیت کی دعا مانگتی ہوں' اللہ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے (آمین) اور سنائیں کیا حال ہے۔ مئی کا شمارہ موصول نہیں ہوا اس لیے اس شمارے کے بارے میں تو کچھ عرض کر نہیں سکتی' ہاں ویسے گرمی کی تپتی دوپہروں میں ٹھنڈک کا احساس ہو جاتا ہے جب ردا ہمارے پاس ہوتا ہے۔ آپ کا ناول حسب روایت بہت اچھا لگ رہا ہے باقی تمام سلسلے بھی بہت اچھے چل رہے ہیں جس میں اشعار کے ذریعے ہم بھی شامل ہوتے ہیں کبھی نظم کبھی غزل کی صورت میں۔ آپ کی دعاؤں کی طالب اور آپ سب کے لیے دعا گو۔

نایاب حسین .... واہ کینٹ

السلام وعلیکم ڈیئر آپی! امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ آنچل کا ردا اس بار بھی زبردست تھا۔ سلسلے وار ناول تمام ہی اپنی اہمیت کا احساس دلا رہے ہیں۔ جوں جوں کہانی آگے بڑھ رہی ہے' لطف دے رہی ہیں۔ میری تحریر جن جن لوگوں نے پسند کی اُن کو شکریہ کہوں گی۔ آپ لوگ سراہتے رہیں' ہم اچھا لکھنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ صالحہ آپی! آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ سب کہانیوں پر بھرپور تبصرہ عائشہ نیازی کا ہوتا ہے۔ بسمہ علی (سکھر) کا اسپیشلی میں شکریہ ادا کروں گی۔ امید ہے تمام قارئین کو میری نئی تحریر بھی پسند آئے گی۔ اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔ اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ اللہ ردا کو بہت اچھے رائٹرز اور قارئین سے نوازے جو ردا کو مزید آگے لے کر جائیں (آمین) ردا اور ردا سے منسلک تمام لوگوں کے لیے دعائیں۔

بسمہ شانزے پارس نواب .... کراچی

السلام وعلیکم صالحہ آپی اینڈ قارئین۔ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ یہ ردا میں میرا پہلا خط ہے اور یہ بھی بتاتی چلوں کہ میں نے کبھی کسی رسالے کو رونق نہیں بخشی۔ مجھے خاص تجربہ نہیں ہے کہ خط کیسے لکھتے ہیں' غلطی د کوتاہی معاف۔ میں ردا تقریباً ڈیڑھ دو سال سے پڑھ رہی ہوں' مجھے ردا کے سارے سلسلے بہت اچھے لگتے ہیں' ساری رائٹرز بہت زبردست لکھتی ہیں۔ صالحہ آپی! میں نے آپ کی بہت ساری کہانیاں پڑھی ہیں۔ آپ دوسری رائٹرز سے یونیک لکھتی ہیں' آپ مجھے کچھ ٹپس بتائیں کیونکہ مجھے کہانیاں لکھنے کا بہت شوق ہے۔ صالحہ آپی! میری آپ سے درخواست ہے کہ میں خط کے ساتھ ''دوستوں کے نام پیغام'' کے سلسلے میں شائع کرنے کے لئے ایک پیغام بھی بھیج رہی ہوں اسے پلیز ردا میں شائع ضرور کیجیے گا۔ اب اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ عزوجل ردا کو اور زیادہ کامیاب کرے اور اس میں لکھنے والی رائٹرز کے قلم میں اور عمر میں اضافہ کرے۔

صبا سحر .... ہارون آباد

السلام وعلیکم سوئٹ اینڈ لولی آپی اور ردا اسٹاف۔ اس چلچلاتی گرمی میں ردا کا دیدار کسی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سے کم نہیں تھا ورنہ لوڈ شیڈنگ اور بجلی کی آنکھ مچولی نے تو جینا دوبھر کر دیا ہے سب کا۔ خیر اب بات ہو جائے کچھ ردا کی' تو سب سے پہلے میں بات کروں گی ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' کی۔ اس ناول کو میں جب بھی پڑھنا اسٹارٹ کرتی ہوں ارد گرد کا ہوش نہیں رہتا' بھرپور کردار نگاری کے ساتھ دلکش منظر نگاری اس ناول کو مزید شاندار بنا دیتی ہے' گریٹ اللہ زور قلم کرے اور زیادہ۔ شازیہ مصطفیٰ عمران اپنے مخصوص انداز میں ناول کو آگے بڑھا رہی ہیں اور کہانی انتہائی دلچسپ رنگ بدلتی آگے بڑھ رہی ہے۔ سباس گل جی کے لکھنے کا اپنا ایک انداز ہے جو ہم قارئین کو اپنی گرفت میں جکڑ لیتا ہے۔ انعم خان کے ناول کے پیج اس بار خاصے کم تھے جو تشنگی کا احساس چھوڑ گئے۔ نائلہ طارق کا ناول بھی اچھا چل رہا ہے' باقی دیگر مستقل سلسلے ردا کے ہمیشہ کی طرح اچھے اور دلچسپ رہے۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ نیکسٹ سندیسے تک اجازت۔

نور بانو .... کوئٹہ

ڈیئر اینڈ ڈارلنگ آپی! کیسی ہیں آپ؟ امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ اس بار کا ردا کا ٹائٹل گرمی میں فرحت بخش احساس لئے ہوئے تھا۔ ویسے تو ہر بار ہی ردا کا ٹائٹل بہت خوبصورت ہوتا ہے اور ردا کے سلسلے وار ناول' ناولٹ اور افسانوں کی تو کیا بات ہے اور اس سب کا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے۔ آپ ردا میں بیک وقت اتنے بہترین رائٹرز کو ہمارے لئے پیش کرتی ہیں جن کی تحاریر نہ صرف ہمارے لئے خوشی اور تفریح کا باعث بنتی ہیں بلکہ اکثر تحاریر ہمارے لئے رہنمائی کا ذریعہ بھی بنتی ہیں اس لئے صرف کسی ایک رائٹر کی تعریف کرنا زیادتی ہوگی' سب ہی ماشاءاللہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں' سینئر کے ساتھ نیو رائٹرز بھی اپنی تحاریر سے قارئین کے دلوں کو چھو رہی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ردا یونہی اپنی کامیابی کا سفر جاری و ساری رکھے' آمین۔

بسمہ علی .... سکھر

السلام وعلیکم اپیا جانی اور ردا اسٹاف۔ امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ مئی کا شمارہ اس بار کافی جلدی مل گیا جس کی ہمیں بے حد خوشی تھی۔ سب سے پہلے میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ نے مجھے مستقل سلسلوں میں جگہ دی' یقین جانئے آپی جب میں نے اپنا نام ردا میں دیکھا تو اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ اب آتی ہوں تبصرے کی طرف' تو سب سے پہلے میں جس ناول کی بات کروں گی وہ ہے ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' اس ناول میں میرے فیورٹ کردار ایشل اور رومی ہیں اور ساتھ ساتھ خاندانی مسئلے اور ان کی سیاست جو اکثر گھرانوں

میں برسوں سے چلتی ہے ان کا بھرپور عکس اس ناول میں نظر آتا ہے جو قارئین کو ایک پل کے لئے بھی توجہ ہٹانے نہیں دیتا' ایک قسط کے بعد اگلی قسط کا انتظار شروع ہو جاتا ہے' مجھے یقین ہے ایسا آپ کا یہ ناول بھی لوگوں کے دلوں پر نقش ہو جائے گا۔ آپ کے پچھلے ناول "میرے ہو کے رہو" کی طرح' مجھے آج بھی فہد کا کردار یاد ہے اور ساتھ ہی اکو چچا اور سعدیہ چچی۔ اب بات ہو جائے شازیہ مصطفیٰ کے ناول کی تو شازیہ جی میری فیورٹ رائٹرز میں ٹاپ آف دی لسٹ رہی ہیں' ہمیشہ سے ان کو پڑھنا مجھے اچھا لگتا ہے' ان کے ناول کو پڑھ کر ہمیشہ ایک فریش نیس کا احساس ہوتا ہے' شازیہ جی کے لئے ڈھیروں دعائیں۔ نائلہ طارق کے ناول کے لئے میں اتنا کہوں گی کہ یہ ایک ایسا ٹاپک تھا جس پر بہت کم لکھا گیا ہو گا مگر نائلہ طارق نے نہایت خوبی سے ایک حساس موضوع کو ضبط تحریر کیا ہے اور وہ اس میں کافی کامیاب بھی رہی ہیں۔ سیاس گل اور انعم خان کے ناول بھی اچھے جا رہے ہیں۔ مستقل سلسلوں میں اشعار' ردا کی ڈائری اور کچن اس بار بیسٹ تھے۔

نوشی ——————— وہاڑی

سویٹ آپی اور سویٹ قارئین السلام وعلیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ یقیناً ٹھیک ٹھاک فٹ فاٹ ہوں گے' آپ کی اس خوبصورت سی محفل کو مزید چار چاند لگانے کے لئے آپ سب کے درمیان میں بھی حاضر ہوں۔ آئی لو ردا' سب سے پہلے بات کروں گی شازیہ آپی کی' مجھے شازیہ مصطفیٰ کا انداز تحریر بہت پسند ہے اور ان کے ناول کے کرداروں کے نام اتنے یونیک ہوتے ہیں کہ ان میں سے اکثر نام ہم نے پہلی بار ہی سنے یا پڑھے ہوتے ہیں۔ ردا سے تعارف کی وجہ جو ناول بنا وہ تھا صالحہ آپی کا ناول "تم میرے ہو کے رہو" اور اس میں معاشرے کے ہر پہلو اور ہر رنگ کو اتنی خوبصورتی سے اجاگر کیا گیا تھا کہ ہم ایک کے بعد اگلی قسط پڑھنے کے چکر میں ردا کے مستقل قاری بن گئے اور اب "رگ جاں سے قریب" ناول بھی اپنا بھرپور تاثر دل پر چھوڑنے میں کامیاب رہا ہے۔ پھر اس کے ساتھ نیو رائٹرز بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ مستقل سلسلے ردا کے ہمیشہ اپنی مثال آپ ہوتے ہیں ہر ایک کا انتخاب لاجواب ہوتا ہے اور باتیں صحت کی ایک مفید اور معلوماتی سلسلہ ہے جس سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے' ہماری دعا ہے کہ ردا یونہی سدا جگمگاتا رہے۔

زوناش رحمت ——————— سرگودھا

السلام وعلیکم آپی! ردا کے پورے اسٹاف کو میری طرف سے سلام۔ اب سے پہلے میں ردا کی خاموش قاری تھی اب سوچا اس خاموشی کو توڑ دینا چاہیے' پلیز میرا سندیسہ ضرور شامل کیجیے گا' یہ نہ ہو کہ ہم پھر سے خاموش ہو جائیں۔ ردا مجھے بے حد پسند ہے' میں ردا کو ہر بار اسی امنگ' اسی جوش سے پڑھتی ہوں جیسے پہلی بار پڑھا تھا۔ تفصیل سے خط اگلی بار لکھوں گی' اس بار اتنا ہی کہوں گی کہ مجھے ردا کے ناول' ناولٹ اور افسانے سبھی بے حد پسند ہیں اور سب رائٹرز اپنی جگہ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ اشعار اور اس ماہ میں' میرے فیورٹ مستقل سلسلے ہیں' اب اجازت چاہوں گی اللہ ردا کو ترقی دے آمین۔

عمارہ حنیف ——————— لاہور

السلام وعلیکم! میں ردا میں پہلی بار شامل ہو رہی ہوں آپ کا شمارہ بہت اچھا جا رہا ہے اور خاص طور پر آپ کا ناول "وہ جو رگ جاں سے قریب تھے" نہایت خوبصورت اور جامع تحریر اور خوبصورت انداز بیاں ہے۔ میں میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہوں لیکن ردا کے لئے ٹائم نکال ہی لیتی ہوں' آپی میں ایک ناول لکھ رہی ہوں' کیا مکمل ہونے پر آپ کو بھجوا سکتی ہوں؟ میرے سوال کا جواب ضرور دیجیے گا۔ ردا کی ایک خاصیت جو مجھے بہت اچھی لگتی ہے وہ ہے نیو رائٹرز کو لکھنے کا موقع دینا' یہ ہم نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم ہے۔

دھنک ناز ——————— کراچی

مائی لولی اینڈ سویٹ آپی! ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ سلام آپ کو اور ردا کے اسٹاف' رائٹرز و قارئین کو۔ آج کل چونکہ پیپرز کے بعد فراغت ہی فراغت ہے تو ہمارا کتب بینی کا شوق اپنے عروج پر ہے جس کے چکر میں اکثر سالن جل جاتا ہے یا چائے سوکھ جاتی ہے مگر اس قدر ہم ناولز کی دنیا میں گم ہوتے ہیں کہ اسی کی ذات پر اپنے حواس میں آتے ہیں' خیر اب بات ہو جائے ردا کی تو سلسلے وار ناولز سے لے کر مکمل ناول' ناولٹ اور افسانے سب ہی بہت اچھے تھے۔ نائلہ طارق کا سلسلے وار ناول "سانس نزک اور سکوت" کی اسٹوری اچھی چل رہی ہے' اس میں شیث کا کردار مجھے پسند ہے۔ انعم خان کے ناول میں ایک طرف ماہی کی اسٹوری زبردست ہے تو دوسری طرف ہم علی کے بھی فین ہیں۔ سیاس گل کی کہانی ہمارے معاشرے کا منہ بولتا ثبوت ہے' آج کل حسد' جلن اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی چاہ نے اپنوں کو اپنوں سے دور کر دیا ہے۔ آج بھی کئی خاندانوں میں ایسی کہانیاں پائی جاتی ہیں' ان کا ناول حقیقت سے قریب تر ہے۔ ردا کے مستقل سلسلے بھی نہایت دلچسپ ہوتے ہیں خاص کر "دوستوں کے نام پیغام" بہترین سلسلہ ہے۔

فوزیہ اکرم ——————— لاہور

سویٹ اپیا! پیار بھرے سلام اور دعاؤں کے ساتھ سندیسے کی محفل میں شامل ہونے کی اجازت چاہتی ہوں۔ مئی کا ردا وقت مقررہ پر ملا' سرورق پر براجمان ماڈل سر پر دوپٹہ لپیٹے سخت گرمی میں فرحت کا احساس دلاتی لگی۔ سب سے پہلے گوشہ آگہی پڑھا اور ہمیشہ کی طرح آپ کی باتوں کو دل میں اترتے محسوس کیا' خوبصورت لفظوں اور سوچوں کا ایک جہان آباد ہوتا ہے' جہاں ردا بے جنت ایمان افروز اور معلومات میں اضافے کا باعث بنا۔ اس ماہ مجموعی طور پر ردا میں بہترین تحاریر شائع ہوئیں اور ہر رائٹر نے جم کر اور خوب لکھا۔ خاص کر سلسلے وار ناولز سب بہت بیسٹ ہیں۔ خاص کر انعم خان کے ناول کی تو کیا بات ہے۔ اس میں علی کا کردار مجھے بے حد پسند ہے۔ اور صالحہ آپی! آپ کے ناول کی رومی مجھے بے حد معصوم اور پیاری لگتی ہے' جو آغاز سے مسائل میں الجھی اور بے بس سی نظر آتی ہے۔ ردا کے مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بیسٹ آف دی بیسٹ تھے۔

☆☆☆

دوستوں کے نام پیغام

23اپریل..... مشرق نے طلوع ہوتے سورج میں تم ہماری تھیں اور ڈھلتے ہوئے سورج نے تمہیں پرایا کر دیا۔ پہلے تم ہمیں پیاری تھیں اب "پیا" کو پیاری ہو گئیں۔ پہلے تو شائستہ زاہد اور اب شائستہ آصف بن گئیں۔ تمہیں بہت بہت مبارک ہو۔ زندگی کا یہ نیا سفر اور ہم سفر اللہ تمہیں بہت خوشیاں دے اور زندگی کا یہ سفر تمہارے لیے بہت خوبصورت اور سہل ہو۔ بہت سی دعائیں اور پیار تمہارے لئے اور تمہاری خوشیوں کے لیے۔

نسیم..... کراچی

............☆☆☆............

نگہت جبیں کو نگہت توقیر بننے پر میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو۔ نگہت یقیناً تم چونک گئی ہو گی۔ اپنی شادی کی مبارکباد "ردا" میں دیکھ کر۔ مگر یقیناً جب تم ردا میں یہ دیکھو گی تو بہت خوش ہو گی۔ اللہ کرے کہ تم ہمیشہ خوش اور آباد رہو اور یونہی ہر پل مسکراتی رہو' آمین۔

شائلہ ملک..... کراچی

............☆☆☆............

ڈیئر شبنم! کہاں گم ہو تم آج کل تو تمہارے میسجز بھی کم ہو گئے ہیں۔ کالج کے بعد یوں بھولو گی مجھے اندازہ نہ تھا۔

ثنا شاہ..... ملتان

............☆☆☆............

پیار بھرا اسلام' عینی کیسی ہو۔ یقیناً خوش اور ٹھیک ہو گی۔ تمہیں سالگرہ کی بہت بہت مبارک ہو۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ ہمیشہ یونہی ہنستی مسکراتی رہو۔ میری بہت سی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اپنا بہت خیال رکھنا۔

نیناں شاہ..... گجرات

............☆☆☆............

ڈیئر ثنا! ایف اے میں شاندار کامیابی پر دل کی گہرائیوں سے تمہیں مبارکباد دیتی ہوں کہ تم نے اپنی محنت سے نا صرف ایف اے میں کامیابی حاصل کی بلکہ اے ون گریڈ بھی حاصل کیا۔ ہم سب کزنز تمہاری اس کامیابی پر دل سے خوش اور پراؤڈ ہیں۔

سدرہ محمود..... لاہور

............☆☆☆............

مائی لولی اینڈ ڈارلنگ زوناش! تمہیں میری جانب سے منگنی کی بہت مبارک ہو۔ اب یوں حیرت سے کیا دیکھ رہی ہو' اٹ کی یور بیسٹ فرینڈ حنا خان۔ دیکھا سب سے ڈفرنٹ انداز میں وش کیا ناں میں نے۔ ردا میں یقیناً تم یہ وش پڑھ کر خوش ہو گی اور فوراً ہی مجھے تھینکس کی کال اور میسج بھی کرو گی' ہے ناں؟

حنا خان..... ملتان

............☆☆☆............

مائی سوئٹ ہارٹ مریم کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ 22 جون کو مریم ایک سال کی ہو گئی ہیں۔ میری ہزاروں دعائیں اپنی کیوٹ سی بھانجی کے لئے ہیں۔ میری وش ہے کہ ہر سال مریم کو اللہ بہت سی خوشیاں' محبتیں نصیب کرے۔

یہ سال تمہارے لئے خوشیاں لے کر آئے
تمہاری قلقاریاں گھر کے آنگن میں پھول کھلائیں
ہر خوشی تمہارا مقدر بنے
آسمان پر تم تارہ بن کر چمکو
میری بس یہی دعا ہے
میری ننھی مریم سدا مسکرائے

شائستہ زاہد..... کراچی

............☆☆☆............

ڈیئر فرینڈ' پیاری سی شازیہ مصطفیٰ کے نام:

پیاری شازیہ آداب! کیسی ہو؟ بھئی منگنی تو تمہاری اچانک سے آناً فاناً ہو گئی تھی اس لئے منگنی کی مٹھائی سے ہم محروم ہی رہے لیکن شادی کے لڈو بھی تم اکیلی ہی کھا جاؤ گی' اس کی امید نہیں تھی۔ تمہاری شادی کا مجھے بہت انتظار تھا۔ اگر میرا فون بند تھا تو کیا ہوا' تم ردا کے ذریعے ہی مجھے انوائٹ کر لیتیں! اینی ہاؤ' عمران بھائی کو تمہارا اور تمہیں ان کا ساتھ بہت بہت مبارک ہو۔ ایک شعر آپ دونوں کی خوشیوں کی نذر جو مجھے صالحہ آپی نے میری شادی کے موقع پر بھیجا تھا:

رہے تا ابد قائم تیرا خاورِ درخشاں
تیری صبح نورافشاں' کبھی شام تک نہ پہنچے

آنٹی جی تو بہت خوش ہوئی ہوں گی۔ ان کو' سیما بھابی اور فرحانہ بھابی کو میرا بہت سلام' خوش رہو۔

غزالہ شہزاد ناصر..... کراچی

............☆☆☆............

سوئٹ بسمہ علی! پہلے تو آپ کو میرا اسلام' دوسرا یہ کہ آپ کا نام کس نے رکھا اور اس نام کا مطلب کیا ہے۔ میرا نام بھی بسمہ ہے مگر مجھے صحیح سے اس نام کا مطلب معلوم نہیں ہے۔ پلیز بسمہ علی جتنی ساری Meanings آپ کو معلوم ہیں تو ردا کے ذریعے مجھے بتا دیں۔ میں 15 برس کی ہو گئی ہوں اور تقریباً 7 سال سے ڈھونڈ رہی ہوں اور اب تک ناکام ہوں اور یہ بات میرے لئے نہایت مایوس کن ہے کہ میں اپنے نام کے مطلب سے ناواقف ہوں۔

بسمہ شانزے پارس نواب..... کراچی

............☆☆☆............

پیاری رائٹرز کے نام:

میری سب رائٹرز اینڈ ریڈرز سے درخواست ہے کہ میرا مکمل ناول "تمہارا ساتھ چاہیے" جو کہ دسمبر 2004ء میں شائع ہوا' "بے اختیار ہوئے تم" ستمبر 2004ء میں شائع ہوا۔ ان کے علاوہ "چاہتوں کے رنگ' محبت کانچ کی گڑیا" اور "میری چپ نے اس کو رلا دیا" یہ سب ناولز مجھ سے اِدھر اُدھر ہو گئے۔ اگر کوئی بھی قاری ان سب میں سے کسی ایک کا بھی شمارہ یا پھر فوٹو کاپی کروا کر ردا میں بھیج دیں' خصوصاً شازیہ مصطفیٰ' قمروش شہک' روشنی فاطمہ اور سباس گل آپ سب تو ردا کی ریگولر قاری ہیں۔ آئی ہوپ آپ کے پاس سے ضرور مل جائیں گی۔ پلیز مجھے شدت سے اپنی اسٹوریز کا انتظار رہے گا۔

غزالہ شہزاد ناصر..... کراچی

............☆☆☆............

روشنی فاطمہ کے نام: پیاری سی کیوٹ سی چھوٹی بہنا تمہیں اپنی آپی اور اپنے بھائی آصف کی جانب سے منگنی کی ڈھیروں مبارکباد۔ عنقریب تم رشتہ ازدواج میں بندھنے والی ہو' اس کی بھی ایڈوانس مبارکباد وصول کرو۔ اللہ کرے تم ہمیشہ بہت بہت خوش رہو۔ فیصل تمہاری توقعات پر پورے اتریں۔ تم ان کی توقعات پر پوری کرو۔ ساس کی صورت تمہیں ماں کا پیار ملے۔ میری دعائیں قدم قدم پر تمہارے ساتھ ہیں۔ بس نئے رشتوں کو پا کر ہمیں بھول نہ جانا' او کے اپنا خیال رکھا کرو۔ فی امان اللہ۔

سیدہ عشرت آصف..... کراچی

............☆☆☆............

صالحہ محمود

گوشۂ چشم

بسمہ شانزے ——— کراچی

سوئٹ بسمہ شانزے! ردا میں شمولیت پر ہم آپ کو ویل کم کہتے ہیں۔ ردا آپ کا اپنا ردا ہے۔ آپ اس کے جس سلسلے میں چاہیں شامل ہو سکتی ہیں۔ آپ کی تعریف تمام رائٹرز تک سندیسے کے ذریعے پہنچ گئی ہوگی اور ہمیں یقین ہے کہ آپ آئندہ بھی ردا میں شامل ہوتی رہیں گی۔ اپنا خیال رکھیے گا۔

صبا سحر ——— ہارون آباد

پیاری صبا سحر! آپ کافی دنوں بعد نظر آئیں ہم نے آپ کی کمی کو کافی شدت سے محسوس کیا۔ ہو سکے تو بتایئے گا ضرور کہ کہاں غائب رہیں اور امید ہے کہ اب یہ آمد کا سلسلہ مستقل رہے گا۔

بسمہ علی ——— سکھر

سوئٹ بسمہ علی! آپ کا سندیسہ اس بار شامل ہے اور آپ کی دیگر تحاریر غزل، نظم اور اشعار وغیرہ وقتاً فوقتاً ردا کی زینت بنتے رہیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ یونہی ردا کا حصہ بنتی رہیں گی۔ اپنی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھیے گا اور اپنا خیال رکھیے گا۔

زوناش رحمت ——— سرگودھا

سوسوئٹ زوناش رحمت! آپ کو ردا میں شامل ہونے پر ہم خوش آمدید کہیں گے اور اس بار تو آپ نے مختصر تبصرہ بھیجا ہے، ہمیں یقین ہے کہ اگلی بار آپ بھرپور تبصرے کے ساتھ ردا کی محفل میں شامل ہوں گی اور اس کے علاوہ آپ ردا کے مستقل سلسلوں میں بھی شامل ہو سکتی ہیں۔ ردا اپنے ہر لکھنے والے کو ویلکم کہتا ہے۔

انعم خان ——— ہری پور

سوئٹ انعم خان! آپ سے متعدد بار ہم کہہ چکے ہیں کہ آپ اپنے ناول کی مکمل اقساط بھیج دیں کیونکہ ردا جلدی مارکیٹ میں آجاتا ہے اور آپ کی اقساط اکثر لیٹ موصول ہوتی ہیں اس لئے آپ کوشش کو کے اپنا ناول کمپلیٹ کر کے بھیج دیں۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا اور ردا کے لئے یونہی لکھتی رہیں۔ انعم خان آپ کو تھرڈ سمسٹر میں ٹاپ کرنے پر میری اور ردا کی جانب سے ڈھیروں مبارکباد۔ اللہ کرے کہ آپ یونہی کامیابیاں سمیٹتی رہیں۔

نایاب حسین ——— واہ کینٹ

سوسوئٹ نایاب حسین! ہم بالکل خیریت سے ہیں آپ کی دعاؤں اور پیار کا بے حد شکریہ اور ردا کی پسندیدگی کے لئے بھی تہہ دل سے شکریہ۔ آپ کی تحریر ہمیں موصول ہو گئی ہے اور جلد ہی وہ ردا میں شامل ہو گی۔ آپ یونہی ردا سے اپنا تعلق جوڑے رکھیے۔

نوشی ——— وہاڑی

پیاری نوشی! آپ کی دعاؤں اور پیار کا شکریہ۔ ردا آپ کا اپنا ہے آپ کا خط شامل کیا جا رہا ہے اب تو آپ کو شکایت نہیں ہو گی، اکثر سندیسے نہ شائع ہونے کی وجہ ان کا دیر سے ملنا ہوتا ہے۔ جو سندیسہ بروقت موصول ہو جاتا ہے وہ ردا کی زینت ضرور بنتا ہے اس لئے اگر آپ مستقل سندیسے کے سلسلے میں شامل ہونا چاہتی ہیں یا اس کے دیگر مستقل سلسلوں میں تو ہر ماہ کی 5 تاریخ تک اپنی نگارشات بھیج دیا کریں اور یہی باقی سب کے لئے میں کہنا چاہوں گی کہ اپنی نگارشات ہر ماہ کی پانچ تک بھیج دیا کریں۔

عمارہ حنیف ——— لاہور

سوسوئٹ عمارہ حنیف! آپ کو ردا میں ہم دل سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ اس بار آپ کا سندیسہ ردا میں شامل ہے اور آپ جلدی اپنا ناول کمپلیٹ کر کے ردا کے پتے پر ارسال کر دیں۔ یہ ردا کا وعدہ ہے کہ وہ نئے لکھنے والوں کو موقع ضرور دیتا ہے اور ردا سے آپ کی محبت ہمیں بہت پسند آئی کہ آپ اتنے ٹف شیڈول میں بھی ردا کے لئے ٹائم نکال لیتی ہیں۔

دھنک ناز ——— کراچی

سوئٹ دھنک ناز! آپ کا کتب بینی کا شوق اپنی جگہ بے مثال ہے مگر آپ کی امی کی ڈانٹ بھی بجا ہے سو آپ پہلے گھر کے کام اور پھر اپنے کتب بینی کے شوق کو پورا کیا کریں تا کہ آپ کو امی کی ڈانٹ نہ کھانی پڑے۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

سحر انجم ——— کراچی

سوئٹ سحر انجم! آپ کا افسانہ مل گیا ہے جلد ہی ردا کی زینت بن جائے گا مگر آپ نے اشعار کا استعمال کچھ زیادہ کیا ہے اس لئے کچھ رہنے دیئے اور کچھ کو کاٹنا پڑا۔ دراصل ناول، ناولٹ اور افسانوں میں بے تحاشا اشعار یا شاعری کا استعمال کہانی سے قارئین کی توجہ اکثر ہٹا دیتا ہے، ہمیں امید ہے کہ آگے آپ اس بات کو ذہن میں رکھیں گی، اپنا خیال رکھیے گا اور یونہی ردا کا حصہ بنی رہیں۔

غزالہ شہزادو ——— کراچی

سوئٹ غزالہ! تمہارا سندیسہ پڑھا بے حد دکھ ہوا، اب جانے والوں کے لئے کیا کہوں، اللہ انہیں اپنی رحمت میں رکھے اور تم سب کو صبر عطا کرے۔ یہ دکھ کی گھڑی آزمائش کا وقت ہے جو اللہ اپنے پیارے بندوں کو دیتا ہے اور دکھ سمیٹنے میں دشواریاں ضرور ہوتی ہیں لیکن اللہ کی ذات بہت بڑی ہے جو ہمارے سارے دکھ سمیٹ لیتی ہے تو اللہ پر یقین رکھیے اور اچھی خواہشات رکھیے۔

کرن امیر بہادر ——— کراچی

سوئٹ کرن! آپ کا افسانہ ہمیں موصول ہو گیا ہے آپ نے کوشش تو بھرپور کی مگر آپ کو ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے، کوشش جاری رکھیے۔ یقیناً ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ بہت اچھا لکھنے لگیں گی، ابھی آپ ردا کا مطالعہ جاری رکھیے اور اس میں شامل تمام رائٹرز کی تحاریر کو پڑھیں اور پھر کوشش کریں لکھنے کی کہ ردا اپنے پڑھنے اور لکھنے والوں کو بھرپور موقع دیتا ہے اپنا خیال رکھیے گا۔

——☆☆☆——

باتیں صحت کی

کان کے درد کا علاج

ادرک کا رس یا شہد کان میں ایک قطرہ ٹپکانے سے کان کا درد ختم ہو جاتا ہے۔

تلسی کے تیل کے چند قطرے کان میں ڈالنے سے کان کا درد ختم ہو جاتا ہے۔

کان میں اگر کوئی کیڑا چلا جائے

نیم گرم سرسوں کے تیل کے چند قطرے ڈالنے سے وہ مر جاتا ہے۔

ذیابیطس کے لیے

کلونجی کے 11 عدد دانے روزانہ صبح کے وقت نگل لیا کریں' شوگر اور تمام بیماریوں میں فائدہ مند ہے۔

ہاتھ پاؤں سے زیادہ پسینہ آنے کا علاج

بیری کے پتے پیس کر ہاتھ پاؤں پر لگائیں۔

کیکر کی پتیاں خشک باریک پیس کر ہتھیلی اور تلوؤں پر ملیں۔

پھٹکری پانی میں گھول کر اس سے ہاتھ کی ہتھیلیوں اور تلوؤں کو دھوئیں۔

آنکھوں کی کھجلی کے لیے

نیم گرم دودھ روئی کے ساتھ لگائیں۔

آواز کے بیٹھ جانے کا علاج

12 گرام جو کو بھون لیں پھر اس بھنی ہوئی جو کو دن میں 3 بار چبائیں' اس سے آواز ٹھیک ہو جاتی ہے۔

بلغم اور کھانسی کا علاج

مزاج بلغمی ہو یا بلغم کی وجہ سے تکلیف رہتی ہو تو روزانہ 11 دانہ منقیٰ کے بیج نکال کر 11 دانہ کالی مرچ کے ساتھ کھالیں' چند دن میں بلغم ختم ہو جائے گا۔

چہرے کی جھریوں کے لیے

سونے سے پہلے چہرے پر روغن بادام ہلکا سا لگا کر اور پھر مندرجہ ذیل لیپ آنکھوں کے اطراف ہلکا ہلکا لگائیں۔ خوبانی کا گودا 2 چائے کے چمچے میں خوبانی کی گری پسی ہوئی ایک چائے کا چمچہ اور پسے ہوئے بادام ایک چائے کا چمچہ ان سب کا لیپ بنا کر استعمال کریں پھر صبح سادہ پانی سے دھولیں۔

خون کی کمی کا علاج

چقندر کھائیں کچا یا پکا کر ہفتے میں کم از کم 3 دن اور اگر ضرورت زیادہ ہو تو روزانہ اس کا جوس نکال کر پئیں۔

..........☆☆☆☆☆..........

ثریا اقبال

کچن

موسم گرما آتے ہی مزے مزے کے پھل اور ذائقے دار سبزیاں مارکیٹ میں آنے لگ جاتی ہیں جو گرمی کی شدت کو کم کر کے معدے کو ٹھنڈک بخشتی ہیں' خاص طور پر گرمی کے موسم میں اچار اور چٹنیاں بہت ہی اچھی لگتی ہیں۔ اس بار کا ''ردا کا کچن'' ہم مختلف اچار اور چٹنیوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جو یقیناً آپ سب کو پسند آئے گا۔

لہسن اور ہری مرچ کا اچار

اجزاء:

ہری مرچیں (کٹی ہوئی): 1 پیالی
لہسن: 1/4 پیالی
میتھی دانہ: 1/4 چائے کا چمچ
رائی: 1/2 چائے کا چمچ
ہلدی: 1/2 چائے کا چمچ
تیل: 3 کھانے کے چمچ
لیموں کا رس: 4 عدد بڑے لیموؤں کا
نمک: حسب ذائقہ

ترکیب: تیل گرم کر کے لہسن' ہری مرچیں اور سارا مصالحہ فرائی کر لیں۔

ہلا کر ایک پیالی پانی اور نمک ملا لیں۔ اب دوبارہ چولہے پر چڑھا کر ابال لیں۔

ٹھنڈا کر کے بوتل میں بھر لیں۔

پیاز کا ترش اچار

اجزاء:

پیاز (چھوٹی): 1 کلو
لہسن: 1 پاؤ
سوکھا پودینہ: 2 کھانے کا چمچ
سرکہ: حسب ضرورت
نمک: حسب ذائقہ

ترکیب: اگر تازہ پودینہ استعمال کر رہی ہیں تو دھو کر سکھا لیں۔ اس کے بعد چوپ کر لیں۔ لہسن موٹا موٹا کچل لیں۔ لہسن اور پودینہ مکس کر لیں۔ پیاز چھیل لیں۔ ایک بڑے جار میں ثابت پیاز کی ایک تہہ بچھائیں۔ اس میں لہسن' پودینہ اور نمک مکس کر دیں۔ اس طرح یہ عمل دہراتے رہیں۔ اس میں جار کے اوپر تک سرکہ ڈال کر جار کو اچھی طرح ڈھانپ دیں۔ اسے دو سے تین مہینوں کے لیے ٹھنڈی جگہ پر رکھ کر استعمال کریں۔

ہرے ٹماٹر کی چٹنی

اجزاء:

ہرے گدرے گدرے ٹماٹر: 6 عدد
ہری مرچ: 8 عدد
نمک: حسب ذائقہ
سفید زیرہ: 1 چائے کا چمچ
سرسوں کا تیل: 2 کھانے کے چمچ

ہرا دھنیا: 1 بڑی گٹھی
بغیر چھلے لہسن کے جوے: 6 عدد
لیموں: 2 عدد
کالی مرچ کٹی ہوئی: 1 چائے کا چمچ

ترکیب: سب سے پہلے سارے ٹماٹر چولہے کے اوپر ہلکے ہلکے بھون لیں پھر سوائے کالی مرچ اور لیموں کے سارے مصالے ٹماٹروں کے ساتھ بلینڈر میں پیس لیں۔ ایک فرائنگ پین میں پسی ہوئی چٹنی، لیموں کا رس اور کالی مرچ ملا کر پانچ منٹ کے لیے فرائی کر لیں۔ ہرے ٹماٹر کی چٹنی تیار ہے۔

املی کی کھٹی چٹنی

اجزاء:
املی: 1 پاؤ
(ڈیڑھ پیالی گرم پانی میں بھگو لیں)
سونٹھ پسی ہوئی: 1 چائے کا چمچ
کالا نمک: چٹکی بھر
نمک: حسب ذائقہ
سفید زیرہ بھنا ہوا: 1 چائے کا چمچ (پسا ہوا)
لال مرچ پسی ہوئی: 1 چائے کا چمچ

ترکیب: املی کے رس کو چھان کر سوائے کالا نمک کے باقی تمام مصالے ملا کر دس منٹ پکا کر اتار لیں۔ پانچ منٹ بعد کالا نمک ملا دیں۔

املی کی میٹھی چٹنی

ترکیب: میٹھی چٹنی کے تمام مصالے کھٹی چٹنی والے ہی ہیں۔ اس میں آدھی پیالی چینی یا گڑ ملا کر پکا لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر کالا نمک ملا دیں۔ آپ ان کو صاف بوتل میں بند کر کے فریج میں رکھ دیں۔ اسے کئی دن تک استعمال کر سکتے ہیں۔ تاہم اس میں ہمیشہ لکڑی کا چمچا استعمال کریں۔

دہی ملی مرچوں کا اچار

اجزاء:
ہری مرچ: 1 کلو
(درمیانے سائز کی اچھی طرح کپڑے سے پونچھ کر خشک کر لیں اور چیرا لگا لیں)
نمک: حسب ذائقہ
سفید زیرہ کٹا ہوا: 1 کھانے کا چمچ
دہی: ڈیڑھ کلو
ادرک لہسن پسا ہوا: 2 کھانے کے چمچ
بھنے ہوئے چنے: 2 کھانے کے چمچ
(باریک پیس لیں)

ترکیب: ایک مٹی کی ہانڈی میں دہی اور ایک گلاس پانی، زیرہ، چنے، نمک، ادرک اور لہسن اچھی طرح ملائیں۔ دھلی اور خشک مرچیں دہی میں ڈال دیں۔ یہ دھیان رکھیں کہ مرچیں دہی میں ڈوبی ہوئی ہوں۔ دھوپ میں دیگچی باہر رکھ دیں ڈھکن ڈھانپ دیں۔ شام سے پہلے دیگچی اندر رکھ لیں۔ دو تین دن اسی طریقے سے دھوپ لگائیں۔ تین دن بعد مرچوں کو دہی سے نکال کر کسی بڑی تھالی میں ڈال کر دھوپ میں سکھا لیں۔ ایک دو دن دھوپ میں رکھیں رات میں اندر، جب بالکل سوکھ جائیں تو مرتبان میں بند کر کے رکھ دیں، یہ مرچیں کئی دن تک استعمال کر سکتے ہیں۔ جب کھانا ہو تو تھوڑی مرچیں نکال کر کم تیل میں تل لیں۔ جب براؤن ہو جائیں تو نکال کر کھائیں۔ بے حد خستہ اور مزیدار لگیں گی۔

..........☆☆☆..........

شہلا مشائق

سنگھار

موسم گرما شروع ہو چکا ہے ان دنوں دھوپ کی جو تمازت ہے اس میں جہاں دیگر نقصانات ہیں وہیں آپ کی جلد ڈائریکٹ متاثر ہوتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ روز شاور لیں تاکہ جلد پر دھول مٹی جمع نہ ہو اور مسامات میں جم کر فیس پر دانوں کا باعث نہ بنیں۔ موسم گرما کی مناسبت سے ہم آپ کو چند آسان اور آزمودہ طریقے بتا رہے ہیں جن سے آپ بھرپور فائدہ اٹھا کر خود کو موسم گرما میں بھی ہر پل فریش اور تروتازہ رکھ سکتی ہیں۔

جلد کا مساج

جس طرح ایک پودے کو بھرپور توجہ اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے بالکل اسی طرح ہمارے چہرے کو بھی بھرپور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جلد کا مستقل مساج اس کی دلکشی کو تادیر برقرار رکھتا ہے۔ اس سے پورے جسم میں خون کی آمد و رفت بحال رہتی ہے۔

دھوپ سے بچیں

اگر آپ تادیر اپنی جلد کو جھریوں اور چھائیوں سے پاک رکھنا چاہتی ہیں تو جتنا ہو سکے دھوپ سے دور رہیں، ساتھ ہی باہر نکلتے وقت سن گلاسز اور جلد کی حفاظت کے لیے کریم وغیرہ استعمال کریں۔

پانی کا بھرپور استعمال

گرمی میں جتنا زیادہ پانی استعمال کیا جائے بہتر ہے اس طرح چہرے اور جلد کی قدرتی خوبصورتی اور شادابی بھی طویل عرصے تک برقرار رہتی ہے یہ نہ صرف آپ کی جلد کی عمر بڑھانے کے لیے ضروری ہے بلکہ مختلف بیماریوں سے بچاؤ اور غذا کو ہاضم بخش بنانے میں بھی معاونت کرتا ہے۔ دن میں کم از کم پندرہ سے بیس گلاس پانی استعمال کرنے سے آپ تروتازہ اور فریش نظر آتے، ساتھ ہی آپ کی صحت ہمیشہ اچھی رہتی ہے۔

بالوں کی دیکھ بھال

ہفتے میں کم از کم دو بار شیمپو لگائیں اور اگر بال دھونے سے پہلے تیل کا مساج کر لیا جائے تو بالوں کی صحت بحال رہتی ہے۔

خوراک پر بھی دھیان دیں

آپ کی خوراک کا متوازن ہونا بھی ضروری ہے یہ جلد پر بے حد مثبت اثر ڈالتی ہے۔

پھلوں کے جوس لیجیے

دن کے آغاز میں اگر تازہ پھلوں کے رس کا استعمال کیا جائے تو دن بھر آپ کے چہرے کی شگفتگی بحال رہتی ہے خصوصاً گاجر، سیب اور ادرک کے رس جلد کو صحت مند رکھتے ہیں۔ اگر صبح کے اوقات میں ایک

کھجور کھالی جائے تو معدے میں تیزابیت نہیں ہونے پاتی، کوشش کریں دن میں مشروب میں کافی کی جگہ چائے کا استعمال کریں کیونکہ اس میں صحت کو متاثر کرنے کی منفی چیزیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

جلد کی صفائی بھی ضروری ہے

روزانہ اپنی جلد کو سونے سے قبل اچھے کلینزر سے صاف کریں تاکہ جراثیم خلیوں میں جگہ بنا کر جلد کو نقصان نہ پہنچائیں، ساتھ ہی جلد کی صحت بھی بغیر کسی رکاوٹ کے بدستور بحال رہے گی۔

موسم گرما کے عوارض

موسم گرما میں سورج قیامت کی گرمی تلے کر طلوع ہوتا ہے اگر بروقت احتیاطی تدابیر اختیار نہ کی جائیں تو گرمی بے حال کر دیتی ہے اس موسم میں لو لگ جانا، گرمی دانے ہونا اور گرمی سے بے حال ہونا، اس موسم کے خاص عوارض ہیں کیونکہ یہ عوارض شدید نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں حالانکہ ان سے بچنا بے حد آسان ہے۔

لو لگ جانا گرمیوں میں عام سی بات ہے اس مرض میں جسم کے درجہ حرارت کو معتدل رکھنے والا قدرتی نظام معطل ہو جاتا ہے، پسینہ آنا بند ہو جاتا ہے، نبض تیز رفتار، درجہ حرارت بلند اور جلد سرخ نیلگوں اور دھبے دار ہو جاتی ہے، اگر فوری علاج سے درجہ حرارت کم نہ کیا جائے تو یہ صورتحال سنگین ہو جاتی ہے۔ گرمی کے موسم میں لو لگنے (سن اسٹروک) سے بچنے کے لیے چند تدابیر اختیار کریں۔

☆ گرمی میں گھر سے نکلنے سے پہلے خوب پانی پی لیں۔

☆ ممکن ہو تو سفر میں پانی ساتھ رکھیں اور وقفے وقفے سے پانی پیتے رہیں۔

☆ اگر مجبوری نہ ہو تو تیز گرمی میں (دوپہر ساڑھے گیارہ سے ڈھائی بجے تک) باہر نہ نکلیں۔

☆ اگر گرمی میں نکلنا پڑ جائے تو سر پر اسکارف، رومال یا دوپٹہ اوڑھ لیں۔ سر کے پچھلے حصے خصوصاً گدی کو گرمی سے بچائیں۔ زیادہ گرمی کی صورت میں تولیے کو گیلا کرنے کے بعد نچوڑ کر سر پر رکھ لیں۔

☆ لو سے بچنے کے لیے پانی زیادہ سے زیادہ پئیں اور ایسی غذائیں استعمال کریں جن میں حیاتین ج (وٹامن سی) پایا جاتا ہے مثلاً کیریاں، فالسہ، لیموں وغیرہ۔

گرمی دانے موسم گرما میں خاص طور پر تکلیف کا باعث بنتے ہیں جب ماحول گرم و مرطوب ہو اور پسینہ خشک ہونے کا موقع نہ ملے تو جسم پر گرمی دانے نکل آتے ہیں، یہ گرمی دانے جسم پر کانٹوں کی طرح چبھتے ہیں۔ گرمی دانے دراصل پسینہ لانے والے غدود کے منہ بند ہونے کے باعث ہوتے ہیں جن کا علاج غسل کرنا اور جسم پر پاؤڈر چھڑکنا یا کیلا مائن لوشن لگانا ہے، موسم گرما میں جلد خشک رکھی جائے، کپڑے سوتی ہوں اور مسلسل کام کے بجائے آرام کا وقفہ دیتے رہنا چاہیے اور سب سے بڑھ کر پانی کی مقدار معمول سے زیادہ کر دی جائے تو گرمی دانوں سے نجات ممکن ہے۔ اس کے علاوہ گرمی کی تھکن گرمی سے ہونے والی تکالیف میں عام مگر معمولی نوعیت کی ہے جس میں بے چینی، چڑچڑاپن، ذہنی انتشار، درد سر اور تھکن ہوتی ہے۔ اسے رفع کرنے کے لیے متاثرہ شخص کو گرم ماحول سے دور رکھیں، بکثرت سرد مشروبات پلائیں اور پرسکون رکھنے کی کوشش کریں۔

..........☆☆☆..........